NOVEL
یعقوب یاور
دِل مُن
Gov

برادر محترم

جناب شمول احمد

کے لیے

یعقوب یاور

دِل مُن

یعقوب یاور

دِل مُن

(تمدن سندھ کے پس منظر میں ایک ناول)

یعقوب یاور

عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۹۵

نام کتاب : دِل مُن
مصنف : یعقوب یاور
اشاعت دوم : ۲۰۱۴
مطبع : کلاسک آرٹ پریس، دہلی
سرورق : اظہار احمد ندیم
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

Dilmun (Novel)
by Yaqoob Yawar
IInd Edition : 2014 Rs.: 250/-

ملنے کے پتے
○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶
○ راعی بک ڈپو، الہ آباد۔ 09889742811
○ کتب خانہ انجمن ترقی، جامع مسجد، دہلی 011-23276526
○ کتاب دار، ممبئی۔ 022-23411854
○ مرزا ورلڈ بک، اورنگ آباد۔
○ بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔۴
○ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ
○ عثمانیہ بک ڈپو، کولکاتہ
○ ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، حیدرآباد

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob:9971775969,9899706640 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

ڈاکٹر اراوتی

(سابق صدر شعبہ تاریخ ہند قدیم)

وسنت کالج برائے خواتین، راج گھاٹ، وارانسی

کے نام

فہرست

پیش لفظ

(ایک)

وادی سندھ میں تمدن کی تلاش بیسویں صدی کی اہم ترین دریافتوں میں سے ایک ہے۔ یہ تمدن اغلباً تین ہزار سال قبل مسیح سے پندرہ سو قبل مسیح کے درمیان موجود تھا۔ اور جدید پاکستان۔ ایران سرحد سے ہمالہ کی وادی اور خلیج کیمبے تک اس کا پھیلاؤ تھا۔ اس تمدن کے تعلق سے ہم بہت کچھ جانتے ہیں۔ منصوبہ بند شہری تعمیرات، سڑکیں، رہائشی مکان، کنویں، تالاب، برتن، اوزار، ہیرے جواہرات، زیورات، لباس، پکی مٹی، پتھر اور دھات کے بنے مجسمے، مہریں جیسی اشیا ہمیں اس تمدن کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ان لوگوں کی سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے اور جو معلوم ہے اس کی بنیاد اندازوں پر قائم ہے۔ اس عہد کا رسم الخط پڑھا نہیں جا سکا اور اگر اسے پڑھ بھی لیا جائے تو مہروں اور تانبوں کے پتروں پر لکھی تحریریں اتنی مختصر ہیں کہ ان کی مدد سے اس پہلو کا عمیق مطالعہ ممکن نہیں لگتا۔

اس ناول کا پس منظر یہی تمدن ہے اور اندازوں پر مبنی دریافت شدہ حقائق ہی اس کی بنیاد ہیں۔ اس میں بیان کردہ مختلف حقائق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے معلوم تاریخی حقائق قاری کے پیش نظر رہیں۔ چوں کہ اس سے متعلق معلومات کم ہے اس لیے یہاں اس کا ایک مختصر خاکہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(دو)

اس ناول میں موہن جودڑو کا نا' دل مُن' ہے۔ یموئیل این کریمر جیسے موخین سُمیر ین ادب میں مذکور دِل مُن کو وادیِ سندھ کا ہی ایک شہر تصور کرتے ہیں۔ سیلاب عظیم کے قصے میں اس شہر کا ذکر موجود ہے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں جیوسُدر (سُمیر ین نوح) کو پناہ ملی تھی۔ اس مقام کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ اس لیے اس جگہ کو سُمیر یا کے مشرق میں ہی کہیں ہونا چاہیے۔ دِل مُن کا ذکر سُمیر ین ادب میں جس طرح آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وادیِ سندھ کا ایک اہم شہر رہا ہوگا۔

موہن جودڑو (بمعنی مردوں کا ٹیلا) کا جدید نام مورخین نے اپنی سہولت کے لیے رکھا ہے یہ اس شہر کا اصل نام نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کریمر کے دلائل کی روشنی میں اس ناول میں موہن جودڑو کا قدیم نام' دِل مُن' تصور کیا گیا ہے۔

وادیِ سندھ کا دوسرا اہم شہر ہڑپا ہے۔ شری ارُن نے اپنی کتاب' بھارتیہ پُرا اتہاس کوش' کے صفحہ ۵۴۱ پر ہڑپا کے قدیم نام کے لیے' ہریوپیا' اسم کا استعمال کیا ہے۔ اس ناول میں ہڑپا شہر کے اس نام کا یہی جواز ہے۔

(تین)

تمدن سندھ کی سماجی تشکیل کا اندازہ اس تمدن سے متعلق دریافت شدہ اشیا کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ تین ہزار قبل مسیح تمدن سندھ کے زمانے میں بھائی بہن کے درمیان شادی کا رواج تھا یا نہیں، آثار قدیمہ کی بنیاد پر یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا لیکن اس روایت کے وجود کے بالواسطہ شواہد ضرور ملتے ہیں۔ رگ وید کے دسویں منڈل میں" یم یمی سنواد" میں یمی اپنے بھائی یم کی محبت میں ڈوب کر کہتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ' سمان شیا پر رمن' (ہم بستری) چاہتی ہے۔ اس کے جواب میں یم اسے سمجھاتا ہے کہ یہ عمل ایک بھائی کے لیے نا مناسب ہے۔ اس پر یمی کہتی ہے کہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے ان دونوں کی تخلیق

زوجین کی شکل میں ہی کی ہے اور اس کے بنائے اصول ناقابل تبدیل ہیں۔ اس کے جواب میں یم اس عمل کو متر وَرُن کے اصولوں کے خلاف بتا کر اسے ناقابل عمل ثابت کرتا ہے۔ یہ مکالمہ اس حقیقت کا اشارہ دیتا ہے کہ آریوں کی آمد سے قبل بھائی بہن کے درمیان شادی کی روایت رہی ہوگی اور چوں کہ یہ آریوں کے تہذیبی اقدار کے خلاف تھا اس لیے یہ روایت ان کے لیے قابل قبول نہ ہوسکی۔

رگ وید میں رُدر کا تصور قدرت کی تباہ کن صورت کی تقدیس کے تحت وجود میں آیا۔ یہاں رُدر کا رشتہ یوگ، ورشبھ یا ناگ سے نہیں ہے جب کہ شیو کے قدیم تصور میں ان تینوں کا اہم مقام ہے۔ تمدنِ سندھ کے زمانے میں پُرش دیوتا (شیو) کے تصور میں بھی اس کا تینوں سے قریبی تعلق محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ آریائی اور غیر آریائی روایات میں نقطہ اشتراک شیو کا یہی قدیم تصور ہو۔ اس عہد میں پُرش دیوتا کی طرح ہی ماتر دیوی کی پوجا بھی مقبول تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شیو کے ساتھ شکتی کے تصور نے جنم لیا۔ یجر وید میں ایک جگہ رُدر اور امبیکا کا ایک ساتھ ذکر ہے۔ جہاں دونوں کو بھائی بہن کہا گیا ہے لیکن برہمنی روایات پر مبنی تمام کتب میں دونوں کو پتی پتنی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ممکن ہے آریوں سے قبل غیر آریائی روایات یا تمدنِ سندھ کی روایات میں رُدر اور امبیکا بھائی بہن اور پتی پتنی دونوں رہے ہوں۔

اگرچہ پُرانوں نے اپنی موجودہ تحریری شکل عہد گپت میں اختیار کی لیکن اس بات کو تقریباً سب قبول کرتے ہیں کہ پُرانوں میں لاتعداد واقعات، عقاید اور روایات آریوں کی آمد سے پہلے کے ہیں۔ ان میں سیلاب عظیم سے پہلے کے واقعات کا ذکر بھی ہے۔ پُرانوں میں ایسی شادیوں کا ذکر بھی ہے جو بھائیوں اور بہنوں کے درمیان ہوئیں۔ مثال کے طور پر نُہس ایل، شکراُس نَس، کرشاشو، رہتاشو، جنہوں نے اپنی ہی بہنوں سے شادیاں کیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ مثالیں آریوں کی آمد سے قبل تمدنِ سندھ سے مستعار ہوں۔

(چار)

بحیرۂ عرب میں جہاں دریائے سندھ گرتا ہے، وہاں سے سُمیریا کا فاصلہ مغرب کی جانب تقریباً چھ سو میل ہے۔ سندھ کے قدیم شہروں سے سُمیریا کے روابط کے بارے میں مورخین میں اتفاق رائے ہے۔ دونوں تہذیبوں میں کئی باتیں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔ شہروں میں رہنا کانسے اور تانبے کے ساتھ پتھروں سے آلاتِ حرب اور اوزار بنانے کا رواج، مکانوں کی تعمیر میں کچی اور پکی اینٹوں کا استعمال، سیلاب سے حفاظت کی غرض سے عمارتوں کو ایک چبوترے پر بنانے کا رواج، چاک کی مدد سے تیار کیے گئے برتن، رسم الخط کی ایجاد اور مذہبی عقاید میں دونوں جگہ غیر معمولی مماثلت ہے۔ اس کے علاوہ اینٹوں کو بنانے کا طریقۂ کار اور محراب اور جالیاں بنانے کا فن بھی دونوں جگہ ایک جیسا ہی ہے۔ دونوں تہذیبوں میں ملبوسات میں بھی بڑی حد تک یکسانیت ہے، دونوں جگہ کے لوگ بالوں میں چوٹیاں بناتے تھے، داڑھی رکھتے تھے لیکن مونچھیں نہیں۔ دونوں ہی جگہوں کے لوگ گاڑی کھینچنے کے لیے بیلوں اور گدھوں کا استعمال کرتے تھے۔ موہن جودڑو سے حاصل ایک مہر پر بنی سُمیریائی طرز کی کشتیوں سے بھی دونوں کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ سُمیریا کی کھدائی میں دریائے سندھ کی تیس مہروں کا ملنا بھی ثابت کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان تجارتی تعلقات تھے۔

(پانچ)

زگسی پہلے اُما شہر کا پتیسی تھا پھر اُرک کا لوگل بنا۔ اس نے دھیرے دھیرے بابل کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے اُرک اور نپر کو فتح کیا اور لگش کو پوری طرح تباہ کر دیا اپنی سنگی تحریروں میں وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی حکومت این لل دیوتا کی مہربانی سے طلوعِ آفتاب کے مقام سے غروبِ آفتاب کے مقام تک ہے۔ اس نے ذیلی بحر (خلیج ایران) سے بالائی بحر (بحیرۂ متوسط) تک کا علاقہ فتح کیا ہے لیکن آخر میں وہ شاروکین سے ہار گیا تھا۔

(چھ)

اس ناول میں کہانی کو آگے بڑھانے میں تاریخی حقائق کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس بات کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ معلوم سیاسی، تہذیبی اور مذہبی حقائق کے خلاف کوئی بات نہ آنے پائے پھر بھی یہ تخیل پر مبنی ایک ناول ہے تاریخی دستاویز نہیں۔ اس لیے اس کا امکان ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات آگئی ہو جو تاریخی حقائق سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

ناول کو لکھنے اور تاریخی مواد کی فراہمی میں مجھے میرے کئی دوستوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ میں ان سب کا شکر گذار ہوں۔ حالاں کہ جانتا ہوں کہ ان کے تعاون کے مقابل شکریے کا یہ لفظ کچھ ہلکا ہے۔ ان سب کی کاوشیں کس حد تک بارآور ہوئیں ان کا فیصلہ اب باذوق اور ذہین قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

سپردم بہ تو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اصولی طور پر مجھے قاری اور ناول کے درمیان نہیں آنا چاہیے تھا، مجھے اس کا احساس ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ناول میں مذکور چند تاریخی حقائق آج کی تہذیب سے میل نہیں کھاتے اس لیے ان کی وضاحت ضروری تھی۔ بس اسی کے ساتھ اب میں درمیان سے ہٹنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

یعقوب یاور

بنارس
۲۶؍جنوری ۱۹۹۸ء

غروب آفتاب

(ایک)

کرۂ ارض پر گناہ گار انسانوں کی بد اعمالیوں سے شرمندہ سورج پردۂ مغرب میں منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آسمان پر سیاہی مائل بھورے بادلوں کے دھبے نظر آرہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جلد ہی تیز بارش ہونے والی ہے لیکن ابھی ہلکی بونداباندی کے بعد پانی رک گیا تھا۔ آسمان سے ٹپکنے والی یہ چند بوندیں بھلے ہی زمین کے سینے پر ہونے والے کالے کارناموں کا آسمانی ردعمل نہ رہی ہوں لیکن اس وقت دِل مُن کی شہر پناہ کے مشرقی پھاٹک کے باہر کھڑی ایک بے بس اور بے سہارا ادھیڑ عورت ایسا ہی سمجھ رہی تھی۔ یہ خیال اسے ڈھارس بندھا رہا تھا کہ شہر کے لوگ بھلے ہی اس کے ساتھ ہونے والی سازش کو نہ سمجھ پائے ہوں لیکن آسمان کے اس پار رہنے والا وہ مہا پوجیہ مہادیو، جس نے ساری دنیا کو پیدا کیا ہے نہ صرف اس سے واقف ہے بلکہ مغموم اور گریہ کناں بھی ہے۔

شہر پناہ کے مضبوط چوبی پھاٹک اسے شہر سے نکال کر بند ہو چکے تھے اور اب اگلے دن کا سورج نکلنے سے پہلے اس کے کھلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ دِل مُن میں رہنے والوں کی نظر میں اس نے قتل کیا تھا اور شہر کے قانون کے مطابق یہ جرم ناقابل معافی تھا۔ اسے یہ عبرت ناک سزا اسی لیے دی گئی تھی۔ غروب آفتاب کے بعد شہر کے باہر دور تک پھیلے جنگلی سلسلوں میں تنہا رہ کر خطرناک درندوں سے اپنی زندگی بچانا معجزے سے کم نہ تھا اور یہ عورت

جانتی تھی کہ معجزے اس طرح ظہور میں نہیں آتے۔

تاریکی رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ اس کے ایک طرف دلِ مَن کی حفاظتی دیوار تھی اور دوسری طرف دریائے سندھ، جس کا پانی برسات کے موسم میں سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کہیں دور سے آتی ہوئی گیدڑوں کی اور شیر کی ملی جلی خوف ناک آوازیں سندھ کی لہروں کے شور میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ یہ آوازیں کسی بھی شخص کے ہوش و حواس چھین سکتی تھیں مگر یہ عورت کمزور اعصاب کی نہیں تھی۔ اپنی نصف صد سالہ زندگی میں اس نے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا تھا اور کبھی ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس بھیانک ماحول کا اثر اس پر نہیں تھا لیکن وہ تین دن سے بھوکی تھی۔ بندی گھر کی گھٹن اور تاریکی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے بخار بھی تھا اور رات کی پرتوں کے دبیز ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود پر غنودگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے آپ پر قابو پانے اور خود کو بے ہوشی سے بچانے کی پوری کوشش کر رہی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کی یہ کوشش شاید زیادہ دیر تک کام نہ آسکے گی۔

گذشتہ چند دنوں کے دوران پیش آنے والے واقعات نے اس کے آہنی حوصلوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ وہ مایوس تھی۔ امید کی کوئی کرن اس تاریکی کا سینہ چاک کر کے اس کی مدد کو نہیں آ رہی تھی۔ آج کا دکھ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا کیوں کہ آج کے اس عمل کا ذمہ دار یہ زمانہ نہیں اس کا اپنا بیٹا تھا۔ وہی بیٹا جسے اس نے نہایت نامساعد حالات میں جنم دیا تھا۔ دشمنوں کی نظروں سے بچا کر اس کی پرورش کی تھی۔ اس وقت اگر کسی مرحلے پر بھی وہ چوک جاتی تو یہی دنیا والے، جن کے مشوروں سے آج اسے یہ سزا دی گئی ہے اسے زندہ نہیں رہنے دیتے۔

اس بچے کی پرورش بڑے ہنگامی حالات میں اور بالکل مختلف انداز سے ہوئی تھی۔ وہ عام مردوں سے الگ مزاج رکھتا تھا۔ اس کے دل میں عورتوں کے لیے ہمدردی اور احترام کا جذبہ تھا۔ پتا نہیں کیسے آج اس کی سوئی ہوئی حیوانی جبلت بیدار ہو گئی تھی اور اس کی زد میں وہ عورت آ گئی تھی جو اس کی ماں بھی تھی اور محسن بھی۔ جیون داتا بھی تھی اور رہبر بھی۔ اسی بیٹے نے آج اس کے تمام احسانوں کو فراموش کر کے اسے بدترین سزا دلانے میں مدد کی تھی۔ شاید اس لیے کہ اب وہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں اور ضابطوں کی قید سے آزاد ہو کر اپنی زندگی

گزارنا چاہتا تھا۔ اب وہ ایک گناہ گار معمولی عورت کا بیٹا نہیں دل مُن پالک بن چکا تھا جس کا ہر حکم قانون اور ہر فیصلہ انصاف تھا۔

(دو)

موت سامنے تھی لیکن اس عورت کو موت کا ڈر نہیں تھا۔ اسے اب اور جینے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ اس کے دل میں کوئی انتقامی جذبہ بھی نہیں تھا۔ شاید اسی لیے وہ جنگلی جانوروں اور دریا کی ملی جلی خوفناک آوازوں سے بھی بے نیاز تھی۔ اس کا جسم بخار کی حدت سے ٹوٹ رہا تھا اور ذہن و دماغ فیصلے کی قوت کھو چکے تھے۔ اس کی زندگی کی ساری ریاضت برباد ہو چکی تھی۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس لمحے وہ بے ہوشی کا مقابلہ کرتے ہوئے حیات و موت کی کشمکش سے آزاد کسی اور ہی فکر میں مبتلا تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شہر پناہ کے اس پھاٹک سے باہر پھینکے جانے کا واقعہ اس کی زندگی میں دوسری بار رونما ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ جب یہ واقعہ پہلی بار ہوا تھا تو اس کی عمر صرف سترہ برس تھی اور اس وقت اس کے اندر زندہ رہنے کی شدید خواہش اور انتقام لینے کا جذبہ اپنی انتہا پر تھا۔

اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی اور وہ مختلف زاویوں سے اپنی پہلی سزا اور آج کے احساسات کا موازنہ کیے جا رہی تھی۔

(تین)

آکاش سے خون برس رہا ہے ۔۔۔۔۔۔ نہیں یہ خون نہیں ۔۔۔ ہے لیکن اس کا رنگ سرخ کے بجائے سفید کیوں ہے؟ ۔۔۔۔ یہ بادلوں کے پیچھے سے شیر کیسے جھانک رہا ہے۔ آکاش میں بھلا شیر کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔ نہیں یہ شیر نہیں گائے ہوگی ۔۔۔ گائے ۔۔۔ گائے اور آکاش ۔۔۔ میرا تو مستک پھٹا جا رہا ہے۔

یہاں شاید پاس میں کوئی نالی ہے جس میں سانپ رینگ رہے ہیں ۔۔۔ میرا دل کیوں ڈوب رہا ہے؟ ۔۔۔ میں کہاں ہوں؟ ۔۔۔ یہ کون ہے؟ ارے یہ تو ۔۔۔ نہیں نہیں

۔۔۔۔پھر میں چیخ کیوں رہی ہوں؟ ۔۔۔۔یہ تو گھاس ہے لیکن گھاس پر کون بیٹھا ہوا ہے؟ اس کی موٹائی کیوں بڑھتی جا رہی ہے؟ یہ کیسی کیسی چیزیں مجھے نظر آ رہی ہیں؟ ۔۔۔۔شاید میں بے ہوش ہو رہی ہوں ۔۔۔۔شاید ۔۔۔۔۔نہیں ابھی مجھے بے ہوش نہیں ہونا چاہیے۔ ابھی تو مجھے بہت کچھ سوچنا سمجھنا ہے۔ میں بیتے دنوں کی یاد تازہ کرنا چاہتی ہوں ۔۔۔۔لیکن میرے سوچنے کی شکتی تو سماپت ہوتی جا رہی ہے۔

یہاں گھور اندھکار ہے ۔۔۔۔یہ آواز کہاں سے آئی۔ شاید کوئی جنگلی جانور ہو گا۔۔۔ نہیں یہ تو میری اپنی سوچ کی آواز ہے۔۔۔۔یہ دیوار کیسے آ گئی۔ اب میں کیا کروں ۔۔۔۔ارے یہ تو اپنے آپ ہٹ گئی ۔۔۔۔چلو اچھا ہوا۔ یہاں پرکاش تو ہے۔ اندھکار میں تو میرا دم گھٹا جا رہا تھا ۔۔۔۔لیکن یہ پرکاش؟ ۔۔۔۔دور دور تک نہ سورج ہے نہ کوئی دیپک ۔۔۔۔خیالات کی یہ کیسی لہر ہے ۔۔۔۔کیا میں پاگل ہو رہی ہوں۔

چلو کوئی زندہ چیز تو نظر آئی ۔۔۔۔شاید یہ پکشی ہیں جو کھلے آکاش میں آزادی سے اڑ رہے ہیں ۔۔۔۔آزادی اور میں؟ میں آزاد نہیں ہوں ۔۔۔۔ان پکشیوں کی صورتیں تو بڑی عجیب ہیں ۔۔۔۔نہیں نہیں یہ پکشی نہیں ہو سکتے، ان کے چہرے تو انسانوں جیسے ہیں ۔۔۔۔شاید یہ دیودوت ہیں ۔۔۔۔شاید پرم کرپالو مہادیو نے انہیں میری سہایتا کے لیے بھیجا ہے ۔۔۔۔نہیں نہیں ان کا تو حلیہ بدل رہا ہے ۔۔۔۔یہ دیودوت نہیں ہو سکتے ۔۔۔۔یہ تو بھیانک دکھائی دے رہے ہیں ۔۔۔۔اور ان کے پاؤں ۔۔۔۔یہ تو زخمی معلوم ہو رہے ہیں۔ ان میں سے خون بہہ رہا ہے ۔۔۔۔خون ۔۔۔۔لیکن خون کا رنگ تو لال ہوتا ہے۔

اب یہ پانی کہاں سے آ گیا ۔۔۔۔لو میں تو پانی میں تیرنے لگی ۔۔۔۔لیکن میرے ہاتھ پاؤں کیوں نہیں چل رہے ہیں ۔۔۔۔اب پھر دیوار ۔۔۔۔میں تو دیوار سے ٹکرا گئی ۔۔۔۔ہاں اب ٹھیک ہے۔ پانی دیوار سے اونچا ہو گیا ۔۔۔۔لیکن یہ اتنا پانی آ کہاں سے گیا ۔۔۔۔شاید میرے آنسو ۔۔۔۔یہ بھی کوئی بات ہوئی ۔۔۔۔شاید آکاش کے آنسو ۔۔۔۔ہاں یہ ہو سکتا ہے ۔۔۔۔مجھے نیند آ رہی ہے ۔۔۔۔یہ کس کے چیخنے کی آواز ہے ۔۔۔۔اب تو جیسے پورا شہر چیخ رہا ہے ۔۔۔۔لاشیں لاشیں ۔۔۔۔لاشوں کا شہر ۔۔۔۔نہیں یہ دِل مَن ہے ۔۔۔۔دھرتی پر سورگ ۔۔۔۔زندگی کا ٹیلا ۔۔۔۔زندگی کا ٹیلا ہو یا موت کا، سورگ ہو نرک ایک ہی بات

ہے۔۔۔۔یہ اندھیرے میں روشنی کہاں سے آ گئی۔۔۔۔چلو اچھا ہے۔

آج مجھے کیسی کیسی عجیب چیزیں نظر آ رہی ہیں؟۔۔۔۔مجھے کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔شاید میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔۔۔۔یا شاید میں اب زندہ ہی نہیں ہوں۔۔۔۔اب تو میری آنکھوں نے بھی کام کرنا بند کر دیا ہے۔۔۔۔۔اندھکار۔۔۔۔اندھکار۔۔۔۔کالا۔۔۔۔گہرا کالا۔۔۔۔بھیانک۔۔۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔۔نیند۔۔۔۔

طلوعِ سحر

(ایک)

دیوانئی غصے اور خوف کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ دِل مُن کے اس مضبوط چوبی پھاٹک کو دیکھ رہی تھی جو اسے شہر کے باہر نکالے جانے کے بعد بند ہو رہا تھا۔

جس جرم پر اسے یہ سزا دی گئی تھی اس پر وہ اب بھی شرمندہ نہیں تھی وہ خوش تھی کہ اس نے کم از کم ایک انسان نما درندے کے بوجھ سے اس زمین کو نجات دلادی ہے۔ ہاں اسے اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ محض سترہ سال کی قلیل عمر میں اسے موت کو گلے لگانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ایسی سزا لوگوں کو پہلے بھی ملتی رہی ہے۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے ایک سزا یافتہ ناگرک کی لاش سزا کے دوسرے دن دیکھی تھی جس کا تقریباً نصف حصہ جنگلی جانور ادھیڑ کر کھا چکے تھے۔ اس انجام کا تصور کرتے ہوئے دیوانئی کانپ گئی۔ اس کی موت بھی یقینی تھی لیکن اس کے دل میں زندہ رہنے کی شدید خواہش مچل رہی تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی کہ اب اس کے لیے زندگی کا ایک مقصد تھا۔

وہ بھوکی تھی اس کا سارا بدن بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ اپنے ہوش و حواس برقرار رکھنے کی کوشش کے باوجود اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ اپنے آپ پر قابو پانا اب اس کے لیے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ نیم وا آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ نورانی چہرے والا ایک سنیاسی قریب کی پہاڑی پر سوکھی لکڑیاں چن رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے لیکن آواز اس کے گلے میں پھنس کر رہ گئی۔

اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بے ہوشی کی آغوش میں چلی گئی۔

(دو)

شہر پناہ کے جس مضبوط چوبی پھاٹک کے سامنے دیوانئی بے ہوش پڑی تھی اسے دِل مُن کے فرض شناس، نیک دل اور انصاف پسند نگر پالک اکنتی رین نے تعمیر کروایا تھا تاکہ یہ شہر دشمنوں اور جنگلی جانوروں کی دست برد سے محفوظ رہے دِل مُن ایک ایسا خوبصورت اور خود کفیل شہر تھا جس کی طرف آس پاس بسنے والوں کی نگاہیں احترام سے اٹھا کرتی تھیں۔ نگر پالک نیک نیت ہو تو رعایا کی خوش حالی یقینی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں تقریباً ہر گھر نفع بخش تجارت میں مصروف تھا پالتو جانوروں کی فراوانی تھی اور لوگ خوش حال تھے یہ وہی اکنتی رین تھے جنہوں نے دِل مُن میں ایک ایسا عظیم الشان تالاب تعمیر کروایا تھا، جس کی نظیر دنیا بھر میں کہیں نہیں تھی۔

یہ کوئی معمولی تالاب نہیں تھا۔ اس کی لمبائی پچیس ہاتھ چوڑائی پندرہ ہاتھ اور گہرائی چھ ہاتھ تھی۔ اس میں شمال اور جنوب کی طرف پختہ اینٹوں کی آٹھ آٹھ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں شمالی سیڑھیوں کے پاس ایک چبوترہ تھا، جہاں بیٹھ کر مہادیو کی آرادھنا کی جاتی تھی۔ اس تالاب کی دیواریں اور فرش بہت مضبوط تھے۔ آئے دن آنے والے سیلاب اور زلزلے کے جھٹکوں کو یہ آسانی سے برداشت کر لیتا تھا۔ ان دیواروں میں اینٹوں کی چنائی بڑی مشاقی اور فن کاری سے کی گئی تھی۔ تالاب کی تہہ میں کھری اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا تاکہ اس میں سے پانی نہ رس سکے۔ اس کا ڈھال جنوب مشرق کی طرف تھا کہ بڑی نالی اسی جانب سڑک کے نیچے تھی۔

تالاب کے چاروں طرف برآمدے تھے۔ برآمدے کے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے تھے ان کے اوپر دوسری منزل میں بھی ایسی ہی کمروں کی قطار تھی یہاں عورتیں اور مرد اپنے لباس تبدیل کرتے تھے۔ ایک کمرے میں کنواں تھا جو تالاب کا پانی بدلنے اور اس میں اترنے سے پہلے بدن کی صفائی کے کام آتا تھا۔

اس تالاب کی تعمیر کا مقصد پہلے تو نگر پالک کے کوٹ میں رہنے والوں کے

لیے تفریح کا سامان فراہم کرنا تھا اسی لیے اس کے چاروں طرف ایک باغیچہ بنایا گیا تھا جہاں کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے لا کر پھولوں اور پھلوں کے پودے لگائے گئے تھے۔ لیکن ناگرکوں کی غیر معمولی دلچسپی اور شدید خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے نگر پالک نے ہفتے کے آخری دن اسے سب کے لیے کھول دیا۔ لوگ اس دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے تھے اور اس دن یہاں پر جشن کا سماں ہوتا تھا۔ نگر پالک اکنتی رین کی مہربانیوں کی اور رعایا پروری کی بے شمار مثالوں میں سے یہ ایک ادنیٰ مثال تھی۔

لیکن اب مہامن اکنتی رین کا زمانہ نہیں تھا۔ ان کے انتقال کو کئی برس ہو چکے تھے۔ ان کے بعد دِل مُن کے ناگرکوں نے ان کے پتر کشال کو نگر پالک تسلیم کر لیا تھا۔ اب اس طویل و عریض شہر میں نگر پالک کشال کا حکم چلتا تھا لیکن اکنتی رین کی طرح مہامن کشال کے حسن انتظام، نیک دلی، اور رعایا پروری پر لوگوں کا اتفاق نہیں تھا۔ نگر پالک کشال میں سب خامیاں ہی خامیاں ہوں ایسا نہیں تھا لیکن ان کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کا حلقہ محدود اور اور ان کے مزاج کا عتاب جھیلنے والوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ شہر میں بدامنی اور خوف کی فضا تھی لیکن نگر پالک کے کسی فیصلے پر نکتہ چینی کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔

کشال شراب کا شوقین تھا اور حسین عورت اس کی بدترین کمزوری تھی۔ نگر پالک کو یہ شوق ہوں تو انہیں غلط نہیں سمجھا جا سکتا لیکن کشال کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ وہ شراب کے نشے میں ہو یا خوبصورت عورت اس کے سامنے آ جائے تو اس کی قوت فیصلہ متاثر ہو جاتی تھی۔ اس کی نگر سبھا کے لوگ ایسے اوقات کو اپنے مفاد کے لیے اس طرح استعمال کر لیتے تھے کہ نگر پالک کو شبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اگر کبھی نگر پالک کو محسوس بھی ہوتا کہ ان کا کیا ہوا فیصلہ مناسب نہیں ہے تو کرتاؤں میں اس ڈر سے کھلبلی مچ جاتی کہ کہیں مہامن اپنا فیصلہ بدل نہ دیں۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے نگر پالک سے مل کر ان کے فیصلے کو اس طرح جائز اور انصاف کے عین مطابق قرار دیتے کہ وہ مطمئن ہو جاتے۔ یہ کرتا نگر پالک کو شہر کی صحیح صورت حال سے بھی واقف نہیں کراتے تھے۔ وہ صرف ایسی خبریں ان تک پہنچاتے تھے جن سے مہامن خوش ہوں اور جن سے ان کے ذاتی مفادات کو ٹھیس نہ پہنچتی ہو۔ کبھی کبھی نگر پالک کو اپنے کرتاؤں کی بات پر یقین نہ آتا تو وہ اچانک شہر دیکھنے کا حکم جاری کر دیتے۔ کرتاؤں نے اس کا پورا

انتظام کر رکھا تھا کہ جب جب ایسا وقت آئے تو مہامن کی سیر کا راستہ کیا ہو اور کیسے لوگ انھیں راستے میں ملیں۔ چنانچہ شہر گھومنے کے بعد نگر پالک اپنے شہر کی خوش حالی، امن وسکون اور خوش انتظامی دیکھ کر مطمئن ہو جاتے۔ عیش ونشاط میں ڈوبے نگر پالک کے پاس سچ جاننے کا اس سے زیادہ وقت تھا بھی نہیں۔

شہر کی قسمت نگر سبھا کے کرتاؤں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ شہر کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ نگر پالک کی حیثیت بے معنی ہو چکی تھی۔ ناگرک اس بات کو جانتے تھے اس لیے وہ نگر پالک کی فکر چھوڑ کر کرتاؤں کو خوش رکھنے کے جتن کرتے رہتے تھے۔ خوش وہی تھے جو اس راز سے واقف تھے اور اس ماحول میں خود کو ڈھال سکتے تھے لیکن ایسے سمجھ دار لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ تعداد میں ایسے لوگ زیادہ تھے جو اس ماحول میں خود کو ڈھالنے کی صلاحیت سے محروم تھے۔ ان کی بدحالی ان کا مقدر بن چکی تھی۔ ایسے لوگوں میں سے کچھ تو شہر چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جا بسے تھے باقی لوگ اپنی بدحالی کو اپنی قسمت کا جبر سمجھ کر کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ شہر کی تجارت بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ غیر ملکی تاجروں کی آمد ورفت میں کمی آئی تھی۔ اور اس کا مجموعی اثر شہر کی معیشت پر پڑا تھا۔ دِل مُن جیسا خوش حال شہر اب اپنے کئی حصوں میں بھک مری کا چشم دید گواہ تھا۔

دِل مُن میں عورتوں کا حال ویسے ہی دگرگوں تھا۔ ان کی تہذیبی روایت میں اس کی حیثیت ذریعۂ تفریح سے زیادہ نہ تھی۔ دیوتاؤں کو خوش کرنا ہو یا انسانوں کو، عورت کی زندگی، اس کی فن کاری اور اس کے جسم کا استعمال عام تھا۔ اس کی سب سے بڑی طاقت اس کا حسن تھا اور وہی عورت خوشی کے ساتھ زندگی گذار سکتی تھی جو اپنی اس طاقت کا سلیقے سے استعمال کرنا جانتی ہو۔ چوں کہ زمانہ اپنے انسانوں کی تخلیق وتربیت خود کرتا ہے اس لیے عورتوں نے بھی اسی حد میں رہتے ہوئے اپنے لیے آسودگی اور خوشحالی کے راستے ڈھونڈھ لیے تھے۔ وہ مطمئن تھی، اسے زمانے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن نئے نگر پالک کی سرمستیوں نے عورت کا رہا سہا وقار بھی مجروح کر دیا تھا۔ اب کوئی عورت محفوظ نہیں تھی، نگر پالک کی بے راہ روی کی پیروی ناگرک بھی کرنے لگے تھے اور نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ آزادانہ عورتوں کی خرید وفروخت کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ حالانکہ یہ خلاف قانون تھا لیکن بدنظمی کے اس دور عروج میں

قانون کی پرواہ ہی کسے تھی۔

(تین)

''پُتری اٹھو، تم یہاں کیوں لیٹی ہوئی ہو'' مہرشی کرپا نے بے ہوش پڑی لڑکی کو آواز دی۔

انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس بدنصیب کو سزا کے طور پر شہر پناہ کے باہر پھینکا گیا ہوگا۔ انہوں نے اسے غور سے دیکھا۔ لڑکی کا معصوم چہرہ اس کی بے گناہی کی قسمیں کھا رہا تھا۔ انھیں یہ فیصلہ کرنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی کہ یہ لڑکی بے گناہ ہے اور کسی سازش کے تحت اسے سزا دی گئی ہے۔ ان کے اس فیصلے میں لڑکی کی کم عمری اور معصومیت کا بڑا دخل تھا۔

جواب نہ ملنے پر انھیں کچھ تشویش ہوئی۔ اپنے سر پر لدے لکڑی کے گٹھے کو انہوں نے زمین پر رکھ دیا اور لڑکی کو جھنجھوڑنے لگے۔ جب اس کی بے ہوشی ختم نہ ہوئی تو انھوں نے سندھ سے چلو بھر پانی لا کر اس کے چہرے پر ڈالا لڑکی کے بدن کو کچھ جنبش ہوئی۔ اس نے آنکھ کھولی اور اٹھنے کی کوشش کی۔ کمزوری نے اس کی ہمت کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ زیرلب بولی'' میں کہاں ہوں''؟

گھبرا مت پُتری'' مہرشی کرپا نے اس کا حوصلہ بڑھایا'' تو اب کرپا کی حفاظت میں ہے''۔

''مہرشی ..... میں ..... میں ..... پاپی''

''نہیں پُتری یہ تیرا بھرم ہے۔ اس سنسار میں ایسے بہت ہیں جو پاپی نہیں ہوتے اور تیری طرح دنڈ کے بھاگی بن جاتے ہیں۔ میں جانتا ہوں تو نردوش ہے۔''

دیوانی نے ایک نظر انھیں دیکھا اور گردن جھکا لی جیسے اس کا تھکا ہوا بدن سر کا بوجھ بھی زیادہ دیر تک اٹھائے رکھنے کا متحمل نہ ہو۔ اسے مطمئن سمجھ کر مہرشی کرپا بولے۔'' میرا آشرم نکٹ ہی ہے، ہمت کرو، میں سہایتا کرتا ہوں، تم میرے ساتھ چلو۔ مہادیو چاہیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

(چار)

''تمہارے پریوار میں اور کون کون ہے پُتری''۔ مہرشی نے محبت آمیز لہجے میں دیوانی سے پوچھا۔

'' میں اور میرا بھائی مُتھو۔ بس ہم دونوں ہی تھے۔ میری ماں کا ندھن کچھ ورش پہلے ہوگیا تھا اور باپ کو مرے کافی سمے ہوگیا۔ مُتھو مجھ سے بہت پریم کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ہمارا وِواہ ہو جائے پر نتو ایسا ہو نہیں سکا''۔

''دیوتاؤں کے پرتیک کاریہ میں کوئی نہ کوئی بھید ہوتا ہے۔ تمہیں گھبرانا نہیں چاہئے''۔ مہرشی کرپا کے لہجے میں ان کی شفقت اور خلوص کا رنگ غالب تھا۔

دیوانی کو سہارا دے کر وہ اپنے آشرم تک لے آئے تھے اور وہ اب ایک چارپائی پر لیٹی آرام کر رہی تھی۔ مہرشی نے اسے کھانے کو کچھ پھل دیے تھے، اس کی حالت اب پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اس نے دیکھا کہ مہرشی کے پاس ہی ایک نوجوان کھڑا ہے۔ ایک اور نوجوان کچھ جڑی بوٹیاں گھس رہا تھا۔

''یدی تم اُچت سمجھو تو اس اتیاچار کے بارے میں کچھ مجھے بھی بتاؤ جو تم پر ہوا ہے''۔ اس نے دیکھا کہ مہرشی اس سے مخاطب ہیں۔ ''اس سے تمہیں شانتی ملے گی اور سمبھو ہے میں کوئی ایسا مارگ نکال لوں جو تمہارے لیے اُپیکت ہو۔ ویسے اب تم سُرکشت ہو اور جب تک تمہارا جی چاہے اس آشرم میں رہ سکتی ہو''۔

مہرشی کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کا دیوانی پر اچھا اثر ہو رہا تھا وہ بے سہارا، مجبور اور غیر محفوظ تھی لیکن اب اسے فکر نہ تھی۔ مہرشی کی آنکھوں میں محبت کے جو تارے جھلملا رہے تھے وہ اس کی بھائی کی محبت سے مختلف تھے لیکن وہ ان کی اپنائیت کو محسوس کر رہی تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ محبت کی کچھ ایسی ہی جھلک اس وقت اس کے باپ کی آنکھوں میں بھی ہوتی تھی جب وہ اس کی گود میں کھیلا کرتی تھی۔

مہرشی کرپا کا آشرم دِل مُن سے کچھ فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر تھا۔ ایک معالج کی حیثیت سے وہ دور دور تک مشہور تھے۔ یہاں وہ اپنے دو

شاگردوں مُسر اور پاریا کے ساتھ رہتے تھے۔ دواؤں پر تحقیق ان کا مشغلہ تھا اور لوگوں کا علاج ذریعۂ معاش۔ آشرم کے آس پاس طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور پھل دار درخت کثیر تعداد میں تھے۔ جنگلی جانور یہاں آزادانہ آتے جاتے تھے۔ نہ انھیں مہرشی سے کوئی ڈر لگتا تھا اور نہ مہرشی کو ان سے کوئی خطرہ تھا۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی اور ضروریات محدود۔ طلوع آفتاب سے پہلے مقدس سندھ میں غسل کر کے مہادیو کی آرادھنا ان کا معمول تھا جس میں کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ سورج نکلنے کے بعد وہ کچھ دیر اپنے باغیچے میں کام کرتے۔ شاگردوں کو ادویات کی تیاری کے سلسلے میں ہدایت دیتے اور کچھ وقت بے ضرر جنگلی جانوروں کے ساتھ کھیلنے اور باتیں کرنے میں گذار دیتے۔ ہفتے میں ایک دن وہ شہر سے اپنی ضرورت کا سامان کبھی خود لے آتے یا کبھی یہ کام ان کے شاگرد کر لیتے۔

جس پہاڑی پر آشرم واقع تھا اس کے نیچے انہوں نے لکڑی کی ایک خوبصورت کٹی بنا رکھی تھی جہاں وہ شہر سے آنے والے مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ اس کٹی کا مقصد بیماروں کو پہاڑی پر چڑھنے کی زحمت سے بچانا تھا۔ علاج کا بیشتر کام اب مُسر اور پاریا کر لیتے تھے اور مہرشی کو اسی وقت تکلیف دی جاتی تھی جب کوئی بیماری ان دونوں کی سمجھ میں نہ آتی۔

مہرشی کا طریقۂ علاج جدید تھا۔ وہ بزرگوں کی اس روایت کے سخت خلاف تھے کہ ہر بیماری دیوتاؤں کے کرودھ کا نتیجہ ہوتی ہے اور اسے جادو ٹونے کی زور پر ہی ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ مہرشی کا نظریہ کئی ناگرکوں کی سمجھ میں آ گیا تھا اور ان کے پاس علاج کی غرض سے آنے والے لوگوں کی تعداد مہادیو ایتن کے پروہت کے پاس جانے والوں سے بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

دیوانئی کے مزاج پر یہاں کے ماحول کا بڑا خوش گوار اثر پڑا تھا۔ اب وہ تازہ دم اور باحوصلہ نظر آ رہی تھی۔ آشرم میں اسے بس اتنی احتیاط رکھنی پڑتی تھی کہ وہ کٹی میں آنے والے لوگوں کی نظروں سے خود کو محفوظ رکھے تا کہ اس کا یہاں رہنا راز رہے اور یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اسے پہاڑی کے نیچے کی کٹی میں جانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ندی پر جانے کا راستہ بھی اس کی مخالف سمت میں تھا چنانچہ وہ محفوظ تھی۔

مہرشی کرپا کے آشرم نے اس کو اپنے تحفظ کی فکر سے آزاد کر دیا تھا۔ اس اطمینان

نے اسے پورے معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے دل میں خوابیدہ وہ درد جو کشال نے اسے ذلیل کر کے دیا تھا پھر بیدار ہوا تھا۔ اس بیداری نے اس کے اندر انتقام کے شعلے کو بھڑکا دیا۔ یہ کیسا انصاف تھا ظلم اس پر ہوا، جبر اس کے ساتھ ہوا اور جب اس نے اپنے انداز میں اس کا دفاع کیا تو سزا کی مستحق وہی قرار پائی اسی لیے نا کہ وہ طاقت ور مردوں کے سامنے محض ایک کمزور عورت تھی۔ مجبور تھی۔ مجبور تو اب بھی تھی۔ انتقام کی شدید خواہش کے باوجود وہ اپنی راہ عمل کے تعین میں قاصر تھی۔ اسے راستہ ملتا بھی کیسے۔ کہاں وہ طاقت ور نگر پالک کشال، ویروں کی مضبوط دیواروں سے گھرا اور کہاں محض سترہ سالہ معمولی لڑکی۔ اپنی مجبوری پر اسے غصہ آیا۔ یکا یک ایک معصوم چہرہ بجلی کی طرح اس کی یادداشت میں روشن ہوا۔ یہ اس کا بھائی تھا۔ دیوانی کے لب شدت کرب سے تھرتھرا کر رہ گئے۔ کہاں ہو گا متھو، ہو گا بھی یا نہیں۔ متھو کا درد اسے اپنے درد سے سوا معلوم ہو رہا تھا۔ ویروں کے مقابل کمزور اور مجبور ہاتھ پاؤں مارتا معصوم اور سیدھا سادا متھو۔

یکا یک دیوانی کے لب تھرتھرائے۔ یہ تھرتھراہٹ پہلے سے مختلف تھی اس کے منھ سے اونچی آواز میں الفاظ ابلنے لگے جو خاموش جنگل میں تادیر گونجا کیے۔ ”کشال سَرل اور وِوش لوگوں پر کیا جانے والا تیرا اتیاچار تیرے انت کا کارن بنے گا۔ ماتر دیوی کی سوگند ھ، یہ دُربل کا یا جسے تو نے دنڈت کیا ہے، ایک دن تجھے دنڈت کرے گی۔ تو جیوت نہیں بچے گا کشال۔ مضبوط ارادے کی ایک عجیب چمک دیوانی کے معصوم چہرے پر کھیل رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ماتر دیوی نے خود سامنے آ کر اس کو حوصلہ دیا ہو اس کی آنکھوں میں اب کچھ خواب پل رہے تھے اس کے دل میں انتقام کا شعلہ پھر لو دینے لگا تھا لیکن وہ اب بھی بے بس تھی۔ وہ اب بھی اپنے اوپر ظلم ڈھانے والوں سے انتقام لینے کا کوئی راستہ نہیں جانتی تھی“۔

”ادھر کچھ دنوں میں مجھ پر جو وِپتی آئی، اسے میں سویم آپ کو بتانا چاہتی ہوں منی ور“ دیوانی نے کہا۔ ”اس کتھا کو سنانے کے لیے جو ہمت چاہیے وہ مجھے آپ کی آنکھوں سے مل رہی ہے“۔

دیوانئی

(ایک)

"میرا نام دیوانئی ہے۔ میرا بھائی مُتھو پرایہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں بہت سندر ہوں اور دیوتاؤں نے میرے شریر کو بنانے میں کافی سمے لگایا ہوگا۔ جب جب وہ ایسا کہتا تھا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ ہم دونوں نے من ہی من میں یہ طے کر رکھا تھا کہ آپس میں وواہ کر کے جیون آرام سے گذاریں گے۔ پرنتو وہ سب کہاں ہو پاتا ہے۔ جس کی اچھا کی جائے میری سندرتا ہی میری سب سے بڑی شترو نکلی۔ اچھا ہوتا کہ میں اتنی سندر نہ ہوتی"۔

" مُتھو نگر پالک کے باغیچے کا مالی تھا۔ روز سویرے سورج نکلنے کے پہلے ہی اسے باغیچے میں پہنچ جانا ہوتا تھا۔ جب سورج کچھ اونچا ہو جاتا تو وہ اپنا سویرے کا کام ختم کر کے گھر آتا اور کھانا کھا کر ہم دونوں دیر تک اپنے بھوشیہ کے سپنے دیکھا کرتے۔ شام میں وہ پھر کام پر جاتا اور اس بار اس کی واپسی سورج ڈوبنے کے بعد ہوتی۔ کبھی کبھی کام کچھ زیادہ ہوتا تو آنے میں دیر بھی ہو جاتی۔ جب جب ایسا ہوتا میں گھبرانے لگتی۔ ایک انجان سا بھے ہر سمے مجھے گھیرے رکھتا تھا"۔

"لوگوں کے سامنے مُتھو پرایہ اس بات پر گرو کرتا کہ نگر پالک مہامن کشال سے اس کی لگ بھگ روز بھینٹ ہوتی ہے۔ مہامن جب سویرے اور شام کے سمے گھومنے نکلتے تو تھوڑی دیر رک کر اس سے اپنی رچی کے پھولوں اور پودوں کی بات اوشیہ کرتے۔ باغیچے میں جو کچھ گذرتا وہ گھر آ کر مجھے ضرور بتاتا تھا۔ میرا بھائی اپنے کام میں بڑا ماہر تھا۔ یہ بات کچھ لوگوں کو اچھی نہیں لگتی تھی اور لوگ اس کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ انھیں کسی ایسی بات

کی کھوج رہتی تھی جس سے وہ مُنتھو کو نگر پالک کے سامنے نیچا دکھا سکیں۔اس طرح مُنتھو کے ہردے میں یہ بھے نرنتر بنا رہتا تھا کہ اس کے شترؤں کی بڑھتی ہوئی سنکھیا کبھی بھی اسے ہانی پہنچا سکتی ہے۔وہ جب جب چنتت ہوتا میں اسے دھیرج دیتی۔میرے پاس آکر ویسے ہی اس کا کمھلایا ہوا چہرہ سویرے کے پھول کی طرح کھل جاتا تھا۔"

"نگر پالک کو بھی اس بات کا پتہ چل چکا تھا کہ لوگ کسی کارن مُنتھو کو ان کے سامنے نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔اس لیے وہ اس کے بارے میں کی جانے والی کسی شکایت پر ادھک دھیان نہیں دیتے تھے۔پرنتو نگر پالک کی اپنی کمزوریاں تھیں۔ان کی نگر سبھا کے سدسیہ ان کی کمزوریوں کو جانتے تھے۔وہ جانتے تھے کہ نگر پالک سے اپنی مرضی کا کام کیسے کرایا جا سکتا ہے۔بس اسی لیے میرا بھائی مہامن کا کرپا پاتر ہونے کے بعد بھی سہما رہتا تھا۔"

"ڈری ہوئی میں بھی تھی۔پرنتو میں اپنے ڈر کا کارن مُنتھو کو بتاتے جھجکتی تھی۔نگر میں نکلتے سمے کچھ من چلے مجھے چھیڑنے لگے تھے۔ان میں کچھ بہت خطرناک لوگ بھی تھے۔مجھے لگتا تھا کہ ہمیں یہ نگر چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیے پرنتو مُنتھو اس کے لیے تیار نہ تھا۔وہ مجھے سمجھاتا کہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں سے گھبرا کر کہیں گھر بار چھوڑا جاتا ہے۔میں اس کی بات مان جاتی تھی پرنتو چنتا بنی رہتی تھی۔بس یہ بھے ہر سمے چنتت کرتا رہتا کہ کچھ انہونی ہونے جا رہی ہے"۔

(دو)

"کپڑے اتار دو
کپڑے اتار دو
کپڑے سے تیرا بس ہے اک شترتا کا سمبندھ
شترؤ سے مترتا کیسا
کپڑے نے تجھ کو اونچا نیچا بنا دیا ہے
کپڑے نے تجھ کو تجھ سے چھوٹا بنا دیا ہے

دِل مُن ہے سورگ جیسا
اس سورگ میں نرک کی کوئی چال چل رہا ہے
زردے بنا رہا ہے
لوہو بہا رہا ہے
کپڑے سے تیرا بس ہے اک شترتا کا سمبندھ
تو بدھی مان ہے تو کپڑوں سے بچ کر رہنا
کپڑے اتار دو
کپڑے اتار دو"

یہ عجیب وغریب اور شاعرانہ سی آواز دِل مُن کے ناگروں کے لیے نئی نہیں تھی۔ آج پھر پاگل شانومگم اپنی بے سر پیر کی شاعری شہر کی سڑکوں پہ گاتا پھر رہا تھا۔

چوراہے پر تیار کھانا بیچنے والا مارپن پاگل سے بولا "کیوں سب کا بھیجا کھراب کرتا ہے، بھاگ جا یہاں سے۔"

"نہ سنو میری بات، مرو گے ایک دن تم سب۔" بوڑھا پاگل جھنجھلا رہا تھا۔ "یہ کپڑے ایک دن تمھاری جان لے لیں گے"۔

شانومگم آگے بڑھ گیا۔

"سویرے سویرے آکر دن بھر کا دھندا چوپٹ کر دیا۔" مارپن لکڑی کی چوکیوں کو صاف کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ اب سارا دن مکھی مارنا ہوگا"۔

(تین)

دِل مُن کی سڑکوں اور گلیوں میں صبح کی چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔

مہا پتھ پر چلنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی، موسم خنک تھا۔ نوجوانوں کے بدن پر اون سے بنے لباس تھے اور عورتیں اپنے جسم کو دوشالوں سے اس طرح ڈھانپنے پر مجبور تھیں کہ ان کی آرائش اور زیورات چھپ گئے تھے۔ پھر بھی ان کے پاؤں کے زیور اپنی آواز

سے اپنے وجود کا احساس دلا رہے تھے۔

مُتھو جلدی میں تھا۔ نگر پالک کے کوٹ کی طرف جاتے ہوئے اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ وہ بازار سے گذر رہا تھا کہ اس نے مٹی کے برتن والے مساکا کی آواز سنی۔ "ارے او نگر پالک کے لاڈلے"۔ اس نے طنزیہ لہجے میں متھو ہی کو مخاطب کیا تھا۔ "کبھی ہمیں بھی اپنے گھر بلاؤ اور کچھ کھلاؤ پلاؤ"۔

متھو اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ مساکا کا اس کے گھر آنے کا کیا مقصد ہے پھر بھی اس نے کہا۔ "ذرا بسنت نکل جائے تو کچھ دم لینے کا سمے ملے۔ آج کل بہت کام ہے باغیچے میں۔ مہامن نے کچھ نئے پھولوں کے بیج دور دیس سے منگوائے ہیں، انھیں میں الجھا ہوں۔ ویسے میرے پاس گائیں اتنی ادھک ہوگئیں ہیں کہ میں سویم دوستوں کی دعوت کرنا چاہتا تھا"۔

"اچھا میرے بھولے رام۔ تو فرصت ہولے پھر دیکھیں گے"۔ مساکا نے متھو کی معصومیت پر دل ہی دل میں لعنت بھیجتے ہوئے کہا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا"۔

مساکا متھو کا دوست نہیں تھا لیکن اس سے دوستوں کی طرح بے تکلف باتیں کر کے اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ متھو یہ بات کافی دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ لوگوں کا رویہ اس کے لیے بدلا ہے۔ جو لوگ اسے کبھی اہمیت نہ دیتے تھے وہ اس کی عزت کرنے لگے ہیں۔ پہلے تو وہ یہ سوچ کر خوش ہو جاتا تھا کہ شاید نگر پالک کے سیوک ہونے کے کارن لوگ اس کی عزت کرتے ہیں لیکن اب وہ اس کا سبب سمجھ گیا تھا۔ مساکا جیسے اور لوگ بھی تھے جو اس سے کسی نہ کسی بہانے مذاق کرتے اور اشاروں کنایوں میں دیوانی کا ذکر کرتے لیکن متھو ان اشاروں کو نہ سمجھنے کا ڈھونگ کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا تھا۔ اس طرح لوگ اسے احمق سمجھ لیتے تھے اور کسی خطرناک ردعمل کا امکان نہیں رہ جاتا تھا۔

متھو سیدھا سادہ لیکن باخبر آدمی تھا۔ سماج کے رواجوں اور رسموں سے وہ بخوبی واقف تھا۔ ان میں سے کچھ کو وہ پسند نہیں کرتا تھا لیکن ناپسندیدگی کا اظہار وہ اس لیے نہیں کرتا تھا کہ اس کے ردعمل سے پیدا ہونے والی الجھنوں میں وہ پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جھگڑا شروع ہونے سے پہلے شکست قبول کر لینے میں ہی فائدہ ہے۔ اس سے زندگی میں دیرپا سکون کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ صلاحیت اور طاقت کے زور پر اگر وہ کسی کو نیچا

دکھا بھی دے تو جھگڑا ختم نہیں ہوگا۔ ہارنے والا ہر لمحہ اس سے بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچتا رہے گا۔ جو اس کی پر امن زندگی کے لیے خطرناک ہوگا۔

وہ جس سماج میں رہتا تھا وہاں سمیریا اور مصر کی طرح عورتوں کو بیچے جانے اور گروی رکھنے کا رواج نہیں تھا لیکن ہر وہ شخص جسے عورتوں سے قرب حاصل کرنے کا جنون ہوتا تھا مواقع کی تلاش کرتا رہتا تھا۔ کچھ لوگ سازش کر کے خوب صورت عورتوں کے سرپرستوں کو اس عمل پر مجبور بھی کر دیتے تھے۔ مردوں کے حقوق لامحدود تھے اور ان کے مقابلے عورتوں کے حقوق نہ کے برابر۔ کسی طرح کے فیصلے میں عورت کے مفادات کا تحفظ غیر ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں ان لوگوں کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جاتا تھا، جو کسی خوب صورت لڑکی کے سرپرست ہوں اور اسے سماج کے درندوں کی بری نگاہ سے بچانا چاہتے ہوں۔ دیوانی کے حسن و جمال نے شہر میں جو شہرت حاصل کر لی تھی اس نے اس کے بھائی کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ ہر لمحہ فکر مند رہتا تھا کہ کسی سازش کا شکار ہو کر کہیں دیوانی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ بس یہی فکر تھی جس نے اسے سیدھا سادہ اور معصوم بنا رکھا تھا۔ ماسا کا کے طنزیہ جملوں کو بھی وہ اسی لیے پی گیا تھا کہ یہ شخص سازشی ذہن رکھتا تھا اور اکثر لوگ اس کی شاطرانہ چالوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔

اس وقت وہ جلدی میں بھی تھا۔ کل شام نگر پالک نے خود اسے ہدایت دی تھی کہ علی الصبح آ کر وہ ان پودوں کو لگا دے جن کے بیج اس نے سمیریا کے اُر شہر سے خاص طور پر منگوائے تھے۔ مہا من کو باغ بانی سے بڑا شغف تھا۔ اسی لیے گدی سنبھالتے ہی انہوں نے دِل مُن کو خوب صورت باغات سے دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ کوٹ کے اندر ان کی خواب گاہ سے ملحق وہ باغ جہاں متھو کام کرتا تھا غیر معمولی تھا اور آس پاس کے شہروں میں اس کی مثال نہیں تھی۔ یہ سب نگر پالک کی دلچسپی اور متھو کی لگن کا نتیجہ تھا۔ اسے آج سورج نکلنے سے پہلے ہی کسی طرح یہ کام انجام دینا تھا۔ زمین اس نے کل ہی تیار کر لی تھی۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر لی۔ کوٹ کے اندر پہنچ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور جلد ہی ماساکا کے تلخ و تند جملوں کی کڑواہٹ بھول گیا۔

(چار)

دیوانئی روز کی طرح آج بھی سوکھی لکڑیاں چننے کے لیے شہر کے مغربی جنگل میں آئی تھی لیکن آج یہ جنگل دوسرے دنوں کی طرح ویران نہیں تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو ادھر اُدھر آتے جاتے دیکھا تھا۔ یہ سب نگر پالک کے ویروں کا لباس پہنے تھے کچھ ہی لمحوں بعد دیوانئی کو اس کا سبب بھی معلوم ہو گیا۔ آج نگر پالک کشال اس جنگل میں شکار کے لیے آئے تھے۔ اور سیکڑوں کی تعداد میں ان کے ویر جنگل میں اس لیے بکھرے ہوئے تھے کہ وہ شکار تلاش کر کے نگر پالک کو اطلاع دیں۔ خود نگر پالک اس وقت ایک میدان میں ڈیرہ ڈالے اپنے تیز انی کے نیزوں کو دیکھنے کے بعد آرام سے کسی خبر کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ انھیں آدم خور جنگلی درندوں کے شکار سے خاص دلچسپی تھی لیکن وہ ہرنوں کا شکار بھی کر لیا کرتے تھے اور آج وہ اسی مقصد سے آئے تھے۔

دیوانئی اپنے کام میں مصروف تھی لیکن آج اس کام میں اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ اسے حیرت تھی کہ ویران جنگل میں جہاں درندے آزادانہ گھومتے تھے اسے کبھی اتنا ڈر نہیں لگا تھا جتنا آج اپنے ہی شہر کے ناگروں کی موجودگی سے لگ رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنا کام ختم کر کے یہاں سے بھاگنا چاہتی تھی لیکن آج جیسے سوکھی لکڑیوں کا کال ہو گیا تھا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ آج کچھ کم لکڑیوں سے ہی کام وہ چلا لے گی اور اب اسے یہاں سے چل دینا چاہیے کہ پاس ہی جھاڑی کی آڑ میں اس نے ہرن کے ایک جوڑے کو چھپے ہوئے دیکھا۔ وہ مسکرائی۔ اس کا ارادہ ان کو نقصان پہنچانے کا نہیں تھا لیکن نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی جس نے اسے اکسایا کہ وہ نگر پالک کے کسی ویر کو ان کی اطلاع دے دے۔ جیسے ہی ایک ویر ادھر آیا اس نے اسے اشارہ کر کے اپنے پاس آنے کو کہا۔ ویر نے اس اشارے کا کچھ اور ہی مطلب سمجھا۔ اسے لگا کہ اس ویران جنگل میں دیوتاؤں نے اس کے لیے کسی اپسرا کو بھیج دیا ہے۔ وہ اپنا کام بھول کر اس کی طرف لپکا اور کچھ سنے یا سمجھے بغیر اس سے لپٹ گیا۔ دیوانئی نے اپنی تمام قوت صرف کر کے خود کو آزاد کیا اور ساتھ ہی ایک زوردار تھپڑ ویر کے گال پر پڑا۔ غصے میں پاؤں پٹختے ہوئے وہ پلٹا۔ خواہش کے باوجود وہ زبردستی اس لیے نہیں کر سکا کہ کسی

دوسرے ویر کی نظر اس پہ نہ پڑ جائے۔ نگر پالک کا حکم تھا کہ اگر ان کا کوئی سیوک کہیں خوب صورت عورت دیکھے جو ان کے قابل ہو تو پہلے انھیں اطلاع دے اور اس پر عمل نہ کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اس دھینگا مشتی میں ہرنوں کا جھنڈ قلانچیں بھرتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

''مہامن پر دیوتا پرسن ہوں''۔ اس ویر نے کشال کے پاس پہنچ کر ہانپتے ہوئے اپنے آنے کی اطلاع دی لیکن اس کی اکھڑی سانسوں نے بات فوراً ادا نہ ہونے دی۔

''کیا بات ہے۔ کیا کہیں ہرن دکھا''۔ نگر پالک نے پوچھا۔ ''لیکن تم تو ایسے گھبرائے ہوئے ہو جیسے کسی راکشش نے تمہارا پیچھا کیا ہو''۔

اس بیچ ویر اپنی سانسوں پر قابو پا چکا تھا۔ وہ بولا ''ادھر تھوڑے فاصلے پر آکاش لوک کی ایک اپسرا کھڑی ہے۔ وہ اتنی سندر ہے کہ آنکھ بھر کر دیکھا بھی نہیں جاتا''۔

یہ سن کر نگر پالک فوراً کھڑے ہو گئے اور بولے۔ ''چلو''۔ ان کے ساتھ ان کے حفاظتی دستے کے ایک درجن ویر بھی ہاتھوں میں چمک دار نیزے لیے ہوئے چلے۔ نگر پالک کی رفتار بتا رہی تھی کہ اس خبر نے ان پر کتنا غیر معمولی اثر کیا ہے۔

(پانچ)

ویر کے وہاں سے جاتے ہی دیوانی نے خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ اس نے نگر پالک کی عیاشی کے قصے سن رکھے تھے۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اور دل ہی دل میں مہادیو کو یاد کر رہی تھی۔ وہ جلد شہر پہنچ جانا چاہتی تھی اس لیے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہونے کے باوجود اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ شہر پناہ کا مغربی پھاٹک اب اسے نظر آنے لگا تھا۔ کہ اچانک بائیں طرف کے درختوں کے جھرمٹ سے ایک ساتھ کئی ویر نکلے اور اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے جب اس کا سبب پوچھا تو کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے لکڑی کا گٹھا زمین پر پھینکا اور اور جلدی سے خنجر نکال لیا جو ہمیشہ اس کی کمر سے بندھا رہتا تھا۔ اسی وقت نگر پالک کشال اسی جگہ سے برآمد ہوئے جہاں سے کچھ دیر پہلے یہ ویر نکلے تھے۔ انہوں نے

دیوانئی کو دیکھا، ذرا سا مسکرائے اور بولے۔

''آکاش لوک کی اپسرا۔ کرودھ مت کرو دلِ مُن کا یہ نگر پالک تمہیں اپنے کوٹ کا اتھی بنانا چاہتا ہے۔ نگر پالک کو ایسے اتھیوں کے آنے سے بڑی پرسنتا ہوتی ہے۔ انکار سننے کی اسے عادت نہیں۔ اس لیے دیوی سے بنتی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو جائیں''۔

دیوانئی بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے یاد آیا کہ نگر پالک کی دلچسپی شادی شدہ عورتوں میں نہیں ہے۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ جھوٹ بولنے کی سزا کیا ہوگی۔ وہ بولی۔ ''مہامن، اس داسی کا شریر اور ہردے کسی اور کے پاس گروی رکھا جا چکا ہے اور وہ اس پوتر سمبندھ کو اپوتر کرنے کی ہمت نہیں رکھتی''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دیوتاؤں کی مرضی کا جَن پہلے ہی چن چکی ہو''؟

''ہاں مہامن'' دیوانئی نے بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولا۔

''ویرو، واپس چلو'' نگر پالک نے حکم دیا اور دیوانئی سے کہا۔ ''شما کرنا ہم سے یہ اپرادھ انجانے میں ہوا''۔ یہ کہتے ہوئے نگر پالک کے دونوں ہاتھ جڑے ضرور تھے لیکن ان کا غصہ اور ناکامی کی خفت ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ حسن کی جس دیوی کو وہ ایک ہی نظر میں دل نذر کر چکے تھے اس نے ان کی خواہش کا جال کتنی آسانی سے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔

دیوانئی نے سر جھکا کر مہامن کا شکریہ ادا کیا اور لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر وہاں سے روانہ ہوئی۔ نگر پالک نے بڑی بیچارگی اور مایوسی سے اسے جاتے اور شہر کے پھاٹک میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی وہ للچائی نظروں سے اس کی کمر اور اس کے متحرک زیریں حصوں کو دیکھتے رہے۔ اور اس کے بعد پلٹ کر اپنے ویروں کے ساتھ اپنے پڑاؤ کی طرف چل پڑے۔

(چھ)

نگر پالک اپنے کوٹ کے اندرونی کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ شکار سے واپس ہوئے انہیں ایک ہفتہ ہو چکا تھا لیکن رات دن سوتے جاگتے وہ اس سحر کار اپسرا کو نہیں

بھول پائے تھے۔ وہ آنکھیں بند کرتے تو اس اپسرا کی متحرک پشت کا منظر دل و دماغ پر مسلط ہونے لگتا۔ وہ اپنے اصولوں سے مجبور تھے ورنہ کسی عورت کا حصول ان کے لیے مشکل کام نہ تھا۔ وہ شادی شدہ عورتوں سے دور رہتے تھے اور اب ان کا یہی اصول ان کے دل میں پھانس بن کر چبھ رہا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ روپسی اپسرا ان کے تصور سے باہر نہیں نکلی اس وقت بھی وہ لیٹے ہوئے اس حسینہ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ انھیں لگا کہ اصول و ضوابط کا کام زندگی میں آسانی فراہم کرنا ہے نہ کہ دشواریاں۔ اگر کوئی اصول روزمرہ کے کاموں میں رکاوٹ کھڑی کرے تو اسے بدل دینا ہی مناسب ہے۔ یکایک انہوں نے تالی بجائی اور دروازے پر کھڑا داس فوراً مودب ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ نگر پالک نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر بولے۔ ''مہا کرتا سے کہو کہ ہم سے ملیں''۔

داس نے گردن جھکائی اور باہر نکل گیا۔

نگر پالک لیٹے ہوئے اپنی خوابوں کی دنیا میں مگن تھے کہ مہا کرتا نے کمرے میں داخل ہو کر اپنی حاضری کی اطلاع دی ''مہامن پر مہادیو کی کرپا ہو''۔

''مہا کرتا کروٹا، پچھلے سپتاہ ہم نے ون میں جس اپسرا کے درشن کیے تھے اس کے بارے میں ہمیں آج سورج است سے پورو ساری جان کاری چاہیے''۔ یہ کہہ کر نگر پالک نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں کا گواہ بنے۔

''جو آگیا مہامن''۔ کروٹا نے کہا اور الٹے پیروں واپس لوٹا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ شکار کے دوران کیا کچھ ہوا تھا۔ البتہ مہامن کو فکرمند دیکھ کر وہ خود پریشان تھا۔ اب کھلا کہ مہامن کسی عورت کے فراق میں دکھی ہیں۔ مہا کرتا کے لیے یہ مسئلہ معمولی تھا۔ کوٹ سے نکل کر وہ سیدھا اس طرف گئے جہاں سینا کے ویر رہتے تھے۔ وہ ان ویروں سے ملے جو شکار میں نرپال کے ساتھ تھے۔ ان سے حقیقت حال کی ساری معلومات حاصل کی اور اس خوب صورت عورت کا پتہ چلانے کو چل پڑے۔ انھیں زیادہ زحمت نہیں کرنی پڑی۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ عورت دیوانی ہے جو کوٹ کے باغیچے میں کام کرنے والے مالی متھو کی بہن ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جلد ہی دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ سورج ڈوبنے سے پہلے ساری جانکاری لے کر مہا کرتا

کروٹا نگر پالک کے سامنے تھا اس نے کشال کو وہ ساری باتیں بتادیں جو اسے مختلف ذرائع سے دن بھر میں معلوم ہوئی تھیں۔
مہا کرتا کی باتیں کشال بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے سنا کہ دیوانئی کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے تو جیسے کہ اس کے دل کی کلی کھل گئی۔ یہ جان کر اسے غصہ بھی آیا کہ دیوانئی نے اسے احمق بنایا تھا لیکن وہ ناراض نہیں ہوا کہ اب اس جیسی روپسی کے وصال کی اتنی قیمت تو دینی ہی چاہیے۔

(سات)

دیوانئی نے جنگل سے واپس آکر اسی دن ڈرتے ڈرتے اپنے بھائی کو ساری باتیں بتادیں تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ اب فوراً اس شہر کو چھوڑ کر انھیں لوتھل میں بس جانا چاہیے کہ وہاں کے نگر پالک اور کشال کے بیچ شدید اختلافات ہیں اور کشال کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ وہ لوتھل کے کسی ناگرک کو زبردستی پکڑ کر لاسکے لیکن متھو کا ارادہ دل مَن چھوڑنے کا نہیں تھا۔ ایک تو یہاں وہ عزت اور خوش حالی کے ساتھ جس طرح زندگی گذار رہا تھا اس کا تصور لوتھل میں ممکن نہ تھا۔ دوسرے اس مسئلے کا ایک حل ابھی اس کے پاس تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر وہ دیوانئی سے شادی کرلے تو مہامن کشال اپنا دھیان اس کی طرف سے ہٹالیں گے۔ اسے یہ اندازہ بہرحال نہیں تھا کہ کشال نے کسی طرح بھی دیوانئی کو حاصل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اور اب اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ نگر پالک کے وسائل کا مقابلہ کرسکے۔ اس نے سوچا کہ دو تین دن کے اندر ہی وہ دیوانئی سے شادی کرلے گا۔
اس نے دیوانئی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو دیوانئی کو بھی جیسے اس پریشان کن مسئلے کا حل مل گیا۔ وہ خود اپنے دل میں ایک عرصے سے یہ خواہش دبائے بیٹھی تھی کہ متھو اس سے شادی کرکے رشتہ بدل لے۔ آج کھل کر اس مسئلے پر پہلی بار بات ہوئی تھی۔ دونوں نے سوچا کہ اب دیر نہ کرنی چاہیے، اس لیے وہ تیار ہو کر شہر کے شمال میں واقع دیوایتن کی طرف چل پڑے جہاں پجاری کی مدد سے دیوتاؤں کی اجازت لی جاتی تھی۔

دیوایتن میں اس وقت چاروں طرف سناٹا تھا۔ پشت پر پجاری کی رہائش تھی وہ دونوں اسی طرف چل پڑے۔ پجاری کو آواز دے کر بلایا اور اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

پجاری نے پوچھا۔ ”تمھارا نام کیا ہے“؟

”میرا نام متھو ہے اور یہ دیوانئی ہے۔ ہم دونوں وواہ کے لیے دیوتاؤں کی انومتی لینے آئے ہیں“۔

پجاری کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جس کا مطلب دونوں ہی نہیں سمجھ سکے۔ وہ اندر گیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے مخصوص لباس میں آیا اور انھیں دیوایتن میں چلنے کا اشارہ کیا۔ متھو اور دیوانئی پجاری کے پیچھے پیچھے دیوایتن کے اندرونی کمرے میں پہنچ گئے۔

دِل مَن کے قانون کے مطابق اس مہانگر میں رہنے والا کوئی شخص بغیر دیوتاؤں کی اجازت کے کسی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ بس ایک رسم ہی تھی ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا تھا کہ دیوتا کسی کو شادی کی اجازت نہ دیں۔ پھر بھی یہ کبھی کبھی کا انکار آنے والوں کے دلوں کی دھڑکن تیز کر دیتا تھا۔ متھو اور دیوانئی جن حالات میں یہاں آئے تھے۔ ان کی گھبراہٹ فطری تھی۔ ان کے دل دھڑک رہے تھے اور ان کے سامنے بیٹھا پجاری آنکھیں بند کیے دیوتاؤں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کافی دیر کے انتظار کے بعد پجاری نے آنکھ کھولی تو اس کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ بھیانک لگنے لگا تھا وہ بولا۔ ”ناگرک، دیوتا اس وواہ سے پرسَن نہیں ہیں۔ میں نے انھیں منانے کا پریتن کیا پرنتو ان کا کہنا ہے کہ یہ وواہ اشبھ ہوگا اور وواہ ہوتے ہی دونوں کال کا گراس بن جائیں گے“۔

متھو نے کسی سے سنا تھا کہ پجاری لالچی ہے۔ اگر اسے لالچ دی جائے تو وہ ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے پجاری سے کہا۔ ”دیوتاؤں کو پرسَن کرنے کے لیے میں پانچ گائیں دان کرتا ہوں آن سے میرا کام کروا دیجئے“۔

پجاری کے چہرے پر ایک لمحے کو چمک پیدا ہوئی لیکن خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بولا۔ ”نہیں ناگرک اب یہ سمبھو نہیں رہا۔ دیوتا کسی کا اشبھ نہیں چاہتے۔ تمھارا بھوشیہ اس کنیا کے ساتھ نہیں ہے۔ اچھا ہو کہ تم دونوں اپنے لیے کسی اور کو چن لو پھر میرے پاس آنا“۔

یہ کہہ کر پجاری اٹھا اور بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے باہر نکل کر اپنے گھر کی طرف

چلا گیا۔ متھو اور دیوانئی نے بے بسی اور مایوسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اداس چہروں اور بھاری قدموں کے ساتھ دونوں دیوایتن کے باہر نکلے۔ دیوتا نے ان کا مستقبل روشن کرنے کے لیے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا تھا لیکن حقیقت میں ان کا مستقبل تو اب تاریک ہی تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ وہ اپنے گھر پہنچے تو ان کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ وہ فوراً اس شہر کو چھوڑ دیں۔ اس رات دونوں نے کھانا نہیں کھایا اور سونے سے پہلے دونوں میں کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی۔ اپنی اپنی چارپائی پر وہ دونوں لیٹے تھے۔ لیکن نیند دونوں کی آنکھوں میں نہیں تھی۔

بالآخر متھو نے اس سکوت کو توڑا "دیوانئی، صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی ہم اس گھر کو چھوڑ دیں گے پھاٹک کے پاس سورج نکلنے تک رکیں گے اور پھاٹک کھلتے ہی ہم لوتھل کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ اپنے ساتھ ہم کچھ گائیں اور صرف وہ سامان لے جائیں گے جو بہت ضروری ہو اور تو سب چھوڑنا ہی ہوگا"۔

دیوانئی کو متھو کا یہ فیصلہ اچھا لگا۔ وہ تو پہلے ہی سے یہی چاہتی تھی بولی۔ "میں یاترا کی سب تیاری کر چکی ہوں۔ سویرا ہوتے ہی ہم چل سکتے ہیں"۔

اس فیصلے سے شاید دونوں کو سکون کا احساس ہوا تھا کیوں کہ جلد ہی انھیں نیند آ گئی تھی۔

(آٹھ)

دیوانئی کے تھکے ہوئے بدن پر نیند کی دیوی مہربان تھی رات کے دو پہر بیت چکے تھے کہ دروازے کے باہر کچھ قدموں کی آہٹ سن کر اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ڈر گئی۔ اسے لگا کہ ایک ساتھ کئی لوگوں نے اس کے گھر پر دھاوا بول دیا ہے۔ شہر میں چوری کی وارداتیں بہت کم ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی آس پاس کے گاؤں والے دن کے وقت شہر میں داخل ہو جاتے اور رات کے وقت لوٹ مار کر لیتے لیکن ان میں سے کم لوگ ہی لوٹا ہوا مال شہر سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو پاتے تھے۔ کیوں کہ شہر پناہ کا پھاٹک کسی بھی حالت میں رات کو نہیں کھل سکتا تھا۔ دیوانئی کے دل میں پہلا خیال یہی آیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور

خاموشی سے متھو کو اٹھایا۔ اتنی دیر میں باہر موجود لوگ گھر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اندھیرے میں بھی انھیں پہچاننا مشکل نہ تھا۔ یہ لوگ، جو انھیں نگر پالک کے ویر تھے۔ دونوں بھائی بہن سہمے ہوئے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ ایک ویر آگے بڑھا اور بولا ''مہامن کا آدیش ہے کہ دیوانی کو اسی سمے ان کے سامنے حاضر کیا جائے کیوں کہ اس نے مہامن سے جھوٹ بولا ہے''۔

متھو آگے بڑھا کہ ان سے اپنی صفائی میں کچھ کہے لیکن اس سے پہلے ہی ایک ویر نے اسے پکڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھنے شروع کر دیے۔ اس نے مزاحمت کی لیکن کچھ نہ کر سکا اسے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ اس کام سے فرصت پا کر ایک ویر پھر دیوانی سے مخاطب ہوا ''نگر کلیانی سے بنتی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ چلیں''۔

دیوانی اس تخاطب کا مطلب جانتی تھی۔ اس کے جھوٹ پر سماعت کے لیے آدھی رات کا وقت کیوں چنا گیا ہے اس کا مفہوم بھی وہ جانتی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آنے لگی تھی کہ پجاری کی سفارش پر دیوتاؤں نے اس کی درخواست کیوں رد کر دی تھی۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اب اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس مختصر تخاطب میں کیا کچھ پوشیدہ تھا وہ سب ایک لمحے میں اس کے ذہن پر کھل گیا۔ نگر پالک نے شہر کی جنوبی دیوار سے ملحق ایک طویل سلسلہ عمارات کی تعمیر خاص اسی مقصد سے کی تھی اور اسے روپ نگر کا نام دیا تھا۔ ان کی مہمان نوازی کا مزہ چکھ کر فارغ ہونے والی عورتوں کو یہیں منتقل کر دیا جاتا تھا اور شہر کے ناگروں کے لیے روپ نگر کے دروازے آٹھوں پہر کھلے رہتے تھے۔

دیوانی نے ایک پل میں اپنے سپنوں کا سنسار بکھرتے دیکھا۔ اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ پیچھے مڑی چاہا کہ اپنی کمر سے خنجر نکال کر اپنا کام تمام کر لے لیکن نگر پالک کے ویر غافل نہیں تھے۔ بجلی جیسی تیزی کے ساتھ ایک ویر آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ ایک بار پھر وہ نہایت احترام سے جھک کر بولا ''نگر کلیانی سے انورودھ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ مہامن بڑی بے چینی سے ان کی پرتیکشا کر رہے ہیں''۔

دیوانی بے بس تھی۔ اس نے ایک نظر ستون سے بندھے اپنے بھائی کو دیکھا جو چیخ چیخ کر گالیاں بکے جا رہا تھا لیکن کوئی اس کی گالیوں پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ مڑی اور

ویروں کی رہنمائی میں گھر سے باہر نکل آئی۔

ایک سلیقے سے آراستہ کیے گئے معطر کمرے میں نگر پالک کشال ٹہل رہے تھے۔ انھیں ان ویروں کا انتظار تھا جو دیوانی کو لے کر ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ کمرے کے باہر آہٹ سنائی دی تو وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکے ایک ویر کے ساتھ دیوانی آگئی تھی۔ ویر نے باہر ہی سے دیوانی کو اندر ڈھکیلا اور واپس چلا گیا۔ وہ سہمی سی ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ کشال اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سندری کیا تم اپنے پالک سے اب بھی اپرسن ہو"؟

دیوانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کشال نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بستر کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ دیوانی آگے بڑھی۔ اس کا چہرہ زرد اور تاثرات سے عاری تھا۔ کشال اس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔ "اس نگر کی کوئی بھی سندری اپنے پالک کے آتھیہ سے پرسن ہو سکتی ہے۔ تم بھاگیہ وان ہو۔ تمھیں بھی پرسن ہونا چاہیے"۔

"مجھے چھوڑ دو کتے۔ ورنہ میں تمھیں کچا چبا جاؤں گی" غصے میں کانپتی ہوئی دیوانی نے چیختے ہوئے کہا۔

کمرے میں تھپڑ کی آواز گونجی اور دیوانی نڈھال سی بستر پر گرگئی۔ کشال نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے کپڑوں کو کھولنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے دیوانی کا تانبے جیسا بدن اس کے سامنے کھل رہا تھا۔ اس کے ہوش وحواس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ دیوانی اب کوئی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔ اس کا نڈھال جسم بستر پر بکھرا ہوا تھا اور کشال کسی فاتح کی طرح اس کے شکست خوردہ جسم سے من مانی کر رہا تھا۔

رات اپنا سفر طے کر رہی تھی اور دیوانی کا مقدر اپنی زندگی میں اب کبھی نہ آنے والی صبح کے غم میں بستر پر پڑا اسکیاں لے رہا تھا۔

(نو)

صبح جیسے ہی کشال کمرے سے باہر نکلا، ایک ساتھ کئی داسیاں اندر داخل ہوئیں۔ انھوں نے دیوانی کو نہلایا اور کپڑے بدلے۔ بیش قیمت زیورات سے آراستہ کیا اور چلی گئیں۔ اس کے

بعد کچھ ویر آئے اور اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ دیوانی نے بس اتنا کہا کہ وہ پہلے اپنے گھر جانا چاہتی ہے۔

از راہ مہربانی نگر پالک نے اس کی یہ درخواست منظور کرلی تھی۔ ویروں کے ساتھ وہ اپنے گھر پہنچی تو وہاں اس کا بھائی نہیں تھا۔ اس نے سوچا پتہ نہیں کشال کے ظالم ویروں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا اس نے اپنے ویران گھر پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی۔ اس کا خنجر اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ویروں کی نظریں بچا کر اسے کمر میں چھپالیا۔ اور گھر سے باہر آگئی۔ ویروں نے اسے اس کے نئے گھر پہنچا دیا جو نہایت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ دیوانی نے اس نئے گھر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جہاں اسے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔

وہ کھوئی ہوئی سی چارپائی پر بیٹھی تھی۔ بار بار بس یہی خیال آرہا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو اسے اپنی زندگی ختم کرلینی چاہیے۔ یہی سوچ کر وہ اپنے گھر سے خنجر لائی تھی لیکن کوئی نامعلوم طاقت اسے اندر ہی اندر اس عمل سے باز رہنے پر اکسا رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کمرے میں کوئی ہے جو اسے حوصلہ دے رہا ہے۔ اب اس کے خیالات کا دھارا نئی سمت میں بہنے لگا تھا۔ انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ حالاں کہ اس کی موجودہ حالت انتقام کے منافی تھی۔ لیکن اسے لگ رہا تھا کہ یہ کام وہ کرسکتی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کشال سے اپنی زندگی کی تباہی کا انتقام لے گی اور انتقام کے پورا ہونے تک اسے کسی بھی حالت میں زندہ رہنا ہوگا۔ وہ زندہ رہے گی۔ اب اس کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہوگا۔ کشال کی تباہی۔ یہ مقصد اسے حوصلہ بھی دے گا اور زندگی سے جڑے رہنے کی ترغیب بھی۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی جیسے اس کے غم کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔

اسی وقت کمرے کے باہر کچھ لڑکیوں کے ہنسنے اور بات چیت کرنے کی آواز سنائی دی۔ یہ شور رفتہ رفتہ قریب آرہا تھا جیسے لڑکیوں کی یہ بھیڑ اسی کی طرف آرہی ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں تقریباً آٹھ دس لڑکیوں کا ایک گروہ کمرے میں داخل ہوا۔ جو عورت سب سے آگے تھی اس کے ہاتھ میں پھولوں کا ایک گجرا تھا۔ اس کی عمر دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ معلوم ہورہی تھی۔

یکے بعد دیگرے وہ سب کمرے کے اندر آئیں۔ معمر عورت نے پھولوں کا ہار دیوانی کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”روپ نگر میں تمہارا سواگت ہے دیوی۔ ہم سب اسی

بھون میں ہیں۔ ہمیں اس بات کی پرسنتا تو نہیں ہے کہ ہمارے محلے میں ایک اور روپسی آئی ہے۔ پرنتو ہم یہ اوشیہ جانتے ہیں کہ تمہیں یہاں کسی پرکار کا کشٹ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ابھی تمھارا من اشانت ہے، ہم سب بھی کبھی نہ کبھی اس دکھد پل سے گذرے ہیں اس لیے تمھارا دکھ جانتے ہیں۔ تمھارا نام کیا ہے پُتری'' ؟

''دیوانئی'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔ معمر عورت کا محبت آمیز لہجہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے اور آواز بھرا گئی تھی۔

''دیوانئی ؟، کتنا پوتر نام ہے۔ تم گھبراؤ مت۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ استریوں کا بھاگیہ ہی یہی ہے کہ وہ پرشوں کی واسنا پورتی کا سادھن بنیں اور ہر حال میں پرسن رہنے کا گر جانیں۔ بھاگیہ میں یہی لکھا ہے تو کیوں نہ ہم پرسنتا سے اسے مان لیں۔ بھاگیہ بدلنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اب چاہے دکھی ہو کر جیون کو بوجھ بنالیں یا پھر پرسن رہ کر اسی میں اپنی جیت تلاش کریں۔ دیوانئی، جیون بھاگیہ کے اس اتیاچار کے بعد بھی بہت سندر ہے۔ اس کی سندرتا تمہیں بھی نظر آئے گی پرنتو اس سمے جب تم بھاگیہ کے اس نرنے کو پرسن رہ کر مات دینا سیکھ لوگی''۔

دیوانئی نے اس مہربان عورت کی باتیں دھیان سے سنیں۔ وہ اس باریکی کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی، جو وہ معمر عورت اسے سمجھانا چاہ رہی تھی، مقدر کا جبر بہت طاقتور سہی لیکن جب وہ اس جبر کو تسلیم ہی نہیں کرسکتی تھی تو مطمئن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہی عدم اطمینان اس کے انتقام کی آگ کے لیے ایندھن کا کام کرے گا لیکن وہ اپنے خیالات کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک کے بعد ایک تمام دن روپ نگر کی عورتیں اس سے ملنے آتی رہیں۔ انھوں نے اپنے اپنے طور پر اسے تسلی و تشفی دینے کی کوشش کی۔ دیوانئی ان کے خلوص سے متاثر تھی۔ روپ نگر میں کسی مرد کو رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ مرد صرف سورج ڈوبنے کے بعد اس طرف کا رخ کرتے تھے۔ اور رات بھر یہاں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ دن ہوتے ہی یہاں عورتوں کا راج ہوتا۔ ان کا آدھا دن عموماً سوتے ہوئے گذرتا تھا۔ اور باقی آدھا دن خوش گپیوں اور رات کی تیاری میں۔ یہ سب ایک دوسرے کی مددگار اور ہمدرد تھیں کیوں کہ یہ

بات سب کو معلوم تھی کہ سماج کی نظر میں ان کی قدر و منزلت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رات میں ان کے جسم سے آسودگی حاصل کریں۔ کوئی ان کے دکھ درد کا شریک نہیں تھا۔ شاید اسی لیے یہاں جو ماحول بنا تھا وہ خلوص، ہمدردی اور باہمی تعاون پر مبنی تھا۔

روپ نگر میں دیوانی کی یہ پہلی رات تھی۔ وہ اس طرح کی زندگی جینے کے لیے اپنے آپ کو ابھی تک آمادہ نہیں کر سکی تھی۔ پھر بھی آنے والی رات اور پیش آنے والے واقعات کا مقابلہ تو اسے کرنا ہی تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پہلی ہی رات اس کے پاس آنے والا شخص مساکا ہوگا جو دیوانی سے ملن کی تڑپ کو برسوں سے دل میں بسائے ہوئے شاید اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے سنا کہ دیوانی کو روپ نگر پہنچا دیا گیا ہے، بغیر وقت برباد کیے اپنی کمائی کا بڑا حصہ لیے سیدھا چلا آیا۔ اس کمرے میں آنے سے پہلے کئی عورتوں نے اسے روکنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ مانا نہیں تھا۔ دیوانی ایک عرصہ سے اس کے دل میں پلنے والے پاپ اور بری نظر کو پہچانتی تھی لیکن اس کو دروازے پر دیکھتے ہی اس نے ایک اہم فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بڑے احترام کے ساتھ مساکا کا استقبال کیا۔ مساکا کو شاید اس سلوک کی امید نہ تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ شاید دیوانی کو مجبور کرنے کے لیے اسے روپ نگر کے قانون کا سہارا لینا ہوگا اور دولت کے زور پر وہ اس کے جسم پر زبردستی قبضہ کرلے گا لیکن اب اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ خلاف امید دیوانی کی محبت دیکھ کر وہ کچھ بوکھلا بھی گیا تھا۔ اس نے جلدی سے سونے کی مہروں کی تھیلی نکالی اور بڑے بے ڈھنگے پن سے دیوانی کے قدموں پر رکھ دی۔ دیوانی نے محبت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ نہال ہو گیا۔ اپنی بے تابی پر اسے قابو نہیں تھا۔ دوسرے ہی پل وہ دیوانی سے لپٹ گیا۔ دیوانی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بستر پر گر پڑی۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ”مساکا، اتنی جلدی بھی کیا ہے، ابھی رات ہی کتنی ہوئی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو دیوانی، پرنتو میں اپنے ویاکل من کا کیا کروں، برسوں پرتیکشا کی ہے تمہاری اب تم ملی ہو تو دھیریہ نہیں آتا“۔

”تو ٹھیک ہے“۔ دیوانی نے کہا۔

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ چراغ گل کیا اور پلٹی تو اس کا محافظ خنجر اس کے ہاتھ

میں تھا۔ مساکا اندھیرے میں دیکھ بھی نہیں پایا اور ایک ہی لمحے میں تیز دھار والا یہ خنجر اس کے سینے میں بائیں طرف۔ پیوست ہو چکا تھا۔ مساکا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ اس نے ایک ہچکی لی اور ٹھنڈا ہو گیا۔ دیوانئی نے دوبارہ چراغ جلایا اور مساکا کے قریب آئی، فرط جذبات سے مغلوب۔ ہو کر نہایت فخر سے اس نے اس کے بے جان چہرے کو چوم لیا اور اپنے عمل پر خود حیران ہو اٹھی۔ اس نے کس کا قتل کیا ہے اور کس کے چہرے کو بوسہ دیا ہے؟ کیا شکاری اپنے شکار کے لیے اتنا ہمدرد ہو سکتا ہے؟ اس کا خنجر اب بھی مساکا کے سینے میں پیوست یہ ثابت کر رہا تھا کہ یہ قتل دیوانئی نے ہی کیا ہے۔ دیوانئی اس کی لاش کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ مساکا ہے یا کشال یا۔۔۔ یا کوئی اور مرد؟ کوئی بھی ہو، یہ مرد تھا اور کسی مرد پر یہ دیوانئی کی پہلی جیت تھی۔ جسمانی قوت میں عورت سے سوا مرد، اپنی قوت کا غلط استعمال کر کے عورت کو کمتر ثابت کرنے والا مرد اس کے سامنے شکست خوردہ پڑا تھا۔ دیوانئی کا بدن خوف اور فتح کے جوش کے ملے جلے جذبات سے مغلوب۔ کانپ رہا تھا اور زیر لب اٹھتی اس کی اپنی ہی آواز اسے سنائی پڑ رہی تھی۔ میں نے اس شیطان کا خاتمہ کر دیا، صرف اپنی ذہانت کی بل پر۔ نیچ، ہمیشہ خود ہی شکست قبول کرنے والی عورت۔ کبھی اپنی ذہانت سے تجھے بھی شکست دے سکتی ہے۔ یاد رکھ۔ لیکن اس نے اپنی پہلی جیت کی علامت اس مرد کا چہرہ کیوں چوم لیا؟ غصے اور جوش میں یہ ہمدردی اور محبت کا اظہار کیسا؟ دیوانئی اپنا سر تھام کر زمین پر ہی بیٹھ گئی۔ نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مساکا کی بے جان لاش میں اسے مرد کی ایک دوسری شکل کیسے نظر آ گئی۔ کہاں مساکا اور کہاں اس کا معصوم متھو۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ وہ مساکا کا ہی نہیں کشال اور کسی مرد کا ہی تو قتل کر رہی تھی۔ لیکن ایک مرد متھو بھی تو ہے۔ کیا اس لاش کی مجبوری اور بے چارگی نے اس کے اندر سوئی بہن، محبوبہ اور ماں کو جگا دیا تھا کہ اس نے محبت سے مغلوب۔ ہو کر اس لاش کو چوم لیا یا کہیں ایسا تو نہیں کہ مرد سے انتقام کا جذبہ اب اس کا محبوب ہو اور یہ لاش چوں کہ اس انتقام کی علامت ہے اس لئے اس نے کامیابی کی خوشی کے جوش میں اسے چوم لیا ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ یہی ہو سکتا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں دل اس کی تائید نہیں کر رہا ہے۔ دیوانئی سے دیوانئی کا یہ پہلا تعارف تھا۔ اس حقیقت کا پہلا اظہار ہوا تھا کہ ایک عورت اپنی ذہانت، عقل اور محبت کے اظہار سے مرد کو شکست دے سکتی ہے۔ دیوانئی کو دیوانئی کی یہ نئی

تعریف اب سمجھ میں آئی تھی۔

(دس)

کپڑے اتار دو۔۔۔کپڑے اتار دو"

روپ نگر کی رنگین اور مدہوش کن رات میں رہ رہ کر آنے والی یہ عجیب سی آواز بھی لوگوں کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

مالیا اپنی پسند کی لڑکی کے پاس بیٹھا پیار کی باتیں کر رہا تھا۔وہ مسکرایا اور اس لڑکی کے کپڑے اتارنے لگا۔

کلکا نے جب یہ آواز سنی تو وہ دن کے عام کپڑے اتار کر رات کے قیمتی اور بھڑک دار کپڑے پہن رہی تھی۔اس نے حیران ہو کر سوچا پتہ نہیں کون بے ہودہ ہے۔جو کھلے عام اس طرح کی آواز لگا رہا ہے۔

ایک نوجوان نے آواز لگانے والے بوڑھے شانو مکم کے پاس سے گذرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تانبے کا ایک ٹکڑا رکھا اور زیرِ لب بڑبڑایا۔"سالا پاگل ہے"۔

دیوانی کے سامنے ماسا کا کی لاش پڑی تھی وہ اس کے مردہ چہرے کو چوم رہی تھی کہ یہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔وہ بولی۔"ہاں میں نے پُرش کے کپڑے اتار دیئے"۔

اور بیچارہ بوڑھا شانو مکم اپنے الفاظ کی معنویت کے قتل سے بے خبر گائے جا رہا تھا۔"کپڑے اتار دو۔۔۔کپڑے اتار دو"۔

(گیارہ)

"اس کے بعد وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا" دیوانی نے مہرشی کر پاسے اپنی داستان سناتے ہوئے کہا"روپ نگر میں اس صبح بڑا ہنگامہ ہوا۔ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ کسی استری نے کسی پُرش کی ہتیا کی ہو۔رات بھر تو کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی اور میں بنا بھجے کے آرام سے اس کمرے میں سوتی رہی جس میں ایک لاش پڑی ہوئی تھی"۔

"صبح جب ایک استری میری کشل منگل پوچھنے آئی تو میں نے سویم اسے سب کچھ بتایا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی اور چیختی چلاتی ہوئی سارے محلے میں بھاگتی پھری۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے کمرے کے سامنے استریوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ اب کوئی میرے پاس آنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ مجھ پر جو نظریں پڑ رہی تھیں۔ ان میں کوئی نفرت بھری تھی تو کسی میں بھے تھا۔ مجھے کرودھ اس بات پر آرہا تھا کہ کسی نے میری پرشنسا نہیں کی تھی۔ جب کہ اس نگر میں کسی استری دوارا کسی پرُش سے بدلہ لینے کا یہ پہلا اداہرن تھا"۔

"تھوڑی دیر بعد نگر پالک کے مہاویر کے نیتر تو میں ویروں کا ایک دل آیا۔ میرے ہاتھ باندھے گئے اور مجھے نگر پنچایت میں لے جایا گیا۔ ایک اونچے منچ پر مہا پنچ بیٹھا تھا اور دوسری طرف کشال۔ مجھ سے ہتیا کا کارن پوچھا گیا۔ پرنتو میں چپ رہی۔ سارا وِورن ان استریوں نے دیا تھا جنہوں نے ایک دن پہلے ہی مجھ سے ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا تھا"۔

"ساری باتیں سننے کے بعد کچھ دیر مہا پنچ نے دوسرے پنچوں سے پرامرش کیا اور فیصلہ سنایا کہ اس پاپی کنیا کو دن ڈوبنے کے بعد نگر کی چار دیواری کے پوروی پھاٹک کے باہر پھینک دیا جائے کہ دیوتا سویم اس کے جیون اور مرتیو کا فیصلہ کر دیں"۔

"یہ نرنے سن کر میں نے کہا تھا کشال میں تمہیں جیوت نہیں چھوڑوں گی۔ جسے سن کر کشال نے چپ رہنا ہی اچھا سمجھا تھا"۔

"ابھی دن ڈوبنے میں پورا ایک پہر باقی تھا اور اس تھوڑے سے سمے میں وشرام کے لیے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ مجھے بھوک [illegible] تھی، صبح سے میں نے کچھ کھایا نہیں تھا، پرنتو اس اور کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔ جب دن ڈوبنے کا سمے پاس آیا تو دو ویروں نے مجھے ساتھ لیا اور چار دیواری کے پوروی پھاٹک سے باہر ڈھکیل کر پھاٹک بند کر دیا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب جنگلی جانور آئیں گے اور مجھے پھاڑ کر کھا جائیں گے لیکن دیوتاؤں کی اچھا کچھ اور تھی۔ انھوں نے آپ کو میری سہایتا کے لیے بھیج دیا اور اسی کا پرنام ہے کہ میں اب بھی جیوت اور سرکشت ہوں"۔

ہجرت

(ایک)

دیوانی آشرم سے کچھ فاصلے پر ایک ابھری ہوئی چٹان پر بیٹھی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے دریائے سندھ کا اتھاہ پانی برسات کے موسم میں بھیانک روپ دھارے تھا۔ آسمان پر بادل تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ یہ چٹان تین طرف سے گھنے درختوں سے گھری تھی، صرف دریا کی طرف کا حصہ کھلا تھا۔ دیوانی اکثر یہاں آتی تھی۔ آج وہ اپنی اس نئی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ مہرشی کرپا نے اسے نہ صرف بیٹی کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا بلکہ اپنی باتوں سے اسے یہ یقین دلانے کی کوشش بھی کرتے رہتے تھے کہ اس نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔ پاریا اور مسر بھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ اسے یہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ شہر آنے جانے اور ضروریات کا سامان مہیا کرنے کا کام مہرشی اور ان کے شاگرد کر لیتے تھے۔ اور آشرم کا سارا انتظام اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ البتہ اسے یہ ڈر کھائے جا رہا تھا کہ وہ اس ویرانے میں بھی کشال کی دست برد سے محفوظ نہیں ہے۔ کبھی بھی اس کے ویر ادھر آ سکتے تھے۔ اور کشال کو اطلاع ہو جانے کے بعد اسے دوبارہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

ویسے دل مُن کے قانون کے مطابق اب اسے دوبارہ سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ شہر کے باہر پھینکے جانے کے بعد بھی اگر کوئی زندہ بچ جاتا تھا تو اسے دیوتاؤں کی مرضی مان کر معاف کر دیا جاتا تھا۔ اور دوسری صبح وہ شہر میں داخل ہو کر ایک آزاد ناگرک کی طرح

نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرسکتا تھا۔لیکن دیوانئی کا معاملہ مختلف تھا۔وہ جانتی تھی کہ کشال اس کی دھمکی سے برہم اور خوفزدہ ہے اور اسے کسی بھی حالت میں زندہ رہنے دینا اس کے حق میں نہیں ہے۔وہ نگرپالک ہے۔اس کی ذات شہر کے ہر قانون سے بلند ہے۔اس لیے وہ ذاتی طور پر بھی اس کے لیے قتل کا حکم جاری کرسکتا تھا۔

اپنے اس خوف کا اظہار اس نے مہرشی کرپا سے بھی کیا تھا۔وہ فوری طور پر کچھ بولے تو نہیں لیکن فکرمند ضرور ہوگئے تھے۔انھوں نے کہا تھا کہ وہ یہاں جنگل میں کچھ بوٹیوں کی تحقیق کا کام کر رہے ہیں۔جیسے ہی یہ کام ختم ہوگا وہ اسے گومل ندی کے کنارے بسے ہوئے گملا نگر میں چھوڑ آئیں گے جہاں وہ بے خوف ہو کر اپنی زندگی گذار سکتی تھی۔

گملا میں مہرشی کا بچپن بیتا تھا۔وہیں کے ایک آشرم میں ان کی تعلیم ہوئی تھی۔وہ دیوانئی کو اکثر اس شہر کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔انھوں نے بتایا تھا کہ وہاں کا نگر پالک کوشک نار بہت نیک آدمی ہے۔وہاں کے ناگرک دِل مُن کی طرح فارغ البال نہ سہی لیکن ایک دوسرے کی مدد کرنے کے معاملے میں وہ یہاں کے لوگوں سے کہیں آگے ہیں۔ ایک خاص بات جو انھوں نے دیوانئی کو بتائی تھی وہ یہ تھی کہ وہاں پر دیوتاؤں کے مقابلے دیوی پوجا کی روایت زیادہ مستحکم ہے۔اور وہاں کے سماج میں عورتوں کو باعزت مقام حاصل ہے۔یہ باتیں سن کر دیوانئی کا اشتیاق بڑھ گیا تھا۔اسے یہ شہر اپنے حالات اور مزاج کے عین مطابق لگ رہا تھا۔وہ دن رات اس اجنبی شہر کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔

پتہ نہیں یہ خوشگوار موسم کا اثر تھا یا پھر آج دیوانئی آشرم کے کاموں سے کچھ زیادہ تھک گئی تھی۔اس چٹان پر بیٹھے بیٹھے اسے نیند آنے لگی تھی۔اس نے اپنے پاؤں سمیٹ کر چٹان کے اوپر کرلیے تھے اور ایک درخت کے تنے سے سٹ کر بیٹھ گئی تھی۔اپنے حالات پر غور کرتے کرتے وہ کب سوگئی، احساس بھی نہیں ہوا۔اب وہ دریا کی پرشور لہروں اور ہوا کی بھیانک آوازوں سے بے نیاز اطمینان سے سو رہی تھی۔

(دو)

مہرشی کرپا آشرم میں واپس آئے تو روز کی طرح دیوانئی ان کے استقبال کو نہیں

آئی۔ انھوں نے سوچا کہ شاید وہ کسی کام سے آس پاس گئی ہوگی۔ لیکن جب دن کا تیسرا پہر بھی بیت گیا اور وہ نہیں لوٹی تو انھیں تشویش ہونے لگی۔ ان کے ذہن میں طرح طرح کے پریشان کن خیالات گردش کرنے لگے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دیوانی پھر راکشوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مزید وقت ضائع کیے بغیر وہ اٹھے اور اسے تلاش کرنے لگے۔ کافی دیر تک وہ اسے ہر اس جگہ ڈھونڈتے رہے جہاں اس کے ہونے کی امید کی جا سکتی تھی۔ اپنی تلاش کے دوران وہ دیوانی کو آواز بھی لگاتے جا رہے تھے۔ اب ان کی فکر اور بڑھتی جا رہی تھی۔ دیوانی کہاں ہوگی۔ اسی پریشانی میں وہ ندی کے ایک گھاٹ سے اوپر چڑھ رہے تھے کہ انھوں نے دیوانی کو ایک چٹان پر بے خبر سوتے پایا۔ اب ان کے چہرے پر پریشانی کی جگہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ انھوں نے سوچا بے چاری بہت تھک جاتی ہے۔ دیوانی کا چہرہ سوتے میں کچھ اور بھی معصوم لگ رہا تھا۔ مہرشی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی بہادر لڑکی ہے جس نے ایک نرادھم کا ودھ کیا تھا۔

مہرشی دیوانی کے قریب پہنچے تو چونک گئے۔ وہ سر سے پاؤں تک خوشبودار پھولوں سے لدی تھی اور سوتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مہرشی کو لگا کہ ضرور یہ کوئی بھلا سا سپنا دیکھ رہی ہے۔ انھوں نے اسے جگانے کے بدلے اس کے خود سے جاگ جانے کا انتظار کر لینا بہتر سمجھا۔ چنانچہ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ وہ ابھی دیوانی کے اوپر بکھرے پھولوں کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھ کر چونکے۔ انھوں نے دیکھا کہ درخت میں لپٹا ایک ناگ نیچے آیا اور آرام سے دیوانی کے پاس اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس کی حفاظت کر رہا ہو۔ مہرشی کو انتظار کرتے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ دن ڈوبنے میں اب زیادہ دیر نہیں تھی کہ دیوانی نے کروٹ بدلی اور ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی اس کا محافظ ناگ جواب اس کی پشت کی طرف تھا خاموشی سے چلا گیا۔ دیوانی اپنے اس محسن کو دیکھ بھی نہ سکی ورنہ شاید وہ ڈر جاتی۔ اسے وقت کا احساس ہوا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اٹھتے ہی اسے دو چیزیں ایک ساتھ نظر آئیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے اوپر پھول بکھرے ہیں اور دوسرے مہرشی کرپا سامنے کھڑے شاید اس کے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے۔ پھولوں کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا کہ کیا یہ پھول مہرشی نے ڈالے ہیں لیکن وہ ایسا کیوں کریں گے۔ مہرشی کرپا

کے چہرے پر ایک سنجیدہ سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جیسے دیوانی کی اصل حقیقت کو انھوں نے آج پہچانا ہو۔ وہ اس کی حیرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اتنا بولے۔ "دیوی! بہت دیر ہو چکی ہے۔ اٹھو ہمیں تیزگتی سے آشرم کی اور چلنا ہوگا نہیں تو تھوڑی دیر بعد اس اونچے نیچے پتھ پر چلنا بہت کٹھن ہو جائے گا"۔

دیوانی اس نئے تخاطب سے حیران تھی لیکن کچھ کہے بغیر وہ اٹھی اور ان کے ساتھ چلنے لگی۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے لیکن دونوں اپنے اپنے طور پر ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔ دیوانی کو یہ فکر تھی کہ مہرشی نے انھیں پتری کے بدلے دیوی کیوں کہا اور انھوں نے اتنے ڈھیر سارے پھول اس پر کیوں ڈالے۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ ابھی سوتے میں جو خواب اس نے دیکھا تھا اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ کسی وقت وہ مہرشی سے اس خواب کا مطلب ضرور پوچھے گی۔

مہرشی کرپا اب دیوانی کو ایک دیوی کی روپ میں دیکھ رہے تھے۔ اور اسے اپنی خوش نصیبی سمجھ رہے تھے کہ یہ دیوی ان کے آشرم میں رہتی ہے۔ پھولوں کی بارش اور ناگ دیوتا کے تحفظ کا اعزاز کسی ایسے ویسے کو نہیں ملا کرتا، یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ انھوں نے یہ بات مُسر اور پاریا کو بھی بتائی تھی اور کہا تھا کہ تم لوگ بھاگیہ وان ہو کہ تمہیں ساکشات دیوی کی سیوا کا اوسر ملا ہے۔ چنانچہ دیوانی کے لیے ان سب کے رویے میں تبدیلی آنا فطری تھا۔ اب وہ تینوں صبح اٹھ کر سب سے پہلے دیوانی کے قدموں پر سر جھکاتے تھے۔ پہلی بار ان کے اس عمل پر دیوانی نے احتجاج کیا لیکن جب مہرشی نے اس سے درخواست کی ان کی خوشی کے لیے وہ اس بات کو قبول کرلے تو وہ خاموش رہ گئی اور اندر بہت اندر دل کی گہرائیوں میں اس کا یہ احساس خوشیاں منا رہا تھا کہ ان تین مہا پرشوں کو اپنے چرنوں میں جھکا لینا شائد پرشوں پر اس کی دوسری جیت تھی۔ لیکن بظاہر وہ اس جیت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

ایک دن جب اس نے مہرشی کو فرصت میں دیکھا تو اس کے دل کی گتھن اس کی زبان پر آگئی۔ اس نے پوچھا۔ "مہرشی اس دن جب ندی کنارے جنگل میں مجھے نیند آگئی تھی، میں نے ایک سپنا دیکھا تھا۔ اس کا ارتھ میری سمجھ سے پرے ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے سمجھنے میں آپ میری سہایتا کریں"۔

"دیوی تم اتی شیگھر اپنا سوپن مجھے سناؤ۔" مہرشی کرپا یک یہ سن کر جیسے جوش میں آگئے تھے۔ حالاں کہ وہ اپنی دلی کیفیات پر قابو رکھنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

"پرنتو اپنا سپنا سنانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس دن میرے اوپر پھول کیوں چڑھائے تھے۔ اور یہ اس دن کے بعد سے اچانک آپ سب کے برتاؤ میں بدلاؤ کیوں آگیا ہے۔ آپ مجھے پُتری کے بدلے دیوی کہہ کر کیوں پکارنے لگے ہیں۔ یہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا لیکن میں کیول آپ کی خوشی کے لیے اسے سہن کیے جا رہی ہوں"۔

مہرشی کو سپنا سننے کی جلدی تھی۔ انھیں یقین تھا کہ خواب کی تعبیر سن کر کر اسے خود ہی اپنے تمام سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ وہ بولے "دیوی میں اوشیہ تمھاری آگیا کا پالن کروں گا پرنتو پہلے تمھیں اپنا سوپن سنانا ہوگا"۔

دیوانئی نے ضد نہیں کی۔ اس نے بتایا "جب میں سو رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ آکاش پر گھرے کالے اور سفید بادل چھائے ہوئے ہیں۔ پھر لگا کہ یہ بادل نہیں آکاش دوت ہیں جو مجھ پر پھولوں کی بارش کر رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک ہنس آکر میری گود میں بیٹھ گیا ہے اور ناگ دیوتا اس کی سیوا کر رہے ہیں۔ اچانک درشیہ بدلا۔ لگا کہ جیسے پرتھوی پر پرلے آگئی ہے اور ساری دھرتی پانی میں ڈوب گئی۔ میں گھبرا رہی تھی کہ درشیہ پھر بدلا اب میں نے دیکھا کہ ایک تالاب ہے جس کی دیواریں سونے کی ہیں۔ اس کے بیچ میں سونے کا کمل ہے جس پر وہی ہنس آرام سے براجمان ہے اور ناگ دیوتا اپنے پھن پھیلائے سوریہ کی تیز کرنوں سے اس کی سرکشا کر رہے تھے۔ میں دوڑ کر اس ہنس کے پاس جانا چاہتی تھی پرنتو دھرتی نے میرے پاؤں پکڑ لیے اور اچانک میری آنکھ کھل گئی"۔

دیوانئی کے خاموش ہونے پر مہرشی کرپا بولے۔ "دیوی یہ سوپن نہیں تھا واستوکتا تھی۔ ان میں سے کچھ باتوں کا تو میں بھی گواہ ہوں۔ میں نے دیوتاؤں کی پشپ درشا دیکھی ہے اور جن پھولوں کو تم سمجھ رہی ہو کہ میں نے بکھیرے تھے وہ وہی پوتر پشپ تھے جو دیوتاؤں نے تم پر برسائے تھے۔ میں نے اس ناگ دیوتا کے بھی درشن کیے جس کا بیان تم نے کیا۔ اس کے علاوہ مہادیو نے تم پر کرپا کرتے ہوئے تمھیں تمھارا بھوشیہ بتانے کا پریتن کیا ہے۔ میرے برتاؤ میں جو بدلاؤ آیا ہے اس کا کارن بھی یہی ہے کہ تم دیو پریا ہو اور اس لیے میرے آدر کی پاتر ہو"۔

تھوڑی دیر کے لیے وہ رکے۔ ایک لمبی سانس لی اور آگے بولے۔" دیوی تمھارے اچھے دن آنے والے ہیں تم گربھوتی ہو۔ وہ نس کوئی اور نہیں تمھارا اپتر ہے۔ جو دشٹ جنوں پروجے پاکر نگر پالک بنے گا۔ پرنتو دیوی تمھارے سوپن کا انت کچھ اچھا نہیں ہے"۔

" وہ میں جاننا بھی نہیں چاہتی" اپنے خواب کی تعبیر سن کر دیوانی خوشی سے سرشار لہجے میں بولی۔" میری زندگی کا مقصد کشال کا انت ہے۔ کنتو یہ گربھوتی ہونے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی"۔ یہ کہتے ہوئے دیوانی اندر سے خوش تھی اس لیے کہ وہ جانتی تھی کہ ایسا ممکن ہے۔

" دیوی سے بڑا بلوان ہے"۔ مہرشی بولے" وہ شنکر ہی تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا"۔

(تین)

مہرشی آج شہر سے واپس لوٹے تو بڑے اداس تھے۔ آج انھوں نے جو منظر دیکھا تھا وہ بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

اتفاق سے آج وہی دن تھا جب نگر پالک کا عظیم تالاب اور باغیچہ ناگروں کے لیے کھول دیا جاتا تھا شہر کے مختلف حصوں سے لوگ تیار ہو کر اسی طرف جارہے تھے۔ یہ منظر ان کے لیے نیا نہیں تھا۔ ایسا کئی بار ہو چکا تھا کہ وہ اسی دن شہر آئے تھے جس دن تالاب میں عوامی تفریح کا دن مقرر تھا۔

لیکن آج کا دن دوسرے دنوں سے الگ تھا۔ آج انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیوانی کے بھائی متھو کو ویروں کے ہاتھوں مرتے دیکھا تھا۔ اور یہی منظر تھا جو ان کی نظروں سے ہٹ نہیں رہا تھا اور ان کی پریشانی کا سبب تھا۔

متھو کو انھوں نے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ نگر پالک نے جس رات اس کی بہن کو کوٹ میں بلایا تھا اسی رات اس کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا۔ وہ سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا اور ایسی آواز میں بڑبڑاتا رہتا تھا جسے کوئی سمجھ نہیں پاتا تھا۔ اس پر ترس کھا کر لوگ کچھ کھلا پلا دیا کرتے تھے۔ اس حالت میں متھو کو دیکھ کر مہرشی کو دکھ ضرور ہوتا تھا لیکن انھوں نے دیوانی سے

کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ دیوانئی کو دکھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ کشال نے اس کے بھائی کو قتل کروادیا ہوگا اور اب تک صبر کر کے اپنے کو سمجھا چکی ہوگی۔ متھو کے بارے میں اسے یہ اطلاع دینا اس کے زخموں کو کریدنے جیسا تھا۔

پچھلے ہفتے جب وہ شہر گئے تھے تو تالاب کی مشرقی دیوار کے سہارے بیٹھے متھو کو انھوں نے خاموشی سے روتے دیکھا تھا۔ مہرشی کرپا کا دل بھر آیا تھا۔ انھوں نے اس کے پاس جا کر پوچھا تھا۔ ''کیا بات ہے متھو''؟

کافی دنوں سے کسی نے متھو سے پیار بھرے لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ لوگوں کی پھٹکار اور گالیاں سننے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر مہرشی کرپا کو دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ مہرشی، جہامن نے میری بھگنی کو مروا ڈالا ۔ اب سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے''۔

مہرشی کو اس پر ترس آ گیا۔ وہ بولے۔ '' پتر تیری بھگنی دیوانئی جیوت ہے''۔

ابھی ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ متھو کھڑا ہو کر ناچنے لگا۔ اب وہ بس ایک ہی بات رٹے جا رہا تھا۔ دیوانئی جیوت ہے۔۔ دیوانئی جیوت ہے۔ اب میں کشال کا ودھ کر دوں گا۔۔۔ اب میں کشال کا ودھ کر دوں گا''۔

مہرشی یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ انھیں اب احساس ہوا کہ ایک پاگل کو راز کی بات بتا کر انھوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن وہ اب کر بھی کیا سکتے تھے۔ راز تو ان کی زبان سے باہر نکل چکا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے شہر میں جلدی جلدی اپنا کام ختم کیا تھا۔ اور وقت سے کچھ پہلے ہی آشرم واپس آ گئے تھے۔

آج ہفتے بھر بعد جب وہ شہر کی طرف جا رہے تھے تو ان کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ ان کا یہ ڈر بلا وجہ نہیں تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک چوراہے پر انھوں نے رسیوں میں جکڑے ہوئے متھو کو دیکھا جسے نگر پالک کے ویر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس چبوترے کی طرف لے جا رہے تھے جہاں اسے سزا دی جانی تھی۔ یہاں ناگرکوں کی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ مہرشی کرپا بھی اس بھیڑ میں شامل تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ دو ویر متھو کو پکڑ کر چبوترے پر لائے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کھولے گئے اور پلک جھپکتے کلہاڑی کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے

جدا کر دیا گیا تھا۔

مہرشی نے لوگوں سے پوچھا کہ اس پاگل کو یہ سزا کیوں دی گئی ہے تو انھیں بتایا گیا کہ یہ سڑکوں سڑکوں گلیوں گلیوں مہامن کشال کو گالیاں اور قتل کر دینے کی دھمکیاں دیتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بکتا رہتا تھا کہ دیوانی جیوت ہے۔ مہامن نے اسے بلا کر پوچھا تھا کہ دیوانی کہاں ہے لیکن وہ جواب میں یہی کہتا رہا کہ میں نہیں بتاؤں گا۔ مہامن کو غصہ آ گیا اور انھوں نے اسے قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔ مہرشی یہ سن کر دکھی ہو گئے اور زیر لب بڑبڑائے۔ ''وہ بیچارہ پاگل جس بات کو جانتا ہی نہیں تھا بھلا اسے کیا بتاتا''۔ انھیں کشال پر غصہ آ رہا تھا کہ یہ تو ظلم کی انتہا ہے کہ پاگلوں کو موت کی سزا دی جائے۔ انھیں اپنے اوپر بھی غصہ آ رہا تھا کہ انھوں نے ہی یہ بات متھو کو بتائی تھی اور بیچارے کو اس کا خمیازہ اپنی جان دے کر بھگتنا پڑا۔ اس معصوم اور بے گناہ شخص کے قتل کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری ان پر بھی عائد ہو رہی تھی اور وہ اس غم سے اپنا دامن نہیں بچا پا رہے تھے۔

مہرشی کو یہ خوف بھی بے چین کر رہا تھا کہ اگر کشال نے متھو کی اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ دیوانی زندہ ہے تو اب اسے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے کی مزید معلومات حاصل کرنے اور اپنی غلطی کا پرائشچت کرنے کی غرض سے انھوں نے اپنا رخ کشال کے کوٹ کی طرف موڑ دیا۔ کشال کے تمام سیوک ان سے واقف تھے اس لیے کسی نے انھیں نہیں روکا۔ ایک ویر نے جا کر کشال کو اطلاع دی کہ مہرشی گر پا آئے ہیں اور بہت غصے میں دکھائی دیتے ہیں۔ کشال نے فوراً باہر آ کر ان کے قدموں میں سر رکھا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

'' مہامنی نے یہاں آنے کا کشٹ کیوں کیا۔ سیوک کو بلا لیتے''۔

''کشال، آج میں نے ویر چنھ چوراہے پر جو درشیہ دیکھا ہے وہ تیرے بھوشیہ کے لیے شبھ سنکیت نہیں ہے۔ ساودھان ہو جا کہ تیرا انت اب دور نہیں''۔

'' مہامنی وہ اپرادھی تھا اور اپرادھی کو اپرادھ کا دنڈ دینا نگر پالک کا ادھیکار ہی نہیں کرتویہ بھی ہے''۔

''اگیانی، کیا تجھے نیتی کا اتنا بھی گیان نہیں کہ پاگل پر بدھی والوں کے ودھان لاگو

نہیں ہوتے"۔

"وہ پاگل نہیں تھا مہامنی۔ بس پاگل بن کر اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا بھی لیکن وہ سڑکوں سڑکوں مجھے گالی دیتا پھرتا تھا اور اب تو اس نے حد ہی کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ دیوانی جیوت ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں مہامنی کہ اگر دیوانی جیوت ہے تو اس کا ارتھ یہ ہوا کہ اسے دیوتاؤں نے پاپی نہیں مانا۔ اور اس کا ارتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے مہا پنچ کا فیصلہ غلط تھا۔ یہ سب نگر پالک کے یش کے لیے خطرہ تھا۔ اس لیے اس کا مر جانا ہی اچھا تھا۔

"کشال مجھے اس بات کا دکھ رہے گا کہ تم میرے ششیہ رہے اور میں تمہیں نیتی گیان نہیں دے سکا"۔

اس کے بعد بغیر کچھ سنے وہ تیزی سے مڑے اور کوٹ سے باہر آگئے۔ اب شہر میں جا کر اپنا کام کرنے کا ان کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ سیدھے آشرم آگئے تھے اور بڑی بے چینی سے کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈ رہے تھے جس سے وہ دیوانی کو آج کے واقعات کی تفصیل بتا سکیں۔

مہرشی کی پریشانی کا سبب دیوانی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جب اس سے ان کی یہ بے چینی دیکھی نہ گئی تو وہ ان کے پاس گئی اور بولی۔ "سنسار میں ایسا کون سا دکھ ہے جو مہرشی کو پراجت کرنے میں سپھل ہو گیا ہے"۔

"دیوی، میں سچ مچ دکھی ہوں"۔

مہرشی نے بالآخر اپنے آپ کو ساری بات سنانے کے لیے تیار کر لیا۔

اس کے بعد انھوں نے بے کم و کاست وہ ساری باتیں دیوانی کو بتا دیں جو انھیں پریشان کر رہی تھیں۔ دیوانی نے بڑے تحمل سے ان کی باتیں سنیں اور آخر میں بس اتنا ہی کہا۔ "مہرشی جس بھائی کو میں پہلے ہی مرا ہوا سمجھ رہی تھی وہ آج مرا۔ اس سے میرے اوپر کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپ بالکل ویاکل نہ ہوں"۔

(چار)

مہرشی کو تسلی دینے والی دیوانی پر ان باتوں کا اثر نہیں ہوا تھا، یہ غلط تھا۔ وہ یہ جان کر دکھی تھی کہ آج اس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا۔ اس نے اب سے پہلے مہرشی سے کبھی متھو کا ذکر

نہیں کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اسے بھول گئی تھی۔ ہاں اس کی کوئی خبر نہ ملنے کی وجہ سے اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید کشال نے اسے مار ڈالا ہوگا لیکن یہ امکان تھا کہ شاید وہ زندہ ہو اور شاید کبھی ان دونوں کی ملاقات ممکن ہو سکے۔ مہرشی نے آج جو خبر سنائی تھی اس نے اس امکان کو سرے سے ختم کر دیا تھا۔

دیوانئی ادھر کچھ دنوں سے اپنے جسم کے درمیانی حصے میں کچھ تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ اسے مہرشی کی بات یاد تھی کہ وہ گربھوتی ہے۔ اب اس بات میں شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ اس کے پیٹ میں ایک اور زندہ انسان سچ مچ سانس لے رہا تھا۔ مہرشی بھی یہ بات جانتے تھے اور دن رات اس کی سیوا کچھ اس طرح کر رہے تھے جیسے کسی اُپاسک کو دیوی کی سیوا کرنی چاہیئے۔

آج پھر وہ شہر گئے تھے اور واپسی پر ایک بار پھر وہ پریشان نظر آئے۔ انہوں نے دیوانئی کو بتایا کہ کشال کو شاید کچھ شک ہو گیا ہے کہ دیوانئی کے زندہ ہونے کی بات محض افواہ نہیں ہے۔ وہ بولے۔ ”کداچت اسے یہ بھی شنکا ہے کہ تم میرے ساتھ رہتی ہو۔ اس نے ابھی تک میرے آشرم میں آ کر پتہ کرنے کا یتن نہیں کیا پرنتو وہ کسی بھی سمے یہاں آ سکتا ہے۔ ادھر جڑی بوٹیوں پر میرا شودھ بھی پورا ہو گیا ہے۔ تمہارے لیے اب یہی اچت ہوگا کہ اس جگہ کو چھوڑ دو۔ اور جتنا شیگھر سمبھو ہو کُملا نگر کی طرف چل دو۔ ابھی تم یاترا کر سکتی ہو۔ کچھ دن بعد تمہارے لیے اتنی لمبی یاترا کرنا سمبھو نہیں رہے گا۔ پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تمہاری سنتان سوتنتر واتاورن میں پیدا ہو۔ میرا وچار ہے کہ کل سویرے ہی ہم کُملا نگر کے لیے پرستھان کر دیں“۔

گومل کی وادی

(ایک)

ان کے طویل سفر کی یہ تیسری رات تھی۔

سفر کی تھکن دونوں کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ دیوانئی کچھ زیادہ مضمحل تھی۔ اب آگے بڑھنے کی اس کی ہمت نہیں تھی لیکن یہ بات زبان سے ادا کرنے میں اسے تکلف تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ مسلسل سفر ضروری ہے اور کہیں زیادہ دنوں تک رکنا ان کی زندگی کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی جسمانی تکلیف بھول کر اس سفر کو جاری رکھنے پر مجبور تھی۔ وہ سورج نکلتے ہی چل پڑتے اور رات ہونے پر کسی درخت کے نیچے یا پھر کسی قریبی بستی میں رک جاتے۔ کھانے پینے کا سامان وہ اپنے ساتھ لے کر چل رہے تھے اس لیے اس طرف سے بے فکری تھی۔ ان کا تیسرا ساتھی ایک گدھا تھا جس پر ان کی ضرورت کا سامان لدا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ سورج کو ڈوبے ہوئے آدھا پہر گذر چکا تھا۔ جنگلی جانوروں سے بچنے کے لیے انھوں نے الاؤ جلایا۔ اس کی روشنی میں وہ سونے کا انتظام کر ہی رہے تھے کہ ان کی نظر دور جلتے ہوئے ایک اور الاؤ پر پڑی۔ دن کی روشنی میں انھوں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ آس پاس کوئی بستی نہیں ہے۔ شاید یہ لوگ بھی ان ہی کی طرح مسافر تھے اور رات گذارنے کے لیے ٹھہر گئے تھے۔ مہرشی گرپا نے سوچا کہ مجھے جا کر دیکھنا چاہیے۔ اگر یہ واقعی

مسافر ہیں تو ٹھیک اور لٹیرے ہوں تو ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ آشرم سے چلتے وقت مہرشی نے سونے کی وہ تمام مہریں ساتھ رکھ لی تھیں جو ان کی عمر بھر کی کمائی تھی۔ وہ ان کے لٹ جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ویسے انھیں یہ اطمینان تھا کہ مہذب دنیا کے رہنے والے لٹیرے بھی اتنے مہذب تو ہوتے ہی ہیں کہ وہ رشیوں، منیوں، دیوداسوں اور پجاریوں کے مال پر بری نظر نہیں ڈالتے۔

مہرشی اندھیرے کی آڑ میں چپکے سے دوسرے الاؤ تک پہنچے تو انھیں تین چہرے نظر آئے۔ ان کی رنگت سفید اور چہرے کی ساخت بالکل مختلف تھی۔ مہرشی نے سوچا یہ اس علاقے کے نہیں معلوم ہوتے۔ شاید کسی دور دیس سے آئے تاجر ہیں۔ ان کے چہرے کی نرمی ان کی شرافت کی غماز تھی۔ مہرشی کے دل سے ڈر نکل گیا اور وہ بے جھجک ان کے سامنے آگئے تینوں نے گھبرا کر انھیں دیکھا اور ان میں سے ایک نے بڑی پھرتی سے خنجر نکال لیا۔

"کمار رکو، یہ کوئی شریف آدمی معلوم ہوتا ہے"۔ اس کے ایک ساتھی نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"اجنبی، میرا نام کرپا ہے اور اس سمے یاتری ہوں"۔ مہرشی بولے۔ اب انھوں نے دیکھا تو قریب ہی ایک درجن کچھ عجیب قسم کے جانور ہنہنا رہے تھے وہ نہ تو انھیں پہچان سکے اور نہ ہی ان کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں آیا۔

"آؤ آؤ، یہاں ادھر" وہ شخص بولا جس نے کمار کو روکا تھا۔

مہرشی نے اس بات کو محسوس کیا کہ یہ لوگ باہر کے ہیں اس لیے یہاں کی زبان اور تہذیب سے واقف نہیں ہیں۔ یہی غنیمت تھا کہ وہ ایک دوسرے کی ٹوٹی پھوٹی زبان سمجھ رہے تھے۔ مہرشی آگے بڑھے تو اس نے پوچھا "تم لوگ کس طرف کو جارہا ہے؟"

"ہم کملانگر جا رہے ہیں"

"وہ تو یہاں سے اب بھی چھ دن پیدل کی دوری پر ہے، ساتھ میں کون ہے؟ کوئی روگی یا عورت؟"

مہرشی اس استفسار کا مطلب نہیں سمجھے پھر بھی بولے۔ "میرے ساتھ میری پُتری ہے اور وہ کچھ بیمار بھی ہے"۔

"تم چاہو تو ہم سے ایک جانور لے سکتا ہے اگر تمہارے پاس سونے کا تین مُہر ہے"۔

"میں اس جانور کا کیا کروں گا" مہرشی بولے" ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان ویسے ہی بہت کم ہے۔ پھر ہم اس جانور کی سیوا کیسے کر پائیں گے۔۔۔۔اور تین سورن مدرائیں ۔۔۔۔ یہ جانور تو بڑا مہنگا ہے۔۔۔۔کیا وشیشتا ہے اس کی؟ مہرشی کو اس کی قیمت سن کر بڑا تعجب ہو رہا تھا۔

"اسے اشو کہتے ہیں۔ یہ جانور سواری کے کام آتا ہے۔اس علاقے کا آدمی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تم یہ جانور خرید لے گا تو گملا نگر کی چھ دن کی یاترا دو دن میں کر لے گا۔اور اگر سونے کا تین مہر ادھک لگتا ہے تو دو اور آدھا دے دو"۔

مہرشی کو اب جا کے اس جانور کی افادیت سمجھ میں آئی۔انھوں نے سوچا کہ ایک جانور سے ان کا مسئلہ تو حل ہو گا نہیں۔وہ تو کسی بیل گاڑی کی تلاش میں تھے جس سے دیوانی کو کچھ آرام مل سکے۔وہ بولے۔"نہیں بھراتا ہمارا کام اس اشو سے نہیں چلے گا۔ہمیں بیل گاڑی کی آوشیکتا ہے"۔

"تو یہ بولو نہ۔بیل گاڑی بھی ہمارے پاس ہے"۔تاجر نے انکشاف کیا" دو بیل کا ساتھ گاڑی کا دو سونے کا مہر لگے گا اور ایک بیل کا ساتھ ایک اور آدھا مہر۔ بولو چاہیئے"؟

مہرشی یہ جان کر خوش ہو گئے۔انھوں نے اپنی خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔" ٹھیک ہے لین دین اب کل سویرے کریں گے۔اس سمے تو بہت دیر ہو چکی ہے"۔

"کوئی بات نہیں" تاجر بولا۔

یہ باتیں کرنے کے بعد مہرشی دیوانی کے پاس واپس آئے۔انھوں نے اسے اجنبی تاجروں کے بارے میں ساری تفصیلات بتائیں۔بیل گاڑی کا انتظام ہو جانے کی بات سن کر دیوانی کو بھی خوشی تھی کیوں کہ اب وہ آرام سے اس میں سوار ہو کر سفر کر سکتی تھی۔

اس طویل اکتا دینے والے سفر کو گوارا بنانے کا ایک طریقہ مہرشی کر پانے یہ نکالا تھا کہ وہ جب پڑاو ڈالتے تو جڑی بوٹیوں کے اپنے تجربات کے بارے میں دیوانی کو بتاتے۔وہ چاہتے تھے کہ ان کا سارا علم دیوانی کے ذہن میں منتقل ہو جائے اور وہ لوگوں کی بیماریوں کا علاج خود کر سکے۔اس وقت بھی مہرشی نے سونے سے پہلے یہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔باتیں کرتے کرتے ہی

وہ دونوں سو گئے۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ دونوں آگے پیچھے باری باری سویا کرتے تھے۔ معمول میں یہ فرق شاید اس اطمینان کی وجہ سے پڑا تھا کہ قریب ہی کچھ شریف اجنبی تاجر موجود تھے جو مشکل آنے پر ان کی مدد کر سکتے تھے۔

(دو)

بیل گاڑی نے ان کے سفر کو نہ صرف آسان بنا دیا تھا بلکہ اسے رفتار بھی مل گئی تھی۔ اگلے دن کا سفر واقعی انھوں نے پیدل کے مقابلے دوگنا کیا تھا۔ ابھی دو دن کا سفر اور باقی تھا۔ اجنبی تاجر نے واقعی ان پر احسان کیا تھا۔ اس ویران جنگل میں خلاف توقع بیل گاڑی کا اس طرح مل جانا دیوتاؤں کا وردان ہی تھا۔ دیوانئی کو اب سفر آسان لگنے لگا تھا۔ اگلی رات انھوں نے گھنڈئی نام کی بستی میں گذاری۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اس بستی میں کوئی وبائی مرض پھیلا ہوا تھا اور اکثر گھروں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مہرشی اس شور کا مطلب نہیں سمجھے تو قریب ہی دیو استھن سے نکلتے ایک نوجوان سے اس کا سبب پوچھا اس نے بتایا کہ بستی میں بہت سے لوگ بیمار ہیں اور باری باری مر رہے ہیں اس نے یہ بھی بتایا کہ اس بیماری میں پہلے لوگوں کا پیٹ پھولتا ہے پھر پہر دو پہر اس کا سارا بدن کانپتا ہے اور اس کے بعد اس کی موت ہو جاتی ہے۔ مہرشی نے تو ساری زندگی ہی جڑی بوٹیوں اور روگیوں کے بیچ گذاری تھی وہ اس بیماری کو سمجھ گئے تھے اور اس کا علاج بھی ان کی سمجھ میں آچکا تھا۔ انھوں نے دیوانئی سے اس کا ذکر کیا اور دونوں نے طے کیا کہ اس مرض سے لوگوں کو نجات دلانے کے بعد ہی وہ آگے کا سفر کریں گے۔

مہرشی کے ساتھ رہتے ہوئے دیوانئی کو کئی مہینے ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی جڑی بوٹیوں اور علاج کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ پھر علاج کی باریکیوں کے بارے میں سفر کے دوران مہرشی کی گفتگو سے بھی اس نے فائدہ اٹھایا تھا۔ اس نے اپنے طور پر اس مرض کی نوعیت پر غور کیا تو اس کا فیصلہ مہرشی سے الگ تھا۔ اس نے مہرشی سے بتایا تو اس کے باوجود کہ وہ اس کے فیصلے سے پوری طرح متفق نہ تھے، دیوانئی کی ذہانت سے خوش ہوئے۔ انھوں نے دیوانئی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادویات چوں کہ نقصان دہ نہیں ہیں اس لیے ان کو آزمایا جا سکتا ہے۔

وہ دونوں بستی کے پہلے مکان میں داخل ہوئے۔ اندر افراتفری مچی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس گھر میں ایک ساتھ دو لوگ بیمار ہیں۔ ایک عورت جس کی عمر تیس بتیس سال ہے اور اس کا دس برس کا بیٹا۔ عورت کو دیوانی نے سنبھالا اور مہرشی لڑکے کی طرف متوجہ ہوئے۔ دونوں کا طریقۂ علاج مختلف تھا۔ مہرشی نے کوئی لیپ تیار کر کے اسے بدن کے سوجن والے حصوں میں لگایا تھا جب کہ دیوانی نے کچھ جڑی بوٹیوں کو پیس چھان کر اپنے مریض کو پلایا تھا۔ دوا پینے کے چند لمحوں بعد ہی عورت کی چھٹپٹاہٹ کم ہوگئی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ آرام سے سوگئی۔ لڑکا اب بھی تڑپ رہا تھا۔ کچھ گھنٹوں کے بعد لڑکے کو بھی سکون مل گیا۔ گھر کے لوگوں کو انھوں نے کچھ دوائیں اور ان کے استعمال کے لیے ہدایتیں دیں اور باہر نکل آئے اب ان کا رخ قریب کے دوسرے مکان کی طرف تھا۔ وہاں پہنچے تو ان کے آنے کی اطلاع ان کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اب انھیں سوچنا نہیں تھا۔ صرف علاج کرنا تھا۔ ساری بستی میں ان کے آنے اور لوگوں کو مرض سے نجات دلانے کی شہرت ہو چکی تھی اور لوگ ان کے پاس آکر پہلے اپنے گھر چلنے کی درخواست کر رہے تھے۔ دیوانی اور مہرشی نے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا اور بڑے پیمانے پر وہ ادویات تقسیم کیں جن کی ضرورت تھی اور انھیں بتایا کہ ان کا استعمال کس طرح کرنا ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ رات زیادہ ہو چکی تھی اس لیے دیوانی اور مہرشی سونے کی تیاری کرنے لگے۔ اسی بیچ مہرشی بولے۔ "دیوی تم نے بوٹیوں کا جو گھول روگی کو پلایا تھا اس کا اثر کیا ہوا تھا۔ کیا روگی کو ترنت آرام مل گیا تھا"۔

"ہاں، بس پل ہی دو پل میں" دیوانی نے جوش میں کہا۔

"روگی کو ایسی دوا دینا چاہیے جس سے اس کو دھیرے دھیرے آرام ہو۔ اس سے روگ اور اس کے بعد کی استھتی میں صحیح تال میل بنتا ہے نہیں تو کبھی کبھی اس کا برا اثر بھی ہو سکتا ہے"۔

دیوانی کو لگا کہ مہرشی نے اس کی ذہانت کی توہین کر دی ہے لیکن ان کا لہجہ اتنا نرم اور محبت آمیز تھا کہ وہ اس حقیقت کو ہضم کر گئی۔ جو بات مہرشی نے بتائی تھی وہ خود بھی جانتی تھی لیکن اپنے طریقۂ علاج سے وہ پوری طرح مطمئن تھی۔ وہ نرمی سے بولی "مہرشی میرے وچار میں علاج کا طریقہ روگی کی پرستھتی کے حساب سے ہونا چاہیے۔ اگر پیڑا اسہیہ ہو تو پہلے اسے پیڑا

مکت کرنے کا اپائے کرنا چاہیے۔ تا کہ پھر سکون اور اطمینان سے روگ کا علاج کیا جاسکے''۔

مہرشی مسکرائے اور خاموش رہے۔

دوسری صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو بستی میں سکون تھا۔ جیسے لوگ کئی دنوں کی تھکن کے بعد سوئے ہوں۔ رونے کراہنے کی آوازیں بالکل نہیں تھیں۔ دیوانی کے ذہن میں مہرشی کی رات والی بات اب بھی ڈنک مار رہی تھی وہ اس عورت سے ملنے کو بے چین تھی جس کا علاج اس نے خود کیا تھا۔ لیکن سورج نکلنے میں ابھی دیر تھی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر اس نے کنوئیں پر غسل کیا۔ اگتے سورج کی اپاسنا کی۔ مہرشی موجود نہیں تھے شاید وہ جنگل کی طرف گئے تھے تاکہ زیادہ مقدار میں دواؤں کا انتظام ہو سکے۔ دیوانی نے مہرشی کی واپسی کا انتظار نہیں کیا وہ تیزی سے اس مکان کے اندر گئی جہاں وہ عورت تھی۔ گھر کے لوگ ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ وہ باہر نکل کر چبوترے پر بیٹھ گئی۔ اور بڑی بے چینی سے گھر والوں کے جاگنے کا انتظار کرنے لگی۔

اسی وقت اس نے دیکھا کہ وہ نوجوان جو کل انھیں دیوایتن کے پاس ملا تھا اور جس نے انھیں بستی کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں دور کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر دیوانی کو اپنے بھائی متھو کی یاد آگئی اور وہ بیٹھے بیٹھے اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

''دیوی کا من اشانت ہے'' دیوانی نے اپنی پشت سے مہرشی کی آواز سنی۔ ''دیوی دیکھنا چاہتی ہے کہ اس کا اپچار کتنا سپھل رہا۔ دیوی وہ استری اب ایک دم سوستھ ہے۔ تم نشچنت رہو۔ تمہارے ہاتھ میں دیوتاؤں نے جادو رکھا ہے۔ اینتھا مجھے تو بھے تھا۔ تم روگی کو مٹی بھی کھلا دوگی تو وہ ٹھیک ہو جائے گا''۔

''پرنتو مہرشی آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ استری ٹھیک ہو گئی ہے''۔

''ہم جیسے یوگیوں کو دھیان یوگ سے ایسا بہت کچھ گیات ہو جاتا ہے جو دوسروں کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے''۔

دیوانی نے یہ سن کر احترام سے سر جھکایا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس وقت مہرشی کی گفتگو میں جو اثر ہے وہ دوسرے اوقات کے مقابل بالکل مختلف ہے۔ شاید وہ ابھی مہرشی کی قوتوں اور صلاحیتوں سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ مہرشی نے اپنے بارے میں اسے کبھی کچھ بتایا ہی

نہیں۔ وہ یہ تو سمجھتی تھی کہ انہیں جو عزت و احترام حاصل ہے اس کی کوئی مضبوط وجہ ہوگی لیکن ان کی محبتوں کے سائے میں رہتے ہوئے وہ ان کی عظمتوں کے بارے میں زیادہ سوچ نہیں پائی اور بھلا مہرشی خود اسے اپنے بارے میں کیسے بتا سکتے تھے۔ کسی مہاپُرش سے ایسی امید رکھنا ہی فضول ہے۔

مہرشی نے دیوانی کو خاموش دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دئے۔ دیوانی نے محسوس کیا کی جیسے یہ عمل مہرشی سے کوئی اور طاقت کرواتی ہے۔ جب جب مہرشی اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے تو اس کو ایک عجیب سی شرمندگی کا احساس ہوتا۔ پھر بھی وہ خاموش رہتی۔

دونوں نے ساتھ ساتھ بستی کا ایک چکر لگایا۔ بیشتر لوگ چین کی نیند سو رہے تھے۔ حالانکہ معمول کے مطابق انھیں بہت پہلے ہی اٹھ جانا چاہیے تھا۔ اکا دکا لوگ جو جاگ چکے تھے انھیں دیکھ کر ان کے قدموں پر سر رکھ دیتے دعائیں دیتے ہوئے وہ آگے بڑھ جاتے۔ اپنے پڑاؤ پر واپس آ کر مہرشی بولے" دیوی بستی میں شانتی ہے۔ جانتی ہو یہ میرے اپچار کا نہیں تمھارے ہاتھ کی اس دیوی شکتی کا کمال ہے۔ جس سے ابھی تم سویم بھی انبھگیہ ہو"۔

" مہرشی میرا مذاق اڑا رہے ہیں"۔

"نہیں دیوی، میں بھلا دیوی سے پرَی ہاس کر سکتا ہوں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سب مجھے ابھی پراتہ دھیان یوگ کے دوارا گیات ہوا ہے"۔

(تین)

وہ لوگ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہی نوجوان جو صبح چھپ کر دیوانی کو دیکھ رہا تھا، ان کے پاس آیا، اور دیوانی کے قدموں پر جھک گیا۔ مہرشی نے سوچا شاید یہ کوئی روگی ہوگا جو ان کے اپچار سے ٹھیک ہو گیا ہے لیکن جب دیوانی نے جھک کر اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھایا تو پتا چلا کہ یہ وہی نوجوان ہے جو کل انھیں دیوایتن کے باہر ملا تھا اس وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ اس کے چہرے پر یکے بعد دیگرے کئی رنگ آ جا رہے تھے۔ دیوانی کو لگا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔" یُوک تم کیا چاہتے ہو"۔ دیوانی نے

اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔اسے لگا کہ جیسے اس نوجوان میں کوئی ایسی قوت ہے جو اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔

نوجوان کی عمر پچیس برس کے آس پاس تھی۔اس کے چہرے پر سیاہ داڑھی اس کے مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔اس کی کشادہ پیشانی اس کی ذہانت اور اس کے زیورات اس کے تمول اور خوش حالی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔وہ دیوانئی کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس سے جو بات کہنا چاہتا ہے وہ وہی ہے جو کسی بھی نوجوان کے لیے کسی لڑکی سے کہنا آسان نہیں ہوتا۔اس کے چہرے پر شرم کی سرخی تھی اور نظریں دیوانئی کے سانولے بدن پر پھسل رہی تھیں۔وہ جس طرح نظریں چرا رہا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے دل کا چور چھپانے اور دل کی بات کو زبان سے ادا کرنے کی بیک وقت کوشش کر رہا ہے۔

اب نوجوان مہرشی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اب بھی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

دیوانئی کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔

بالآخر وہ بولا۔"مہامتے۔یہ یوک آپ کے چرنوں کی سیوا کرنا چاہتا ہے۔اسے اپنے ساتھ چلنے کی انومتی پردان کیجیے"۔

جو بات ابھی تک دیوانئی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ مہرشی کی سمجھ میں ایک لمحے میں آگئی۔انھوں نے اس نوجوان سے پوچھا۔"پتر تم کون ہو،تمھارے پریوار میں اور کون کون ہے"۔

"کوئی نہیں بچا مہامنی،ایک ماں تھی اسے بھی یہ مہا روگ لے گیا" یہ کہتے ہوئے نوجوان کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔اس نے خود پر قابو رکھنے کی کوشش کی اور آگے بولا۔"اب میں ایک دم اکیلا ہوں میرے پاس دھن کی کمی نہیں ہے۔پرنتو دھن کا موہ مجھے اچھا نہیں لگتا"۔

"تمھارا نام کیا ہے پتر"۔مہرشی نے پوچھا۔

"سوریم"۔نوجوان نے مختصراً جواب دیا۔

مہرشی نے دیوانئی کو اشارہ کیا کہ وہ اس یُووک کو ساتھ چلنے کی اجازت دے

دے اور دیوانئی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کے اس حکم کی تعمیل کر دی۔

مہرشی یہ سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ جو کچھ وہ سمجھے ہیں اگر درست ثابت ہوا تو اس سے دیوانئی کی تنہائی دور ہو جائے گی۔ پھر اس کے لیے زندگی اتنی دشوار نہ ہوگی جتنی ابھی ہے۔ لیکن انھیں دیوانئی کی طرف سے اس رشتے کو قبول کرنے کی امید کم ہی تھی۔ انھوں نے اپنے دل میں مہادیو کو یاد کیا اور ان سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

(چار)

اب وہ تین تھے۔

وہ لوگ کچھ آگے بڑھے تو ان کے سامنے ایک نیا ہی منظر تھا۔ گھنڈئی بستی میں ان کے ذریعہ مریضوں کی صحت یابی کی شہرت ان سے زیادہ تیز رفتار نکلی تھی۔ جگہ جگہ لوگ ان کے منتظر تھے۔ کچھ لوگ ان کے درشن کرنا چاہتے تھے تو کچھ ان سے اپنے بیماروں کا علاج۔ لوگ اپنی بستیوں سے باہر نکل کر اس راستے کے دونوں طرف پہلے سے کھڑے ہو جاتے جہاں سے انھیں گذرنا ہوتا۔ جب ایک عورت نے روتے ہوئے دیوانئی سے کہا کہ اس کا لڑکا بیمار ہے، اس کا بدن تپ رہا ہے اور بہت کمزور ہو گیا ہے تو دیوانئی نے گاڑی سے نیچے اتر کر گدھے پر لدے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ مہرشی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ بچے کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دے بچہ ٹھیک ہو جائے گا۔ دیوانئی نے بے یقینی کے ساتھ ایسا کیا تو واقعی جادو ہو گیا۔ بچے کے جسم کی گرمی معمول پر آچکی تھی اور اب وہ اپنے اندر طاقت محسوس کر رہا تھا۔ بچے کے اٹھتے ہی بھیڑ دیوانئی کے احترام میں نعرے لگانے لگی اور اب لوگوں کی نظر میں اس کی حیثیت محض معالج کی نہیں بلکہ لوگوں کا دکھ دور کرنے والی دیوی کی بھی تھی۔ یہ باتیں آس پاس کے علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیل رہی تھیں اور لوگ ان کا درشن کرنے کے لیے جگہ جگہ موجود تھے۔ دیوانئی کو دیکھتے ہی لوگ سجدے میں گر جاتے اور وہ لوگوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر انھیں آشیرواد دیتی۔

گملا نگر اب سامنے نظر آرہا تھا۔ دیوانئی نے دیکھا کہ یہ شہر دو ندیوں کے سنگم پر واقع

ہے اور دِل مَن کی طرح یہاں بھی حفاظت کے لیے شہر کے چاروں طرف دیوار تھی۔ ابھی سورج چمک رہا تھا۔ اس لیے انھیں شہر کے اندر جانے میں کوئی دقت نہ تھی۔ مہرشی کا خیال تھا کہ وہ شہر کے دیوایتن میں رات گذاریں گے اور دوسرے دن شہر میں رہنے کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش کی جائے گی۔

لیکن وہ اپنے خیال کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ جیسے ہی گومل ندی پار کر کے وہ پھاٹک کے قریب پہنچے، انھوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ نگر پالک کوشک نارا اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے ان کی آمد کے منتظر ہیں۔ نگر پالک کے پیچھے ان کے مہا کرتا اور کرتاؤں کی قطار تھی۔ پھر مہاجن اور دیگر جنوں کی بھیڑ تھی۔ جیسے ہی وہ پھاٹک کے پاس آئے نگر پالک نے بڑھ کر پہلے دیوانی پھر مہرشی کَرپا اور پھر سوریم کے گلے میں ہار پہنائے۔ ان کے قدموں کو چوم کر انھیں احترام دیا۔ پھر داسوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ مٹی کے قیمتی اور خوب صورت برتنوں میں ٹھنڈا پانی لے آئے۔ نگر پالک نے اپنے ہاتھوں سے تینوں کے پاؤں دھوئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ناگرکوں کو درشن دے کر ان کے ساتھ گڑھی میں پدھاریں۔

دیوانی اور مہرشی دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے اس سلسلے میں ایک دوسرے کی رائے جاننا چاہتے ہوں۔ کوشک نار نے دیکھا تو بولے۔ "آپ ایکانت میں پرامرش کرلیں، پھر مجھے بتائیں۔ ہم وہی کریں گے جو آپ لوگوں کی اِچھا ہوگی"۔

مہرشی اور دیوانی نے آپس میں بات کی۔ مہرشی کا خیال تھا دیوانی کو نگر پالک کی تجویز قبول کرلینی چاہیے اس لیے کہ اسے مدد کی ضرورت ہوگی۔ لیکن وہ خود کسی صورت نگر پالک کا مہمان بننے کو راضی نہ تھے کہ یہ ان کے اصولوں کے خلاف تھا۔ دیوانی کو مہرشی کی بات سمجھ میں آگئی اور اس نے یہ تجویز اس شرط پر قبول کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی کہ مہرشی وقتاً فوقتاً اس سے ملتے رہیں گیا اور اس سے پوچھے بغیر دِل مَن واپسی کا ارادہ نہیں کریں گے۔

دیوانی نے نگر پالک کوشک نار سے کہا "مہرشی اپنے نیموں سے لاچار ہیں پرنتو میں آپ کا آتتھیہ سویکار کرتی ہوں۔ مہرشی کے لیے نگر کے باہر سندھ پار تھوڑی سی زمین آشرم کی تعمیر کے لیے چاہیے جہاں وہ نشچنت ہو کر مہادیو کی آرادھنا اور رِدواؤں پر ادھین کا کام جاری رکھ سکیں"۔

دیوانی کا جواب سن کرنگر پالک خوش ہو گئے۔ انھوں کے فوراً اپنے داسوں کو حکم دیا کہ مہرشی کو جو جگہ پسند ہو وہ فوراً نہ صرف انھیں دے دی جائے بلکہ آشرم کی تعمیر میں بھی ان کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ اس کے بعد وہ داسیوں سے بولے کہ وہ دیوانی کو ساتھ لے جا کر انھیں گرھی کے اتتھی گرہ تک پہنچا دیں۔

نگر پالک کو شک نار نے ان کا خلاف توقع یہ استقبال یوں ہی نہیں کیا تھا۔ نہ اس کا سبب محض یہ تھا کہ دیوانی کی مسیحائی کے چرچے گُملا نگر تک پہنچ گئے تھے بلکہ اس کے پیچھے وہ راز تھا جو نگر پالک اور مہا پجاری کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

بات زیادہ پرانی نہیں تھی ابھی کچھ مہینے پہلے نگر میں ایک یوگی آیا تھا جو مہا پجاری کے پاس کچھ دن ٹھہرا تھا۔ باتوں باتوں میں مہا پجاری نے جب اسے یہ بتایا تھا کہ ان کے نگر پالک کو کوئی سنتان نہیں ہے تو فوراً بولا تھا کہ ان کے بھاگیہ میں سنتان ہے۔ اس نے کہا تھا کہ کچھ دنوں بعد ایک استری جو دیو پریا ہے ایک رشی کے ساتھ اس نگر میں آئے گی اور اس نگر کا بھاگیہ لکھے گی۔ نگر پالک کو سویم ان کا سواگت کرنا چاہئے کیوں کہ اسی کے آشیرواد سے نگر پالنی گربھ وتی ہوگی۔ اس کے بعد سے نگر پالک اس دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اور آج ان مہمانوں کو دیکھ کر وہ اپنی خوشی سنبھال نہیں پا رہے تھے۔ اب انھیں یوگی کی بھوشیہ وانی کے پورا ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔

(پانچ)

دیوانی اور مہرشی کر پا کو آپس میں بات کرتے دیکھ کر وہ نوجوان جوان کے ساتھ گھنڈئی سے آیا تھا عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شاید یہاں سے مہرشی اور دیوانی کے راستے الگ الگ ہو رہے ہیں۔ اس کی خواہش ہر لمحہ دیوانی کے سامنے رہنے کی تھی۔ اس کی سیوا کر کے اسے دلی مسرت کا احساس ہوتا تھا۔ اور تھوڑی دیر کے لیے بھی اگر وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو اس کا دل بے چین ہونے لگتا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دیوانی کے ساتھ اس کا رہنا اسی وقت تک ممکن ہے جب تک مہرشی ان کے ساتھ رہیں۔ یوں

کسی اجنبی کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی کا رہنا سماج کی نظر میں معیوب اور ناقابل قبول تھا۔ اسی لیے وہ بڑی بے چینی سے دونوں کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔

دونوں کی گفتگو ختم ہونے کے بعد دیوانی نے نگر پالک سے باتیں کی تھیں پھر وہ نگر پالک کی داسیوں کے ساتھ بغیر اس سے کچھ کہے چلی گئی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ وہ مہرشی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا جو سندھ پار وہاں جانے کا ارادہ کر رہے تھے جہاں انھیں آشرم بنا کر رہنا تھا۔ مہرشی شاید اس کے دل کی اتھل پتھل کو سمجھ رہے تھے۔ انھوں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو بادلِ ناخواستہ وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔

گھاٹ پر نگر پالک کی ناؤ تیار تھی۔ داسوں نے ان کا سامان ناؤ پر لاد دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو مہرشی اس نوجوان سے مخاطب ہوئے۔ ”میرے ساتھ چلنا شاید تمہیں اچھا نہیں لگا پُتر“۔

نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر گفتگو کا سلسلہ اسی رخ پر جاری رہا تو وہ ذرا دیر میں رو دے گا۔

”سماج کے اپنے نیم ہیں پُتر اور ہمیں ان کا دھیان رکھنا چاہئے“۔

مہرشی کے لہجے میں باپ جیسی شفقت تھی۔ ”اس سنسار میں سب کچھ ہمیشہ اس طرح نہیں ہوتا جیسا ہم چاہتے ہیں“۔

نوجوان نے ایک نظر مہرشی کو دیکھا جیسے وہ ان کی بات کی تائید کرنا چاہتا ہو لیکن زبان سے وہ کچھ نہیں بولا۔

”دیوانی بہت دکھی استری ہے پُتر“۔ مہرشی اپنے طور پر بولے جا رہے تھے۔ ”وہ گربھ وتی بھی ہے۔ اس سمے اسے کسی ابھنیہ متر کی اتی آوشیکتا ہے“۔

اگر وہ مجھے اپنا متر سمجھے تو یہ میرے لیے گرو کی بات ہوگی“۔ سوریم نے پہلی بار زبان کھولی۔ ”اور مجھے اس کے گربھ وتی ہونے سے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ مہا منی“۔

”تم پر یاس کرو۔ یدی سپھل ہوئے تو مجھے بھی پرسنتا ہوگی۔ پرنتو دھیان رکھنا کہ دیوی دیوانی سنسار سے دکھی ہے سنسار والوں نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ تم اس کا دکھ کم کر سکو تو ساتھ رہنا نہیں تو چپ چاپ اسے چھوڑ کر چلے جانا“۔

”میں آپ کی بات یاد رکھوں گا مہا منی“۔ نوجوان نے یقین دلایا۔ ”یدی آپ

برا نہ مانیں تو میں دیوانئی کے پتی کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں"۔

"دیوانئی دیو پریا ہے۔اس کے اس کا کوئی پتی نہیں ہے"۔

باتیں کرتے کرتے وہ دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ مہرشی نے آشرم کے لیے جو جگہ پسند کی تھی وہ دریائے گومل اور سندھ کے سنگم پر ایک پہاڑی پر تھی۔

سنتان پراپتی نرتیہ

(ایک)

پچھلی رات جب دوسرا اور تیسرا پہر گلے مل رہے تھے دیوانئی کے بیٹا پیدا ہوا تھا اور آج دوسرے دن ہی دیوانئی نے مہرشی کرپا کے مشورے سے اس کا نام سرال رکھا تھا۔ مہرشی نے کہا تھا کہ یہ بالک اس دھرتی کے لیے دیوتاؤں کا وردان ہے اس لیے اس کا نام سرال رکھا جانا چاہیے۔ جسے دیوانئی نے بلاحیل حجت قبول کرلیا تھا۔

نگر پالک کا مہمان بنے اسے لگ بھگ چھ مہینے ہو چکے تھے۔ اس بیچ یہاں معمولی معمولی ضروریات کا جس طرح خیال رکھا گیا تھا اس نے اس کے پرانے زخموں کی ٹیس کو بڑی حد تک کم کردیا تھا۔ اس بیچ گھنڈئی کے نوجوان سوریم نے بھی اس کی بڑی سیوا کی تھی۔ وہ روزانہ بلاناغہ صبح ہوتے ہی اس کے پاس آجاتا تھا اور سارا دن اس کے ساتھ رہ کر اس کی مدد کرتا تھا۔ اب اسے دِل مُن کی یاد بھی کم آتی تھی۔ نگر پالک نے کئی داسوں اور دائیوں کو اس کی خدمت پر مامور کر رکھا تھا لیکن اس آرام و آسائش نے دیوانئی کو ایک اور الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ نگر پالک کی اس مہربانی کا سبب نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ دوسری عورتوں کی طرح وہ بھی ایک عورت تھی جس میں کوئی نمایاں خصوصیت نہ تھی کہ کوئی اس کی طرف خصوصی توجہ دے۔ اس کا وہ حسن و جمال جس پر وہ خود بھی کبھی فخر کیا کرتی تھی اپنی تابناکی کھو رہا تھا۔ وہ سوچتی کیا نگر پالک کی خاطر مدارات کا سبب اس کا حاملہ ہونا ہے۔ پھر خود ہی کہتی نہیں بھلا اس میں کیا خاص بات ہوئی خود گملا نگر میں روز کئی عورتیں حاملہ ہوتی ہوں گی۔ اس نے مہرشی سے بھی تنہائی

میں اس کا سبب پوچھا تھا۔ انہوں نے بس اتنا کہا تھا کہ اس نگر کی روایت رہی ہے کہ عورتوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائے لیکن ان کے لہجے سے دیوانی نے اندازہ کیا تھا کہ جیسے وہ کوئی اہم بات اس سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس بات سے دیوانی کو الجھن ضرور تھی لیکن وہ کسی تشویش میں مبتلا نہیں تھی۔ اسی لیے اس مسئلے کو اس نے دوبارہ کسی کے سامنے نہیں چھیڑا تھا۔

اس بیچ نگر پالک کوشک نار تین بار اس کے پاس آئے تھے۔ دو بار ان کے ساتھ ان کی دونوں پتنیاں بھی تھیں۔ تینوں نے ہر ملاقات میں اس کے پاؤں کو بوسہ دیا تھا اور آنکھ بند کر کے کچھ اس طرح کھڑے رہے تھے جیسے کوئی دعا مانگ رہے ہوں۔ دیوانی کے ساتھ بہت کچھ ایسا پیش آرہا تھا جو عجیب تھا۔ اس لیے اس نے اپنے ذہن کو زحمت دینا چھوڑ دیا تھا۔ آخری بار جب نگر پالک آئے تھے تو ان کے ساتھ ایک بھوشیہ وکتا بھی تھا جس نے دیوانی سے کچھ سوالات کرنے کے بعد کچھ حساب کیا، کچھ دیر آنکھیں بند کر کے دھیان کرتا رہا پھر بولا۔ "دیوی کا پتر اس سنسار کے لیے دیوتاؤں کا وردان ہوگا۔ اس سے سنسار واسیوں کو بڑا لابھ ہوگا۔ اس کے بھاگیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کسی نگر پالک کا ودھ کر کے خود نگر پالک بنے گا۔ اس کے ہاتھوں مرنے والا اس کا باپ بھی ہوسکتا ہے۔ اس کے سمے میں ناگرک جن پرسن رہیں گے لیکن اس کے سگے سمبندھیوں کو اس سے سنتاپ رہے گا۔ اور مہامن، ایک بات کہنے کی تو میری ہمت ہی نہیں ہوتی"۔

"تم نڈر ہو کر وہ سب بتاؤ جو ہونے والے بالک کے بھاگیہ میں لکھا ہے"۔ کوشک نار نے کہا۔ "میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں"۔

"مہامن یہ بالک اپنے جیون کے انت سمے میں کوئی اکشمیہ پاپ کرے گا، جس سے دیوتا کرودھت ہو جائیں گے۔ دھرتی پر پرلے آجائے گی جو اس کے ساتھ سارے نگر کو سماپت کر دیگی"۔ بھوشیہ وکتا نے ڈرتے ڈرتے وہ آخری بات بھی بتا دی۔

اس کے بعد نگر پالک کبھی نہیں آئے تھے۔ لیکن ان کے نہ آنے کے باوجود اس کی ضروریات کی تکمیل کا سلسلہ حسب سابق جاری تھا۔ دیوانی نے بھی غور سے بھوشیہ وکتا کی باتیں سنی تھیں اور یہ سن کر خوش ہوئی تھی کہ اس کا پتر اپنے باپ کا قاتل ہوگا۔ یہی تو اس کی زندگی کا

مقصد ہے۔اور یہ بات اس کے علاوہ بھلا کون جان سکتا تھا کہ اس لڑکے کا باپ کون ہے۔اسے یہ سن کر تھوڑی سی پریشانی بھی تھی کہ آخری وقت میں حالات مختلف ہوں گے لیکن اپنے مقصد کی تکمیل کے بعد وہ ہر لمحہ سکون سے مرنے کو تیار تھی۔اس لیے اس پیشین گوئی سے وہ زیادہ فکرمند نہیں ہوئی۔

لیکن بھوشیہ کی باتیں سن کر نگر پالک کوشک نار متفکر ہو گئے تھے۔ان کے دل میں کئی خدشات سر ابھارنے لگے تھے۔

اپنے کمرے میں آکر انھوں نے مہاکرتا ان سالہ کو بلایا۔داس نے جا کر مہاکرتا کو اطلاع بھیجی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ نگر پالک کے سامنے تھا۔"مہامن پر دیوی کرپا ہو" ۔اس نے کوشک نار کو کھوئے ہوئے دیکھ کر اپنے آنے کی خبر دی۔

یہ نگر پالک کی انتہائی فکرمندی کا ثبوت تھا کہ انھیں مہاکرتا کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔وہ بولے۔"آؤ ان سالہ بیٹھو۔تم مہاکرتا کے ساتھ ساتھ میرے متر بھی ہو اس لیے میں اپنے جیون کے بارے میں تم سے کچھ پرامرش کرنا چاہتا ہوں"۔

"مجھے گرو ہے کہ مہامن مجھ پر وشواش کرتے ہیں"۔

نگر پالک کوشک نار نے من وعن وہ تمام باتیں ان سالہ کے سامنے دہرا دیں جو بھوشیہ وکتا نے دیوانی کے ہونے والے پتر کے بارے میں بتائی تھیں۔انہوں نے وکتا کی اس بات کی طرف مہاکرتا کو خصوصی طور پر متوجہ کیا کہ یہ بالک کسی نگر پالک کی ہتیا کرے گا اور ممکن ہے وہ نگر پالک اس کا پتا بھی ہو۔"اب میری پریشانی یہ ہے"۔کوشک نار نے کہا۔ "کہ میں نگر پالک بھی ہوں اور اس کی ماتا کو آشرے دینے کے کارن اس کا پتا بھی۔کہیں ایسا تو نہیں کہ بھوشیہ کا سنکیت میری ہی اور ہو"۔

"مہامن کسی کو آشرے دینے سے کوئی پتا نہیں بن جاتا۔اوشیہ ہی بھوشیہ وکتا کا اشارہ کسی اور طرف ہوگا۔پرنتو اس بات کا سمبندھ کُملا پالک کے جیون سے ہے اس لیے اسے یوں ہی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ہمیں اس بالک کی ماں اور باپ کے بارے میں پوری چھان بین کرنی چاہیے۔اس بیچ ان کو نہ تو کسی طرح کا کشٹ ہو اور نہ یہ شنکا کہ ہم لوگ گپت روپ سے ان کے بھید جاننا چاہتے ہیں۔میں اس چھان بین کا پورا پربندھ کر لوں گا آپ

سنتشٹ رہیں"۔

"مہا کرتا ان سالہ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی ہے کہ یوگی راج نے مجھے ان کے سواگت اور ستکار کا آدیش دیا تھا اور مہادیوا تین کے پجاری نے کہا تھا کہ دکش دشا سے آنے والی استری کے آشیرواد سے میرے بھاگیہ کا اُدے ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری اس چھان بین سے دیوی اپرسن ہوجائیں۔ اور ہم اور ہمارے ناگرک کسی وپتی میں پھنس جائیں"۔

"دیوی اپرسن نہیں ہوں گی۔ میں پریاس کروں گا کہ اس کی بھنک نہ مہرشی گرپا کو لگے اور نہ مہا پجاری کو۔ آپ نشچنت رہیں"۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ بالک ایک ہی سمے میں کلیان کاری اور وناش کاری دونوں کیسے ہوسکتا ہے"۔

(دو)

روز کی طرح آج بھی سوریم دیوانی کی سیوا میں موجود تھا۔ دیوانی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اجنبی نوجوان اس پر اتنا مہربان کیوں ہے۔ یا پھر وہ سمجھتے ہوئے اسے نہ سمجھنے کا ڈھونگ کر رہی تھی۔ شاید سچائی بھی یہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر ڈر جاتی تھی۔ ویسے وہ اس کا بڑا احترام کرتا تھا لیکن دیوانی محسوس کر رہی تھی کہ اس کے سامنے آتے ہی اس کا دل سوریم کی طرف لپکتا ہے۔ اس کے مزاج کی سختی یکسر ختم ہوجاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک نہایت کمزور عورت سمجھنے لگتی تھی جسے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت ہو۔ اسے ڈر تھا کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو یہ نوجوان اس کے مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن رہا تھا۔

وہ سوچتی تھی کہ مزاج میں یہ تبدیلی اچھی بات نہیں ہے۔ اگر وہ کسی مرد کے سامنے شکست تسلیم کرتی ہے تو اس کی زندگی کی ریاضت کا کیا ہوگا۔ کیا یہ کمزوری اس کے مقصد کا ساتھ دے سکتی تھی۔ اس کے اندر یہ کشمکش چلتی رہتی تھی۔ وہ اپنی کمزوری کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھی۔ وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھی جس میں عورت کی کمزوری اور مرد کی جیت کا اظہار ہو رہا ہو۔ البتہ اب وہ یہ قبول کر چکی تھی کہ سنسار کے سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔

آج پھر سوریم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ دیوانی سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ دیوانی بھی

اس کے دل میں اٹھنے والے طوفان سے واقف تھی اسی لیے وہ اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ لیکن آج سوریم نے بھی جیسے طے کر رکھا تھا کہ وہ اپنی بات کہے گا۔ وہ اچانک بولا۔" دیوانی، مجھ میں بھی دیوتاؤں کا انش ہے۔۔۔۔"

"سوریم" دیوانی گھبرا گئی۔ اور اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔" جو تم سوچ رہے ہو اور جو تم مجھ سے کہنے کے لیے بے چین ہو، میں جانتی ہوں۔ پرنتو ابھی میں اس پر وچار بھی کرنا نہیں چاہتی"۔ اس کی آواز کی لرزش سے اس کے دل کے درد کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"میں پرتیکشا کروں گا دیوی" سوریم بولا اور اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپاتے ہوئے افسردہ سا وہاں سے چلا گیا۔

(تین)

مہا کرتا ان سالہ نے اپنی چھان بین مکمل کر لی تھی۔ اس نے کوشک نار کو بتایا۔ دیوانی یہاں آنے کے پورو کچھ ماس مہرشی کرپا کے آشرم میں تھی اور اس سے پہلے وہ اپنے بھراتا کے ساتھ دل مَن میں رہتی تھی۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے تھے لیکن مہا پجاری نے دونوں کو وواہ کی انومتی نہیں دی۔ پتہ یہ بھی چلا کہ یہ استری کچھ دنوں تک ویشیاؤں کے محلے میں بھی رہی ہے۔ پھر کسی بات پر وہاں کے نگر پالک کشال نے اسے نگر سے باہر نکالنے کی سزا دی تھی۔ ہماری چھان بین سے یہ نشکرش نکلتا ہے کہ اس کا پُتر یا تو اس کے بھراتا کا ہے یا پھر کسی گراہک کا۔ اس کے باپ کا نگر پالک ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں کہ اس کا بھائی متھو نگر پالک کے باغیچے کا مالی تھا اور کوئی گراہک نگر پالک کیسے ہو سکتا ہے۔ دیوتاؤں کی پسند ناپسند بھی نرالی ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ یہ بالک بڑا ہو کر اپنے نگر پالک پتا کی ہتیا کرے گا تو بات کی ڈور اب بھی الجھی رہ جاتی ہے"۔

نگر پالک کوشک نار فکرمند ضرور تھے۔ لیکن ان کی فکر کا سبب مستقبل میں ابھی بہت دور تھا۔ وہ حال میں کچھ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے دیوتا ناراض ہو جائیں۔ اس لیے دیوانی کے پُتر ہونے کی خبر سن کر وہ بھی اسے دیکھنے گئے اور ایک بار پھر مہا پجاری سے مل کر اس بالک

کے بارے میں دیوتاؤں کی مرضی معلوم کی۔ مہا پجاری نے انھیں مشورہ دیا کہ اگر نگر پالک تین نگر دیوتاؤں کے داس داسیوں کو جمع کرکے ان کے نگن نرتیہ کا اہتمام کریں تو دیوتا پرسن ہوں گے اور اس طرح دیوانخی کا پَوِتر سمست سنسار کے لیے کلیان کاری سدھ ہوگا۔

نگر پالک کوشک نار کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ دِل مُن اور ہریوپیکا کے نگر پالکوں سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔ حالاں کہ عام طور پر نگر پالک اپنے دیوداسوں اور داسیوں کو نگر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا لیکن دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرکے کسی خاص سبب سے ایسا ممکن تھا۔ کوشک نار کو پورا یقین تھا کہ یہ کام وہ کرسکتے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ شاید اس نرتیہ پر ہی ان کی زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔

(چار)

رقص کا اہتمام گملا نگر کے قریب ایک پہاڑی پر کیا گیا تھا۔ اس پہاڑی کے اوپر زمین کی سطح برابر تھی۔ اوپر لکڑی کی چوکیوں کی مدد سے اتنا طویل و عریض منچ بنایا گیا تھا کہ کم از کم دس بارہ لوگ ایک ساتھ رقص کرسکتے تھے۔ منچ کے اوپر لکڑی کے چار ستونوں پر کپڑے کی چادر تان دی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف کھجور اور پیپل کے پتوں کو اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ دیکھنے میں بھلے معلوم ہوں۔ پہاڑی کی ڈھلان پر لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا جہاں سے وہ اس مقدس رقص کو دیکھ سکتے تھے۔ ایسے رقص عام نہیں تھے۔ آس پاس کی بستیوں میں اعلان کردیا گیا تھا کہ لوگ بڑی تعداد میں آئیں اور دیوتاؤں کی خوشی سے فائدہ اٹھائیں۔

نگر پالک خوش تھے کہ دونوں شہروں کے پالکوں نے ان کی درخواست قبول کرلی تھی۔ ہریوپیکا کے نگر پالک سلوتی نرسیا نے دو دیوداسوں اور دو دیوداسیوں کو بھیج دیا تھا۔ یہ نوجوان اور خوب صورت تھے اور فنِ رقص میں ماہر بھی۔ دِل مُن سے گملا نگر تک آمد و رفت کی وہ سہولتیں نہ تھیں جو ہریوپیکا سے تھیں شاید اسی لیے وہاں کے نگر پالک کشال نے صرف ایک حسین و جمیل دیوداسی بھیج کر اس مقدس رقص میں اپنی شمولیت درج کرادی تھی۔ خود مہا پجاری اور نگر پالک نے مل کر اپنے یہاں کے تین دیوداسوں اور دو دیوداسیوں کا انتخاب اس اجتماع میں شمولیت

کے لیے کیا تھا۔ اس طرح تین نگروں کے دیوتاؤں کے داس اور داسیوں کے پانچ جوڑے تیار تھے جو اس اجتماع میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔

عام طور پر یہ دیوداس اور دیوداسیاں مہادیوایتن کے بڑے کمرے میں ہی عریاں رقص کر کے مہادیو سے سنسار میں سلسلہ تخلیق جاری رکھنے کی دعائیں کیا کرتے تھے لیکن جب دیوتاؤں کا حکم ہوتا تو وہ اپنے فن کا مظاہرہ باہر بھی کیا کرتے تھے۔ دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرنے کے لیے مہادیوایتن کے مہا پجاری کی مدد لی جاتی تھی جو ایک خاص عمل کے ذریعہ سے دیوتاؤں سے ہم کلام ہو کر ان کی مرضی معلوم کر لیتا تھا۔ یہ کملا نگر کی واقعی خوش قسمتی تھی کہ بیک وقت تین شہروں کے دیوتاؤں نے اس رقص کے اہتمام کی تائید کی تھی۔

کملا کے مہا پجاری نے بہت غور و فکر کے بعد رقص کے لیے اترتے چاند کی دسویں رات منتخب کی تھی۔ اس رات میں چاند کی روشنی اتنی مدھم ہو جاتی ہے کہ رقاص کے فن کے مقابل اس کے اعضائے جسمانی کی طرف لوگوں کا دھیان کم جائے۔ حالانکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا کہ لوگ اس رقص کا ہر زاویے سے نظارہ کریں۔ دوران رقص فن کار سنتان پراپتی کے مختلف مراحل کا اظہار اپنے جسمانی حرکات اور آوازوں سے کرتے تھے جس سے شہوت کا پیدا ہونا فطری تھا۔ اسی لیے اس رقص میں شمولیت کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی جاتی تھی جو اپنی پتنیوں یا پریمکاؤں کو ساتھ لائیں۔ صرف ان لوگوں کو ہی اس رقص کو تنہا دیکھنے کی اجازت تھی جو کسی دیوایتن کے پجاری ہوں۔ دنیا ترک کر کے تاحیات برہمچاری رہنے کے عہد کے پابند ہوں یا پھر مہا پجاری نے انھیں خصوصی طور پر مدعو کیا ہو۔ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو اس اہتمام سے دور رکھا جاتا تھا۔

رقص کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ شہر کے معززین کو دعوت دی جا چکی تھی۔ دیوانی اور مہرشی کرپا خصوصی طور پر مدعو تھے اور ان کو عام ناگرکوں سے الگ بٹھایا گیا تھا۔ رات گہری ہو رہی تھی اور بس مہا پجاری کی اجازت سے رقص کا آغاز ہونا تھا۔ اسی وقت مہا پجاری نے نگر پالک کے پاس جا کر ان کے کان میں کچھ کہا۔ نگر پالک کے چہرے سے لگا کہ یکایک انھیں کوئی بہت ہی دل خوش کن خبر دی گئی ہے اور انھوں نے گردن کے اشارے سے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

رقص شروع کرنے سے پہلے مہا پجاری نے منچ پر آنے والے فنکاروں کا تعارف کروایا۔ انھیں دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ چاندنی میں ابھی اتنی قوت تھی کہ لوگ ان رقاصوں کے بدن پر خوب صورت لباس اور زیورات کی تزک بھڑک دیکھ سکتے تھے۔ تعارف مکمل ہونے کے بعد مہا پجاری نے نگر پالک کو اشارہ کیا اور وہ اپنی دونوں پتنیوں کے ساتھ منچ پر آئے۔ تینوں نے دیوداسوں اور دیوداسیوں کے پاؤں کو بوسہ دیا اور ان فنکاروں نے انھیں صاحب اولاد ہونے کی دعائیں دیں۔

نگر پالک کوشک نار آج بہت خوش تھے۔ مہا پجاری نے سرگوشی میں انھیں بتایا تھا کہ آنے والی چند راتوں میں ان کے بھاگیہ کا اُدے ہونے والا ہے اور یہ آیوجن دیوانئی کے پُتر کے نام پر دراصل ان کے لیے سنتان پراپتی کا سادھن بنے گا۔ دیوداسوں اور دیوداسیوں کے آشیرواد نے بھی ان کو خوشی سے ہمکنار کیا تھا۔

رقص شروع ہوا۔ اب چاندنی کی قوت برائے نام رہ گئی تھی اور منچ پر جو کچھ نظر آرہا تھا وہ چاند سے زیادہ تاروں کی روشنی کے سبب تھا۔ موسیقاروں نے اپنے اپنے ساز سنبھال لیے تھے۔ تارواد کے تار جھنجھنائے۔ بانسری کی مدھر تان اٹھی اور مردنگ کی تھاپ کے ساتھ ہی منچ پر دو ہیولے نظر آئے۔ دونوں مکمل طور پر عریاں تھے سلسلۂ تخلیق کا مکمل رقص پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس پہلے جوڑے کا رقص دلکش تھا۔ انھوں نے پہلے ایک دوسرے کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ مہادیو کی آرادھنا کی اور تارواد کی دھن اور مردنگ کی تھاپ پر کچھ اس انداز پر رقص شروع کیا کہ تخلیق انسانی کی ابتدا کا وہ اولین نقش لوگوں کے دلوں میں ثبت ہوتا گیا جسے محبت کہا جاتا ہے۔ گو رقص کے دوران دونوں فنکاروں کے جسم ایک دوسرے سے مس نہیں ہو رہے تھے پھر بھی ان کے حرکات و سکنات سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ فنکاروں کا یہ جوڑا ہریوپیکا سے تعلق رکھتا تھا اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بعد لوگوں کی تالیوں کے شور میں یہ دونوں پردے کے پیچھے چلے گئے اور لوگوں کے دلوں میں تجسس اور اشتیاق کی شمعیں روشن ہوگئیں۔

دوسرا جوڑا دلِ مَن کی نوخیز داسی اور گُملا کے دیوداس پر مبنی تھا۔ جنھوں نے اپنے رقص میں بوس و کنار کے مراحل نہایت فنکارانہ انداز میں طے کیے۔ تیسرا اور چوتھا جوڑا گُملا کے

فنکاروں سے ترتیب پایا تھا۔ انھوں نے سلسلہ تخلیق کے رقص کو آگے بڑھایا۔ خواب گاہ کی طرف جاتے ہوئے جب ان کا رقص ختم ہوا تو دیکھنے والوں کے منھ حیرت سے کھل گئے تھے۔ رقص کا پانچواں اور آخری مرحلہ ہریوپیکا کے فنکاروں نے پیش کیا تھا۔ یہ حصہ عریانیت اور تقدیس کا ایک عجیب سنگم تھا منچ پر رقاص ہم بستری کا عمل مختلف انداز میں دہرا رہے تھے اور کمال یہ تھا کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے سے چھو بھی نہیں رہے تھے۔ ان کے منھ سے نکلنے والی آوازوں نے لوگوں کے ہوش وحواس پر قبضہ کرلیا تھا۔ موسیقی کی ایک خاص لے ان کا ساتھ دے رہی تھی اور دیکھنے والے اب شہوت کے جس طوفان سے ہم کنار تھے وہ ان کی قوت برداشت اور انتہائے عقیدت کا امتحان تھا۔ نیچے کچھ جوڑے اپنی جگہیں بدل کر تاریکی کا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ رقص کا یہ آخری مرحلہ تھا۔ اس کے اختتام پر تمام فنکار ایک بار پھر منچ پر آئے اور اس کے ساتھ ہی ساز کی دھن خاموش ہوگئی۔ چونک کر لوگ اپنی جگہوں سے اٹھے اور اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل پڑے۔

(پانچ)

سفتان پر اپتی ترتیہ کا آیوجن ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ کچھ دن تک تو لوگ اس پر تبصرہ کرتے رہے۔ بزرگوں کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ شہر میں ایسے آیوجن ہوں لیکن نوجوانوں کا خیال ان سے بالکل مختلف تھا۔ ناگروں کو اس رقص کا اصل سبب معلوم ہی نہیں تھا۔ اس لیے چہ میگوئیوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ لوگوں کی توجہ رقص کی تقدیس کی طرف کم اور شہوت انگیزی کی طرف زیادہ تھی۔ چند لوگ اس کی تقدیس میں ایسے ڈوبے کہ دن رات دیوی پوجا میں مصروف اور دنیا سے بیزار ہوگئے۔ دو تین مہینے بعد لوگوں کو گفتگو کے لیے دوسرے موضوعات مل گئے اور رفتہ رفتہ یہ واقعہ ایک خوشگوار یاد رہ گیا۔

دیوانی کا بیٹا ئسرال اب ایک سال کا ہوگیا تھا۔ یہ بچہ پالک کی آنکھوں کا تارا تھا۔ فرصت کا سارا وقت وہ اس کے ساتھ کھیلنے میں صرف کرتے تھے لیکن جب کبھی یہ خیال ذہن میں آتا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر ان کی ہتیا کرے گا تو وہ سہم جاتے۔ دیوانی کو نگر پالک کے دل

میں سر ابھارتے طوفان کی خبر نہیں تھی ۔ وہ تو بس یہ دیکھ کر خوش ہوتی رہتی تھی کہ نگر پالک اس کے بیٹے سے بے حد محبت کرتے ہیں ۔ ان کی دونوں پتنیاں بھی اپنا زیادہ وقت اس بچے کے ساتھ گذار کر خوش ہوتی تھیں ۔ شاید اسی وجہ سے ان کی گڑھی کے تمام داس اور داسیاں بھی اس پر جان چھڑکتے تھے ۔ دیوانی ان کے اس سلوک پر دیوتاؤں کی شکرگزار تھی ورنہ سرال کی پرورش اس کے لئے واقعی مسئلہ بن جاتی اور پھر اس کی زندگی اتنی آسان نہ رہتی ۔

رقص کے بعد نگر پالک کو شک نار کے مجموعی رویے میں تبدیلی آئی تھی ۔ نرم دل تو وہ پہلے سے ہی تھے لیکن اب وہ اپنے خلوص کا اظہار پہلے سے زیادہ کرنے لگے تھے ۔ رقص کے دو ماہ بعد ہی انھیں یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ نگر پالنی کروتی حاملہ ہے ۔ اس میں کس کس کی دعائیں شامل تھیں اس سے بھی وہ واقف تھے ۔

اس دن رقص کے بعد پجاری نے انھیں گھر واپس جانے سے روک دیا تھا اور درخواست کی تھی کہ وہ اگلی دو راتیں مہا دیوایتن میں گزاریں ۔ بات کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن مہا پجاری کی ہر بات مان لینا جیسے اب ان کی مجبوری بن گئی تھی ۔ دیوایتن میں ان کی دونوں پتنیوں کے لئے الگ الگ کمرے سجائے گئے تھے ۔ دونوں میں ایک ایک دیوداس تھا جو نگر پالک کی ہر خدمت کو تیار تھے یہ دیوداس مہا پجاری کا انتخاب تھے اور صرف لنگوٹ پہنے ہوئے تھے ۔ دونوں نوجوان تھے اور مردانہ حسن کی اعلیٰ مثال بھی ۔ مہا پجاری نے انھیں حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر لمحہ اس کمرے میں موجود رہیں جہاں ان کو مامور کیا گیا ہے ۔ اگر نگر پالک ان کو باہر جانے کا حکم بھی دیں تو بتا دیں کہ مہا پجاری کا حکم ہے کہ ہم لوگ یہاں سے نہ ہٹیں ۔

مہا پجاری نے دیوانی اور مہرشی کرپا کے لئے بھی دیوایتن میں ٹھہرنے کا معقول انتظام کیا تھا ۔ ان ساری کارروائیوں سے مہرشی شاید واقف تھے اس لئے ان کے چہرے پر تجسس کی جگہ اطمینان وسکون تھا ۔ البتہ دیوانی بے چین تھی ۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا ۔ اسے رات کا رقص بھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن وہ چپ تھی ۔ رات ہونے سے پہلے نگر پالک اور نگر پالنی سیتی دیوانی کے پاس آئے ۔ مہا پجاری اور مہرشی کرپا بھی ان کے ساتھ تھے ۔ نگر پالک اور نگر پالنی نے اس کے پیروں پر سر رکھا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے ۔ دیوانی یہ سب دیکھ کر بھی خاموش رہی ۔ دوسری بار یہی عمل جب نگر پالنی کروتی کے ساتھ دہرایا گیا تو لاشعوری طور پر دیوانی کا ہاتھ

اٹھا اور وہ بولی۔ "دیوتا تمھاری منو کامنا پورن کریں"۔ دیوانی کو خود سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ الفاظ اس کی زبان سے کیسے نکلے۔ اسے لگا جیسے کسی طاقت نے اس کی زبان کو استعمال کرلیا ہے۔ سب لوگ اس آشیرواد پر خوش تھے۔

اور اب تو نگر پالک کو اپنی خواہش کی تکمیل میں کوئی شبہ ہی نہیں رہ گیا تھا۔ کروتی کا جسم اب خود اس کی گواہی دے رہا تھا۔ اب انھیں اس دن کا بڑی بے صبری سے انتظار تھا جب انھیں یہ خبر سنائی جائے گی کہ ان کے گھر پتر پیدا ہوا ہے۔ لیکن یہ خبر سننے کیلئے انھیں ابھی تین مہینے اور انتظار کرنا تھا۔

(چھ)

نگر پالک خوش تھے تو سارا شہر ان کی خوشیوں میں شریک تھا۔ دیوانی بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس بات سے خوش تھی کہ اس کے محسن کے یہاں بچہ ہونے والا ہے۔ اس نے تصور میں سرال اور اس کے بچے کے ساتھ ساتھ کھیلتے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ دل کے کسی گوشہ میں وہ خود کو ہونے والے بچے کی ماں سمجھے ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ اس کی حماقت ہے کیوں کہ جس خوش نصیب بچے کے ماں اور باپ دونوں زندہ ہوں تو کوئی اور عورت بھلا اس کی ماں کیسے ہو سکتی تھی۔ شاید اس کا احساس اس بچے کے وجود میں آنے کے لئے اپنے آپ کو بھی ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔

اسے اپنے مزاج میں ایک اور تبدیلی بھی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بارہا اس بات کو محسوس کیا تھا کہ جب تک سوریم اس کے پاس رہتا ہے اسے بہت اچھا لگتا ہے اور اگر کبھی دن اس کے لئے آشرم سے آنا ممکن نہ ہوتا تو اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ سوریم ہر لمحہ اس کے سامنے رہے۔ وہ اسے پیار کرے اور اس کی ہر خواہش پر اپنے آپ کو قربان کر دے۔ لیکن جب سوریم سامنے ہوتا تو وہ اس سے بے اعتنائی برتتی۔ وہ اس کے پیار سے ڈرنے لگی تھی۔ اس کے اندر ایک مسلسل جنگ جاری تھی۔ محبت کے تقاضے کچھ اور تھے۔ فرض کے کچھ اور۔ ایک کی تکمیل خود بخود دوسرے سے دست برداری کا اعلان تھی۔

دوسری طرف سوریم نے ایک موقعے پر کھلے عام اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر دیوانی نے انکار کیا تو وہ آتم ہتیا کر لے گا۔ یہ سن کر دیوانی گھبرا گئی تھی۔ اس نے نرمی سے سوریم کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ابھی کوئی فیصلہ کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ابھی اس کے لئے اپنے فرض کی تکمیل زیادہ ضروری ہے اشاروں کنایوں میں اس نے سوریم کو یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ اسے بھی اس سے محبت ہے اور سوریم نے کہا تھا کہ وہ ساری زندگی دیوانی کے فیصلے کا انتظار کر سکتا ہے۔

ادھر نگر پالک کے کرتاؤں نے اس کے حکم پر اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ پورے شہر میں شب رقص کے بعد حاملہ ہونے والی عورتوں کی تعداد کیا ہے اور وہ کہاں کہاں ہیں کیونکہ مہا پجاری کے مطابق نہ صرف ان تمام عورتوں کے آرام کا خیال رکھنا نگر پالک کی ذمہ داری تھی بلکہ ان کے یہاں ہونے والے بچوں کی پرورش کا مناسب و معقول انتظام کرنا بھی نگر پالک کے فرائض میں شامل تھا۔ کرتاؤں نے شہر میں سو سے زیادہ ایسی عورتوں کی تلاش کر لی تھی اور نگر پالک نے ان کی نگہداشت کے لئے معقول انتظام کر دیا تھا۔ حسب ضرورت انھیں نقد رقم بھی فراہم کر دی گئی تھی اور جنہیں مددگاروں کی ضرورت تھی انھیں ان کی خواہش کے مطابق سیوک بھی دے دئے گئے تھے۔

نگر پالک اس خوش انتظامی سے مطمئن تھے۔ شہر کے لوگ انھیں اپنا بھر پور تعاون دے رہے تھے ان کے دل کی خوشی دیوانی سے بھی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ نگر پالک گھر آنے کے بعد بالکل بچوں کی طرح خوش ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی سبب تھا کہ ان کا وقت سرال کے ساتھ زیادہ گذرنے لگا تھا۔

خوشی کے اس ماحول میں ایک صبح مہرشی کرپا دیوانی سے ملنے آئے۔ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ دیوانی ان کا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئی۔ سرال اس کے پاس ہی لیٹا سو رہا تھا۔ مہرشی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات کا آغاز کریں۔ بالآخر وہ بولے۔ ''دیوی، سکھ شانتی اور نش چنتتا کا سمے سماپت ہو چکا ہے۔ ہوسکتا ہے شیگھر ہی ہمیں یہ نگر چھوڑ دینا پڑے''۔

یہ سن کر دیوانی کے ہوش اڑ گئے۔ اسے اپنے سپنوں کا سنسار بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ

استنے دنوں میں آرام وآسائش کی عادی ہو چکی تھی۔اب جنگل میں رہنے یا سفر کرنے کا تصور ہی
اس کے لیے اذیت ناک تھا۔اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ آخر ایسی کیا بات
ہوگئی کہ ان کے لئے یہ شہر چھوڑنا ضروری ہوگیا۔شہر کا ماحول خوشیوں میں غرق تھا اور ایسے میں شہر
چھوڑنے کی بات اس کی سمجھ سے پرے تھی۔ بالآخر اپنے دل میں اٹھتے طوفان کو مناسب
الفاظ دیتے ہوئے وہ بولی۔"مہرشی سہسا کیا گھٹت ہوگیا کہ آپ اس وچار تک پہنچے"۔

"انرتھ ہوگیا دیوی۔تم اور سرال یہاں سرکشت نہیں ہو مہرشی نے ادھر ادھر دیکھتے
ہوے راز داری سے کہا۔"کوشک نار تمھارا شبھ چنتک نہیں شترو ہے۔دورن میں جانے کا یہ
اچت استھان نہیں ہے۔تم کل تک کسی سمے نگر پالک سے انومتی لے کر میرے آشرم میں
آجاؤ۔وہیں سب کچھ بتاؤں گا۔آتے سمے یہ دھیان رکھنا کہ اگر ہمیں شیگھر یاترا کرنی پڑے
تو کرسکیں"۔

دیوانی یہ سب سن کر پریشان ہوگئی۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس محسن نے اس کی چھوٹی سے
چھوٹی ضرورت کا خیال رکھا ہو۔جس کو سرال کے ساتھ وقت گزارے بغیر چین نہ آتا ہو وہ ہمارا
دشمن ہو۔لیکن مہرشی جھوٹ تو نہیں بول سکتے۔نہ وہ احمق ہیں کہ بس یوں ہی ترنگ میں آکر یہ فیصلہ
کرلیا ہو۔اسے یقین تھا کہ ان کے فیصلے کے پیچھے کوئی ٹھوس بنیاد ضرور ہوگی۔

مہرشی کرپا جلد ہی اٹھے اور باہر نکل گئے۔اب ان کی بے چینی میں کچھ کمی کے آثار
تھے۔شاید اب وہ مطمئن تھے کہ دیوانی ان کی بات مان لے گی اور وہ اسے خطرے سے باہر
نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اسی شام جب کوشک نار سرال کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا تو دیوانی نے اس
سے کہا۔"مہامن میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔میں چاہتی ہو کہ مہرشی کرپا کے آشرم ہو آؤں"۔

"تو اس میں چنتا کی کیا بات ہے دیوی۔داسوں کو آدیش دیجئے۔وہ سب دیو ستھا
کردیں گے اس بیچ ہم سرال کے ساتھ کھیلیں گے"۔

"نہیں سرال میرے ساتھ جائے گا۔" دیوانی اپنے لہجے کی تلخی پر خود ہی حیران اور
شرمندہ تھی۔نگر پالک اسے دیکھ کر بس مسکرائے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

دیوانی نے جلدی جلدی تیاری کی۔وہ تمام ضروری سامان اپنے ساتھ لے جانا چاہتی

تھی۔ کہ اب یہاں واپس آنا شاید ہی ممکن ہو۔ اس نے داسوں کو حکم دے دیا تھا کہ مہرشی کے آشرم تک جانے کا انتظام کیا جائے اور داسوں نے اسے مطلع کیا تھا کہ ایک بیل گاڑی ندی تک کے لئے اور دوسری اس پار تیار ہے۔ سندھ ندی کو پار کرنے کے لئے ایک خصوصی کشتی بھی آراستہ کی جا چکی ہے۔ بس اس کے حکم کی دیر ہے۔ دیوانی تیار ہو کر باہر نکلی تو داسوں کے سر پر کافی سامان تھا۔ کوشک نار نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا اور حیران تھے کہ اتنا سامان لے کر وہ آشرم کیوں جا رہی ہے۔ لیکن انہوں نے زیادہ دھیان نہیں دیا کہ ممکن ہے دیوانی مہرشی کی سیوا کے لئے یہ سامان لے جا رہی ہو۔

کشتی سے اترتے وقت دیوانی بڑی مضمحل تھی۔ مہرشی کا فیصلہ اب بھی اس کی فہم سے بالا تر تھا۔ وہ اب بھی اس پر عمل کے لئے خود کو آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔ لیکن مہرشی کی بات کو رد کرنا اس کے بس کے باہر کی بات تھی۔ داسوں نے اس کا سامان بیل گاڑی پر رکھ دیا تھا اور گاڑی آشرم کی طرف روانہ ہو چکی تھی لیکن دیوانی کو جیسے ان باتوں کا احساس ہی نہ ہو۔ وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اور اس کی پریشان خیالی کا عکس اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہا تھا۔

ادھر اپنے آشرم میں مہرشی بھی بے چین تھے۔ وہ بیلوں کے گلے میں بندھے گھنگھروؤں کی آواز سے چونکے۔ باہر نکل کر دیکھا تو بیل گاڑی سے دیوانی اتر رہی تھی۔ وہ دیوانی کے منتظر تھے لیکن اس کے آنے کی امید وہ آج نہیں کل کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر انھوں نے سوچا کہ چلو یہ اچھا ہوا کہ اس نے کوشک نار سے آج ہی اجازت لے لی۔ آگے بڑھ کر انہوں نے دیوانی کو سہارا دے کر نیچے اتارا۔ سوریم بھی لپکا اور سرال کو اپنی گود میں لے لیا۔ سامان اتارتے داسوں کو وہیں چھوڑ کر وہ کٹیا میں آ گئے۔ سرال کو سوریم نے سنبھال لیا جو اس نئی دنیا کو دیکھ کر حیران تھا۔ باہر نکل کر دونوں کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ تاکہ مہرشی اطمینان سے اپنی بات کر سکیں۔ دیوانی اپنے تجسس کے زیر اثر بغیر وقت گنوائے مہرشی سے مخاطب ہوئی ”آپ نے یہ نیا پرستاو رکھ کر میرے ہردے میں جو طوفان کھڑا کر دیا ہے اس کے بعد میں کل تک پرتیکشا نہیں کر سکتی تھی اس لئے میں نے مہامن سے پہلی ہی بھینٹ میں یہاں آنے کی انومتی لے لی۔ آپ کے آدیش کے انوسار میں پوری طرح تیار ہو کر آئی ہوں کہ سمجھو ہے اب سکھ سودھا کے اس سنسار میں

پلٹنا اسمبھو نہ ہو۔"

"دیوی میں جانتا ہوں کہ میرے نہ رہنے سے تم دکھی ہو۔ پرنتو میں جو باتیں ابھی تمہیں بتانے والا ہوں اس کے بعد تم بھی وہی کہوگی جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم ان داسوں کو واپس جانے کے لئے کہہ دو۔ دن ڈوبنے سے پہلے یہ لوگ کملانگر پہونچ جائیں گے تو اچھا رہے گا۔ راستہ دروہ ہے۔ اندھکار میں سانپ بچھو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پھر ہم ایکانت میں چین سے باتیں کریں گے۔ کیونکہ اس سنسان جگہ میں کسی کے دوارا ہماری باتیں سنے جانے کا بھے بھی نہیں ہوگا"۔

دیوانی نے باہر نکل کر داسوں سے کہا کہ وہ لوگ دن رہتے لوٹ جائیں، وہ رات آشرم میں ہی گزارے گی۔ داسوں نے سر جھکایا اور گاڑی لے کر روانہ ہو گئے۔ دیوانی اندر آئی۔ سرال اور سوریم اب بھی کھیل میں مصروف تھے۔

"وہ تو بڑا اچھا ہوا کہ میں نے آشرم کے لئے ندی پار کی زمین چنی تھی ورنہ آج ہمارے لئے رات کے وقت چپ چاپ ندی پار کر کے جانا اسمبھو ہو جاتا"۔ مہرشی نے یہ کہتے ہوئے بڑی دیر کے بعد اطمینان کی سانس لی۔

"مہرشی میں ابھی تک اس رہسیہ کو نہیں سلجھا پائی ہوں کہ میرا جیون داتا اچانک میرا شترو کیوں بن گیا"۔ دیوانی نے سب سے پہلے اپنے دل کی الجھن دور کرنے کی کوشش کی اور بڑے تجسس سے مہرشی کی طرف دیکھنے لگی۔

مہرشی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے آواز دی۔ مسر اب۔ تم باہر آسکتے ہو"۔

کٹیا کی عقبی دیوار کے پیچھے سے ایک مسکراتا ہوا چہرہ برآمد ہوا جسے دیکھ کر دیوانی حیران رہ گئی۔"ارے مسر تم یہاں کہاں؟"

"گروجی کے آدیش پالن کے لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔" مسر نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے دیوانی سے کہا۔"میں دو دن پہلے یہاں آیا پرنتو پورا ایک دن گروجی کا ٹھکانہ ڈھونڈھنے میں لگ گیا اور کل ہی یہاں پہنچا ہوں"۔

مہرشی نے مسر کو قریب ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دیوانی سے بولے۔"مجھے واستو میں سندیہہ اسی دن ہو گیا تھا جب میں نے سنا تھا کہ کسی بھوشیہ وکتا نے سرال کے بارے میں بتایا

ہے کہ یہ بڑا ہو کر کسی نگر پالک کی ہتیا کرے گا۔ پرنتو اس کے بعد جب میں نے کوشک نار کے چہرے پر شانتی دیکھی تو اپنے آپ کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ کوشک نار سرال کا باپ تو ہے نہیں۔ کنتو اس کے لالن پالن کا کرتویہ نبھانے کے کارن اس نے سویم کو اس کا باپ سمجھ لیا اور یہ بھی وشواس کر لیا کہ سرال اس کی ہتیا کرے گا۔ میرے اس سندیہہ کو بل اس سمے ملا جب مسر نے آ کر دل من کی خبر دی۔ یہ دل من میں آرام سے آشرم کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ ایک دن ایک ویکتی آیا اور تمہارے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے لگا اس کے بعد مسر نے نگر میں بھی کئی استھانوں پر سنا کہ دیوانی اور اس کے پریوار جنوں کے بارے میں جانکاری ایکتر کی جا رہی ہے۔ مسر کو آشچریہ ہوا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو اس نے اس بات پر اپنا دھیان کیندرت کیا۔ کداچت تمہیں پتہ نہیں ہے کہ متھو کے سیوا مکت کیے جانے کے بعد نگر پالک کشال کے باغیچے کی دیکھ بھال کا کام اسے ہی ملا ہے۔ اس نے وہاں کے سیوکوں سے پوچھ تاچھ کی تو پتہ چلا کہ گملا نگر کے نگر پالک کا ایک دوت کشال کے پاس آیا تھا اور اپنے پالک کی طرف سے دیوداس اور دیوداسیاں بھیجنے کی بنتی کی تھی۔ اس کی بات سن کر کشال نے کہا تھا کہ ہمارے دو اپرادھی کوشک نار کے نگر میں ہیں۔ یدی وہ ہمیں واپس لوٹا دیے جائیں تو وہ اپنے یہاں سے ایک دیوداسی بھیج سکتا ہے۔ گیات ہوا کہ نگر پالک کوشک نار نے اس شرط کو مان لیا تھا۔ اور اس کے بعد ہی کشال نے نرتیہ سماروہ کے لیے ایک دیوداسی بھیجی تھی۔ کوشک نار نے کشال سے کیول اتنا کہا کہ ان کے گھر سنتان ہونے والی ہے اور ایسے سمے میں وہ کسی کا شاپ لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے یہ کام وہ سنتان کے پیدا ہونے کے بعد کرے گا۔ کوشک نار اس پرکار دو الجھنوں سے بچ رہا ہے ایک تو یہ کہ وہ اپنے ہونے والے تیارے کو مارنے کے پاپ سے بچ جائے گا۔ دوسرے اس کا یہ کام کشال سرلتا سے پورن کر دے گا۔ یہ سب جاننے کے بعد میں نہیں چاہتا کہ تم اور تمہارا پتر ایک پل بھی یہاں رہے''۔

''اب کیا ہوگا مہرشی''۔ دیوانی نے بڑی بیچارگی سے پوچھا۔ ''ہمارے لئے تو جیسے یہ دھرتی ہی سمٹ گئی ہے۔ کوسوں دور آنے کے بعد بھی ہم یدی اسرکشت ہیں تو ایسا کون استھان ہو سکتا ہے جہاں ہمیں سرکشا ملے گی''۔

''میں نے وچار کر لیا ہے دیوی''۔ مہرشی نے مشکل آسان کرنے کی کوشش کی۔

"یہاں سے کچھ دوری پر ایک گاؤں ہے جس کا نام منڈو ہے ہم وہاں چلیں گے۔ میں نے تین گدھوں کا بھی پربندھ کر رکھا ہے اور آج رات ہی ہم پرستھان کر دیتے ہیں۔ پہلے میرا وچار تھا کہ مَسر بھی ہمارے ساتھ چلے پرنتو اس نے بتایا کہ دل من سے اس کی دیرگھ انوپستھتی آشنکا کو جنم دے گی اس لئے میں نے اسے واپس جانے کی انومتی دے دی ہے۔ البتہ سوریم ہمارے ساتھ چلنے کو پوری طرح تیار ہے"۔

معتوب بستی

(ایک)

منڈوشاہراہ عام سے ہٹ کر دریائے چناب اور جہلم کے سنگم پر واقع ایک گاؤں تھا اور عام طور پر لوگوں کی آمدورفت اس طرف نہیں رہتی تھی۔ یہاں کے رہنے والے لوگ اس علاقے کے قدیم باشندے تھے جنہیں مٹی کی محبت نے کہیں اور جانے سے روک رکھا تھا ورنہ یہ علاقہ دور دور تک بدنام تھا کہ اس خطۂ زمین سے دیوتاؤں کا غضب وابستہ ہے۔ دیوتاؤں نے مختصر وقفے میں دوبار اس بستی کو سیلاب کی نذر کر کے مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ سیلاب سے پہلے یہ گاؤں ایک عظیم شہر تھا لیکن بڑی تعداد میں لوگوں کے مرجانے اور دیوتاؤں کے خوف سے نئے لوگوں کے ادھر رخ نہ کرنے سے اب یہ ایک معمولی گاؤں تھا۔ جہاں پختہ مکانات بالکل نہیں تھے۔ لوگ مٹی اور گھاس کی مدد سے تیار جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ اپنی ضرورت کے مطابق گیہوں، جو، چاول اور تل خود اگاتے تھے کہ زمین یہاں کی واقعی زرخیز تھی۔ پینے کا پانی دونوں دریا فراہم کر دیتے تھے۔ یہاں کی آب وہوا خوش گوار اور قدرتی مناظر دلکش تھے۔ دیوانی کو جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ مہرشی نے مستقل سکونت کے لئے اس معتوب وادی کا انتخاب کیوں کیا ہے۔

سرال اب سمجھ دار تھا۔ اس کی عمر بارہ سال ہو چکی تھی اور یہاں اس کی پرورش میں کسی طرح کا رخنہ نہیں پڑا تھا۔ اسے اپنی موجودہ حالت کا بھرپور احساس تھا۔ مہرشی نے ایسے زاویے سے دیوانی کی سابقہ زندگی کے بیشتر حقائق اس کے گوش گزار کر دیے تھے کہ اس کے دل میں اپنی

ماں کے لئے ہمدردی اور احترام کے جذبات ابھرے تھے۔ مہرشی اس کا بہت خیال رکھتے تھے اور جب جب وقت ملتا اسے سنسار میں عورتوں کی بدحالی اور مردوں کی بالادستی کے قصے سناتے اور اس پر زور دیتے کہ اس رویے میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ زمانہ بڑی بے چینی سے ایسے مرد آہن کا منتظر ہے جو ایک انقلاب برپا کر سکے۔ یہ انقلاب خارجی سے زیادہ داخلی اور ظاہری سے زیادہ باطنی ہو، تاکہ لوگوں کے مزاج بدلیں اور عورتوں کو بھی ان کے جائز حقوق حاصل ہوں۔ دبی زبان میں وہ اس امکان کو بھی دہراتے رہتے کہ اس مرد آہن کی ساری خوبیاں سرال میں موجود ہیں اور شاید دیوتاؤں نے اسے پیدا ہی اسی مقصد سے کیا ہے کہ وہ بدنظمی، ناانصافی اور کبر و نخوت کے مزاج کو بدل کر عالم انسانیت کی فلاح کا راستہ نکالے۔

(دو)

''ماتا سرال نے ہم کو مارا ہے''۔ ایک دس سالہ بچی روتے ہوئے دیوانئی سے سرال کی شکایت کرنے آئی تھی اور سرال سہما ہوا ایک طرف کھڑا تھا۔

''نہیں ماتا یہ جھوٹ بول رہی ہے''۔ سرال نے اپنے دفاع میں جھوٹ کا سہارا لینے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی ماں کا چہرہ غصے سے تمتما گیا ہے۔

''سرال یہ جھوٹ نہیں کہہ رہی ہے''۔ دیوانئی نے کہا اور نہایت پیار سے اس بچی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''پتری تم جاؤ میں سرال کو سمجھا دوں گی۔ اب وہ تم کو کبھی نہیں مارے گا''۔

اس لڑکی کے جانے کے بعد دیوانئی نے سہمے ہوئے سرال کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ ''پتر مہادیو نے تمہیں پرش بنایا ہے، تم شکتی شالی ہو۔ کسی استری کے پاس اتنی شکتی نہیں ہوتی، وہ ابلا ہوتی ہے۔ اگر کوئی پرش استری کے سمکش شکتی پردرشن کرتا ہے تو یہ شکتی کا درپیوگ ہے۔ اس سے مہادیو کرودھت ہو سکتے ہیں۔ پرش کی شکتی استری کی سرکشا کے لئے ہے۔ تم پرن کرو کہ آج کے بعد تم اپنی شکتی کا اپیوگ کسی استری کے وِردھ نہیں کرو گے''۔

سرال نے دیوانئی کی بات کو دھیان سے سنا۔ اسے دکھ تھا کہ اس نے ذرا سے جوش میں آ کر اپنی ماں کا دل دکھا دیا ہے۔ مہرشی نے اسے بتایا کہ اس کی ماں پہلے سے ہی بہت دکھی

ہے۔ وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں شما پراتھی ہوں ماتا۔ آج میں تمہارے سمکش بچن دیتا ہوں کہ آج کے بعد میں استری کے وِرُدھ شکتی کا اپیوگ کبھی نہیں کروں گا''۔

دیوانی نے خوش ہو کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اسے گلے سے لگا لیا۔

(تین)

اس دن سوریم پھر اشانت تھا۔

دیوانی کے سامنے شادی کی تجویز وہ پہلے بھی کئی بار رکھ چکا تھا۔ لیکن ہر بار دیوانی کسی نہ کسی بہانے اسے ٹال جاتی تھی۔ اسے انتظار کرتے کرتے کئی برس ہو چکے تھے۔ وہ اس انتظار سے اکتایا نہیں تھا لیکن اب اس کا یہ وشواس نراشا میں بدل رہا تھا کہ دیوانی اس سے شادی کے لئے سنجیدہ ہے۔ اسی لئے اس نے طے کیا تھا کہ وہ دیوانی سے صاف صاف ہاں یا نہیں میں جواب مانگے گا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب مہرشی معمول کے مطابق باہر چلے گئے تھے تو اس نے دیوانی سے اپنے دل کی بات پھر کہی۔ ''دیوی دیوانی تم خود سوچو کہ تم میرے ساتھ انیائے کر رہی ہو یا نہیں؟''

''سوریم مجھے اس میں کوئی شنکا نہیں ہے کہ میں تم سے پریم کرنے لگی ہوں اور اب تمہارے بنا میرا جیون ادھورا سا لگتا ہے۔ پرنتو میری اپنی کچھ وِوشتائیں ہیں۔ میں آج تمہیں اس کے بارے میں کھل کر بتاتی ہوں کیوں کہ تم میرے لئے وشوسنیہ ہو۔ میں اپنے جیون کے بارے میں اس سمے تک کچھ نہیں سوچ سکتی ہوں جب تک دل مَن پالک سے اپنے گھور اپمان کا پرتی شودھ نہیں لے لوں گی۔''

''اس کا ارتھ یہ ہوا کہ یدی تم کشال سے پرتی شودھ میں سپھل نہیں ہوئیں تو یہ وواہ نہیں ہوگا۔''

''ہاں''

''اور کشال سے پرتی شودھ کے لئے کوئی سمے سیما نردھارت نہیں ہے۔ اس لئے

اس ووداہ کی سمبھاونا بھی نہیں ہے۔"

"تم چاہو تو ایسا سمجھ سکتے ہو" ۔ دیوانی کے لہجے میں چڑاچڑاپن آ گیا تھا۔ اسے سوریم کا اس طرح بات کرنا توہین آمیز لگ رہا تھا۔

"دھنیہ واد دیوی۔" سوریم نے کہا۔ "تم نے آج کھلے شبدوں میں بات کر کے میرے سنکلپ کا مارگ پرشست کر دیا ہے۔ میں اسے بھی تمہاری کرپا سمجھتا ہوں۔ دھنیہ واد"۔

یہ کہہ کر سوریم افسردہ چہرے کے ساتھ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کا جی بہت چاہا تھا کہ وہ سوریم سے لپٹ جائے اور اس کی خواہش پوری کر دے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکی۔ شاید وہ اس کے دل میں مچلتے طوفان کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکی تھی۔ البتہ اسے افسردہ دیکھ کر وہ خود بھی دکھی ہو گئی تھی۔

دوسری صبح جب وہ دریائے جہلم میں نہانے گئی تھی تو وہاں لوگوں کی بھیڑ جمع تھی۔ دیوانی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہاں سب لوگ کیوں جمع ہیں۔ اس کا تجس اسے وہاں لے گیا تھا اور یہ دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی کہ ندی کے کنارے سوریم کی لاش رکھی تھی جسے گاؤں والوں نے کچھ دیر پہلے ہی ندی سے نکالا تھا۔ سوریم نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

اور آج کئی مہینے گذر جانے کے بعد بھی دیوانی کو اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دل میں جس خلا کے پیدا ہونے سے ڈرا کرتی تھی وہ پیدا ہو چکا ہے۔

(چار)

مہرشی کو اس بات کا احساس تھا کہ جب سُرال انسانیت کی رہنمائی کرنے کے لائق ہوگا تو شاید وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ بڑھاپے کا اثر ان کے اعصاب پر پڑنے لگا تھا اور وہ اکثر بیمار رہنے لگے تھے۔ انھیں یہ فکر بھی تھی کہ سُرال کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کیسے ممکن ہو گی۔ ان کی خواہش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو سکے سُرال کو ہریوپیکا کے کسی گروکل میں بھیج دیا جائے۔ یہ شہر علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مروجہ علوم کے علاوہ یہاں آلات حرب و ضرب کے استعمال کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ حالانکہ اس خطہ زمین کے کسی بھی شہر میں مدتوں سے اس فن کی ضرورت

نہیں پڑی تھی ۔ پھر بھی مہرشی کو احساس تھا کہ آنے والے وقت میں سرال کو اس فن کی کتنی شدید ضرورت پڑنے والی ہے ۔اس وقت بھی وہ بیمار تھے اور اپنی جھونپڑی میں لیٹے سرال کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے ۔ان کا جی چاہا کہ وہ دیوانی کو بلا کر مشورہ کریں تا کہ ان کی غیر موجودگی میں دیوانی کی زندگیکا مقصد ادھورا نہ رہ جائے ۔ انھوں نے آواز دی ۔

''دیوی۔۔۔۔۔''

''مہرشی''۔دیوانی نے قریب آکر کہا۔''آج آپ بہت چنتت دکھائی دے رہے ہیں کیا کوئی خاص بات ہے''۔

''دیوی میں سرال کی شکشا دیکشا کے لئے چنتت ہوں ۔تم تو جانتی ہی ہو کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں یہ سمبھو نہیں ۔میرے جیون کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جیتے جی سرال کی شکشا کا ایسا پربندھ کر جاؤں کہ وہ بڑا ہو کر ہمارے سپنوں کو ساکار کر سکے''۔

''دیوتا کرے آپ دیرگھ آیو ہوں ۔ایسی اشبھ اور نراشا جنک باتیں آپ کو شوبھا نہیں دیتیں پرنتو سرال کی شکشا میری بھی چنتا کا وشے ہے ۔کیا آپ کے مستشک میں کوئی بات آئی ہے''۔

''ہاں دیوی ۔ہریوپیکا کے ایک گروکل کے آچاریہ آڈوی میرے پریچت ہیں ۔میں چاہتا ہوں کہ سرال کو وہاں بھیج دیا جائے ۔اس کی عمر اب اتنی ہو گئی ہے کہ اسے اچ شکشا دلائی جائے ۔میں رگن ہوں اس لئے یہ کاریہ تمہیں کرنا ہوگا میں ایک چرم پتر لکھ دونگا جس سے وہاں کے سمست کاریہ تمہارے لئے سَرل ہو جائیں گے''۔

''پرنتو اس استھتی میں آپ کو اکیلے چھوڑنا۔۔۔۔''۔

''میری چنتا نہ کرو۔میں نے مسر اور پاریا کو یہاں بلوا لیا ہے ۔کل تک وہ آ بھی جائیں گے تم تیاری کرو۔مسر تمہارے ساتھ جائے گا کیونکہ اسے اس اوبڑکھابڑ راستے کا اچھا گیان ہے اور پاریا میری دیکھ بھال کرے گا''۔

''پرنتو مہرشی ۔کیا سرال کو اکیلا چھوڑنا اُچت ہے؟ وہ ابھی بالک ہے ۔اپنے سب کام کیسے کرے گا؟'' دیوانی کے لہجے سے اس کی تشویش جھلک رہی تھی۔

''ماں کی درشٹی میں بالک کی الپ آیو کی کوئی سیما نہیں ہوتی۔چالیس سال بعد بھی وہ

اس کی درشٹی میں بالک ہی رہتا ہے۔ وہاں اس سے الپ آیو کے بالک ہیں جو اپنا سارا کام سویم کر لیتے ہیں اس لئے تمہیں اس کی چنتا نہیں کرنی چاہیئے۔ تمہیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ سرال کوئی سادھارن بالک نہیں ۔ دیوتاؤں کا وردان ہے۔ دیو پُتر ہے، اس لئے اس کو شکشت کرنا تمہارا داتو ہے۔"

دیوانئی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ شاید اسے اچانک کچھ بچھڑے ہوئے پریہ جن یاد آ گئے تھے۔ ویسے بھی سوریم کے مرنے کے بعد وہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی تھی۔ وہ اپنی ذمہ داری اور فرض سے بخوبی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ زندگی میں عظیم مقصد کے حصول میں قربانی کتنی ضروری ہے۔ اسے یہ قربانی دینی ہی ہوگی۔ اس نے آنسو پونچھے۔ اپنے آپ پر قابو حاصل کیا اور بڑے اعتماد سے بولی۔" آپ ٹھیک کہتے ہیں مہرشی، سرال ہریو پیکا جائے گا۔"

(پانچ)

فکر مند گملا پالک کوشک نار بھی تھے۔ دس برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور وہ اب تک اپنے دوست کشال سے کیا گیا وعدہ پورا نہیں کر پائے تھے۔ دیوانئی اور مہرشی کرپا کو پتہ نہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا کہ انکے سیوکوں اور ویروں کی کھوج کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ سرال کے مستقبل کے بارے میں جب کوشک نار نے کشال کو بتایا تھا تو وہ ان سے بھی زیادہ فکر مند ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سرال کس کی اولاد ہے لیکن یہ بات اس نے کوشک نار کو نہیں بتائی تھی۔ اب دونوں ہی سرال کی تلاش کو اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھ رہے تھے۔

لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ جو ممکن تھا وہ ہو رہا تھا لیکن اس کے علاوہ انہیں کوئی سراغ نہیں ملا تھا کہ گملا نگر سے فرار کے دن مہرشی کرپا کے آشرم کے پاس ایک اجنبی نوجوان دیکھا گیا تھا۔

دیوانئی کے فرار ہونے کے کچھ مہینے بعد ان کی پتنی کروتی کو سنتان ہوئی تھی۔ لیکن یہ سن کر انہیں بڑا صدمہ ہوا تھا کہ وہ لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ کوشک نار کو لڑکیوں سے نفرت نہیں تھی۔ ان

کے شہر میں عورتوں کو جو مرتبہ اور اہمیت حاصل تھی وہ آس پاس کے کسی دوسرے شہر سے بہت بہتر تھی۔ لیکن انھیں تو اس وقت لڑکے کی ضرورت تھی جو ان کے بعد گملا پالک کی ذمہ داری سنبھال سکے اور ان کا نام زندہ رہے۔ رہ رہ کے ایک خیال ان کے ذہن میں آرہا تھا کہ وہ اپنی پُتری تارکی کو ہی اپنا وارث قرار دیں۔ لیکن عورتوں کے لیے لاکھ احترام کے باوجود انھیں ڈر تھا کہ ان کے ناگرک اس کو قبول نہیں کر پائیں گے اور کوئی دوسرا راستہ ان کو سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

اور یہ واحد پریشانی نہیں تھی جس سے وہ متفکر ہوں۔ پچھلے دو برسوں سے وہ دیوتاؤں کی خفگی کا عذاب بھگت رہے تھے۔ بارش بالکل نہیں ہوئی تھی فصلیں تباہ ہورہی تھیں۔ ندی کا پانی کم ہوگیا تھا اور سارے شہر کے لوگ اس آسمانی عتاب سے پریشان تھے۔ نگر پالک نے اپنے محفوظ بھنڈار کھول دیئے تھے لیکن یہ کب تک چل سکتے تھے۔ دوسری طرف کشال کی ایفائے وعدہ کی یاد دہانی دل پر برچھی کی طرح لگتی تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ کشال کو معلوم ہے کہ میں نے سرال کی تلاش میں کوتاہی نہیں برتی تو اسے اب اس طرح اصرار کر کے مجھے پریشان نہیں کرنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنے دوست سے کشال کو یہ پیغام بھجوادیا تھا کہ وہ دیوانئی اور سرُال کو ڈھونڈھنے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آئندہ اس مسئلے پر ان سے اصرار نہ کیا جاے۔ یہ پیغام سن کر کشال کو کوشک نار کی بدعہدی پر ایسا غصہ آیا کہ اس نے ان کے دوست کو جسمانی ایذادی اور بھوکا پیاسا یہ کہہ کر لوٹادیا کہ آج کے بعد سے ہم دونوں کے راستے الگ الگ ہیں۔ یہ خبر کوشک نار کے لئے پریشان کن نہ تھی کہ اب وہ کم از کم بار بار کی یاد دہانی کی اذیت سے محفوظ تھے اور کشال کی دشمنی سے انھیں کوئی خاص فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

ان کی پریشانی کا ایک سبب مہا پجاری کا یہ کہنا تھا کہ شہر کے موجودہ اکال کا سبب دیوی دیوانئی کے بارے میں مہامن کی بدگمانی ہے۔ اس کا تو یہ بھی کہنا تھا کہ کروتی کے گربھ میں پہلے پُتر ہی تھا لیکن جب دیوتا خفا ہو گئے تو اسے پُتری بنادیا۔ مہا پجاری اس پر مصر تھے کہ کسی بھی طرح مہرشی گرپا، دیوانئی اور سرُال کی تلاش کی جائے وہی اس شہر کو اکال کے عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں۔

جب وہ گڑھی کے اندر اپنے کمرے میں ہوتے تو اکثر ان کی دونوں پتنیاں بھی اس

بات پر اصرار کرتیں کہ دیوانی کو تلاش کر کے ان سب کو نہایت احترام کے ساتھ یہاں بلا لیا جائے۔ان کے آنے سے خود بخود ان کی بہت سی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔

دل مُن سے واپس آنے والے دوت کی زبانی آج وہ کشال کا ردعمل سن کر جب اپنے کمرے میں گئے تو داسی نے انھیں بتایا کہ نگر پالنی سیتی اپنے کمرے میں کچھ آوشیک پرامرش کے لئے ان کی پرتیکشا کر رہی ہیں۔ وہاں پہنچے تو انھیں لگا کہ اس کمرے میں وہ برسوں بعد آئے ہیں۔انہوں نے محسوس کیا کہ شہر کی ویرانی کا اثر سیتی کے کمرے پر بھی پڑا ہے کچھ اور غور کیا تو انھیں یہ محسوس ہوا کہ سیتی کا کمرہ ہی نہیں بلکہ ساری گڑھی ہی وہ نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ یہ سوچ کر وہ کچھ مغموم ہو گئے۔

''مہامن۔ میں نگر کی وپتیوں کے بارے میں آپ سے کچھ پرامرش کرنا چاہتی ہوں۔'' سیتی نے کہا تو کوشک نار اپنے خیالات سے چونکے اور اس کی بات توجہ سے سننے لگے۔''مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس اس وپتی کو دور کرنے کا اپائے ہے۔''

''اچھا''۔کوشک نار نے بے یقینی اور طنز کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''ہاں مہامن۔ رات مہادیوی نے مجھے سپنے میں درشن دئے اور آدیش دیا کہ میں آپ کو تیار کروں کہ آپ مہرشی کرپا کی کھوج بند نہ کریں''۔کوشک نار نے مہادیوی کا حکم سنا تو سیتی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔اسی وقت نگر پالنی کروتی بھی کمرے میں داخل ہوئی تو کوشک نار نے اُسے بھی بلا لیا اور بیٹھ جانے کو کہا۔

سیتی نے کہا۔''مہادیوی نے مجھے یہ شبھ سماچار دیا ہے کہ اس نگر کی ساری وپتیاں سماپت ہونے والی ہیں۔آپ دِل مُن پالک سے اپنا پیچھا چھڑا لیں۔وہ پاپی ہے۔اور دھرم نشٹھا سے دیوی دیوانی، مہرشی کرپا اور دیو پُتر سرال کی کھوج کریں۔اب شیگھر ہی ان کا پتہ چل جائے گا۔''

''مہامن یہ کتنی وچتر بات ہے''۔کروتی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔''میں بھی اسی سمسیا پر آپ سے بات چیت کرنے آئی تھی۔رات میں نے ماتر دیوی کو سپنے میں دیکھا۔وہ کہہ رہی تھی کہ مہامن کوشک نار کو جلد ہی اپنا اُترادھیکاری ملنے والا ہے''۔

''کروتی تم کیا کہہ رہی ہو۔''کوشک نار نے حیرت اور بے یقینی سے کہا۔لیکن نہ

جانے کیوں انھیں ان دونوں کی ایک ایک بات پر یقین آرہا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ دیوتاؤں کی خنگی کا وقت گزر چکا ہے۔ انھیں یہ بھی سمجھ میں آچکا تھا کہ دیوتاؤں کی خنگی کی اصل وجہ کشال تھی۔ وہ بولے۔ ''ہمارے ویر اب بھی مہرشی کے کھوج میں لگے ہیں۔ یہ کام بند نہیں کیا گیا ہے۔ دوت نے کل اطلاع دی تھی کہ آج کل ان کی کھوج کا کیندر چناب اور جہلم ندیوں کی بیچ کی دھرتی ہے یدیپی یہ دھرتی دیوتاؤں کی کوپ بھاجن ہے پھر بھی میں نے آدیش دیا ہے کہ کھوج کا کاریہ استھگت نہ کیا جائے''۔

ابھی کوشک نار کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بادلوں کے گرجنے کی آواز سنائی دی۔ تینوں ہی تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکلے اور دیکھا کہ آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ان کے چہروں پر حیرت اور مسرت کے ملے جلے تاثرات کی جھلک نمودار ہوئی۔ اسی بیچ نگر پالنی سیتی بولی۔ ''مہامن کوشک نار کو بدھائی ہو۔ مہادیوی پرسن ہوئی۔ اور میرا دل کہتا ہے کہ آپ کے ویروں نے مہرشی اور دیوانی کو ڈھونڈھ لیا ہے''۔

(چھ)

''ناگرک ایک پل رکو''۔ ویروں کے لباس میں ایک شخص نے مَسر کو سُہا کا ندی سے پانی لیتے دیکھ کر آواز دی۔ انھیں دیکھ کر مَسر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ کیونکہ آواز دینے والا تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ اسی جیسے کچھ اور ویر بھی تھے''۔

قریب آکر جب انہوں نے مَسر کو دیکھا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ کیونکہ یہ وہی اجنبی تھا جسے کبھی برس پہلے مہرشی کرپا کے آشرم میں دیکھا گیا تھا۔ انہوں نے مَسر کو گھیرے میں لے لیا تو وہ گھبرا گیا۔ اسے اپنی فکر نہیں تھی۔ دیوانی اور سُرال قریب ہی ایک پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اس لئے گھبرا رہا تھا کہ اگر ویروں نے دیکھ لیا تو انہیں بھی پکڑ لیا جائے گا اور وہ ہریوپیکا نہیں پہنچ سکیں گے۔ جو بس ایک دن کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اس نے پل بھر کے اندر یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اب نہ تو وہ خود ان کے پاس جائے گا اور نہ ویروں میں سے کسی کو اس طرف جانے دے گا چاہے اس کام میں اسے اپنی جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے۔

''تم کون ہو ناگرک ہم سے بچے دو''۔ ایک ویر درشت لہجے میں بولا۔

مَسر نے نہایت نرمی اور متانت سے جواب دیا۔ "میرا نام مَسر ہے میں مہرشی کرپا کا ششیہ اور سیوک ہوں"۔

"مہرشی کرپا کہاں ہیں؟"

"وہ جہلم ندی کے کنارے کی بستی منڈو میں ہیں اور بیمار ہیں۔ میں ان کے لئے کچھ جڑی بوٹیوں کی کھوج میں یہاں سہا گڑھی تک آیا تھا"۔

"اب تمہیں ہمارے ساتھ منڈو واپس چلنا ہوگا ناگرک"۔

"پرنتو۔"

"پرنتو کنتو کچھ نہیں، یہ مہامن کوشک نار کا آدیش ہے۔ یدی تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہمیں شکتی کا اُپیوگ کرنا ہوگا"۔

"تو ٹھیک ہے چلو"

مَسر کو ساتھ لے کر ویروں کا یہ دستہ واپس منڈو کے راستے پر چل پڑا۔ وہ جان بوجھ کر اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا جدھر دیوانئی اور سَرال تھے کہ کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے۔ چلتے ہوئے اس کی رفتار بھی تیز تھی کہ وہ جلد از جلد اتنی دور نکل جانا چاہتا تھا کہ دیوانئی اور سَرال کی گرفتاری کا خطرہ ٹل جائے۔

(سات)

جب ضرورت سے زیادہ دیر ہوئی اور مَسر پانی لے کر واپس نہیں لوٹا تو دیوانئی کو تشویش ہوئی اس نے چند قدم آگے بڑھ کر ندی کی طرف دیکھا۔ اس کی سانس جہاں تھی وہیں رک گئی۔ مَسر کو کچھ ویر گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ ان کے بدن پر گملانگر کے ویروں کا لباس تھا۔ دیوانئی کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ مَسر گرفتار ہو چکا ہے۔ اسے اپنی اور سَرال کی فکر ہوئی۔ وہ جلدی سے واپس آئی اور سَرال سے بولی۔ "ترنت اپنا سارا سامان اٹھاؤ اور گھنے جنگل میں گھس پڑو۔ کہیں ویروں کی درشٹی ہم پر پڑ گئی تو ہمیں بھی بندی بنا لیا جائے گا"۔

سَرال ہڑبڑا کر اٹھا۔ دونوں نے سامان سمیٹا اور قریب ہی گھنی جھاڑیوں میں گھس

گئے۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے ہی انہوں نے دیکھا کہ مسر ویروں کے ساتھ واپس اسی راستے پر چل پڑا ہے جدھر سے وہ لوگ ابھی آئے تھے۔ ان کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد دیوانی نے اس نئی اور غیر متوقع صورت حال پر غور کیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ چرم پتر جو مہرشی نے گروکل کے آچاریہ آڈوی کے نام لکھا تھا مسر کے سامان میں موجود ہے۔ اب ہریوپیا پہنچ کر یہ سارا کام اسے خود انجام دینا تھا۔ البتہ اب اسے یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ اس کے واپس ہونے تک یہ لوگ مہرشی کو گرفتار کر کے گملانگر لے جا چکے ہوں گے۔ لیکن اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ وہ مہرشی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ ان کا مقصد تو سُرال کو ختم کرنا ہے۔ اور سُرال اب بھی محفوظ ہے۔

تھوڑی دیر بعد سورج غروب ہو گیا۔ اس نے سُرال کی مدد سے کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کیں اور انھیں جلایا ویسے مسر نے اس جگہ رکتے ہوئے کہا تھا کہ یہ جگہ نہایت محفوظ ہے۔ یہاں خطرناک جنگلی جانور بالکل نہیں ہیں۔ ان کے پاس کھانے کا سامان تھا جسے دونوں نے مل کر تیار کیا اور کھانے بعد وہیں کپڑا بچھا کر لیٹ گئے۔ سُرال کا کہنا تھا کہ دیوانی سو جائے اور وہ تمام رات جاگ کر پہرا دے گا۔ اسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ مسر کے جانے کے بعد اپنی ماں کا خیال رکھنا اب تنہا اس کی ذمہ داری ہے۔ دیوانی نے بھی اس کی بات مان لی۔ وہ تھکی ہوئی بھی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے سوچا کہ اب سُرال بھی کچھ دیر آرام کر لے تاکہ صبح سفر کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ وہ جانتی تھی کہ اگلی شام وہ ہریوپیا پہنچ جائیں گے۔

دوسری شام وہ ہریوپیا پہنچ گئے۔ اسی شام وہ سُرال کو لے کر گروکل گئی اور آچاریہ آڈوی سے مل کر مہرشی کرپا کا چرم پتر دیا۔ انہوں نے دونوں کو بڑی محبت اور خلوص سے اپنے کمرے میں بٹھایا۔ پانی اور پھلوں سے ان کی تواضع کی۔ پھر سُرال کو گروکل کے منتظمین کے پاس لے گئے اور بغیر کسی دشواری کے سُرال کو وہاں داخل کر لیا گیا۔ دیوانی سُرال کی طرف سے بے فکر ہوئی تو اسے مہرشی کا خیال پریشان کرنے لگا۔ اس نے طے کیا کہ وہ اگلے ہفتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔ آچاریہ آڈوی سے وہ درخواست کرے گی کہ سفر کے لئے کسی سیوک کا بندوبست کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو وہ تنہا ہی چل پڑے گی۔

(آٹھ)

جب سے سوریم نے خودکشی کرلی تھی۔ دیوانی کو اپنی زندگی بے معنی اور وبال جان معلوم ہونے لگی تھی۔ اسے یہ احساس گناہ مارے ڈالتا تھا کہ سوریم کی محبت کو ٹھکرا کر اس نے ہی اسے خودکشی پر مجبور کیا ہے۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ ایک معمولی مقصد کے لئے زندگی کے سنہرے لمحوں کو اس طرح قربان کردینا حماقت ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن میں مقصد کی اہمیت غالب آجاتی اور وہ اپنے آپ کو سمجھانے لگتی۔ سوریم کی موت کے لئے وہ کسی بھی طرح اپنے آپ کو معاف نہیں کرپارہی تھی۔

سوریم کے مرجانے کا غم اس کی زندگی میں ایک اور طرح سے اثر انداز ہورہا تھا۔ اب وہ سُرال پر پہلے سے زیادہ توجہ صرف کرنے لگی تھی۔ اسے اپنے مقصد سے اور زیادہ لگاؤ ہوگیا تھا۔ شاید یہ فطری ہی تھا۔ سوریم کی قربانی کے بعد اب یہ مقصد پہلے سے زیادہ قیمتی ہوگیا تھا۔ اب اس کی زندگی میں مقصد کے سوا اور رہ ہی کیا گیا تھا۔

ایسے اوقات میں اسے اپنا بھائی بھی یاد آتا اور لاشعوری طور پر وہ سوریم اور متھو کا موازنہ کرنے لگتی۔ نتیجہ حیرت انگیز نکلتا۔ کئی معاملات میں ان دونوں میں بڑی مماثلت تھی۔ وہ دونوں سے پریم کرتی تھی۔ دونوں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور دونوں نے ہی اس کے لئے اپنی جانیں قربان کردی تھیں۔

جب جب اسے اپنے عزیزوں کا غم ستاتا تو کشال کا ابھی تک زندہ رہنا اس کے لئے عذاب جان ہوجاتا۔ اب کشال کو جلد ہی مرجانا چاہئے۔ وہ سوچتی۔ کشال کی موت کے بعد وہ خود بھی مرجانا چاہتی تھی جس دنیا میں متھو نہ ہو، جس دنیا میں سوریم نہ ہو وہ دنیا بھلا اس کے رہنے لائق کیسے ہوسکتی تھی۔

تارکی

(ایک)

ہریوپیکا میں آج دیوانئی کا پانچواں دن تھا۔

صبح کے وقت وہ باہر نکلی تھی کہ اس کی نظر مہرشی کے ششیہ پاریا پر پڑی جو شاید اُسے ہی تلاش کر رہا تھا۔ دیوانئی بجلی کی سی تیزی سے اس کی طرف لپکی اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ ابھی وہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ دیوانئی نے پوچھا۔ ''پاریا۔ مہرشی کیسے ہیں۔ اور کہاں ہیں؟''

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے دیوی''۔ پاریا نے اطمینان سے جواب دیا۔ گملا پالک کے دیر مہرشی کی کھوج میں تھے۔ مَسر کی مدد سے وہ منڈو تک پہنچ گئے۔ ان کا آشے برا نہیں تھا۔ انہوں نے بتایا کہ مہامن کو شک نار کا خیال اب بدل چکا ہے۔ کشال سے اب ان کا کوئی سمبندھ نہیں رہا۔ وہ گملانگر کے اکال سے چنتت ہیں اور اسی لئے مہرشی کی کھوج میں تھے۔ کیونکہ مہا پجاری کا کہنا تھا کہ یہ اکال ان کے چرنوں کی کرپا سے ہی دور ہو سکتا ہے مہرشی روگی ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ چلے گئے ہیں اور مجھے آدیش دے گئے ہیں کہ میں آپ سے مل کر سماچار دے دوں۔ انھوں نے کہا ہے کہ سَرال کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ وہاں پہنچ کر وہ وستوا ستھتی کا سماچار دیں گے مسر کو اسی لیے وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ میرے لئے یہ آدیش بھی ہے کہ میں آپ کو سَرکشت منڈو پہنچا دوں اور اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں جب تک کوئی دوسرا آدیش نہ ملے''۔

یہ باتیں سن کر دیوانئی کو بڑا اطمینان ہوا۔اب وہ خود کو چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ بولی "تم آج رات وشرام کرلو۔ ہم کل ہی یہاں سے منڈو کے لئے چل پڑیں گے۔ سُرال کے لئے اب چنتا کی کوئی بات نہیں ہے وہ پوری طرح سرکشت ہے۔"

"جیسی دیوی کی اچھا" ۔پاریا نے کہا۔"ویسے گروجی کا کہنا تھا کہ اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے"۔

(دو)

مہرشی کرپا کے قدموں کی برکت تھی کہ گُملا نگر میں ان کے پہنچتے ہی بارش کا سلسلہ جاری ہوگیا۔خوب موسلا دھار پانی گرا۔سوکھی ہوئی ندیاں ابل پڑیں اور تالابوں کی رونق لوٹ آئی ۔ایک بار پھر گُملا کی ویرانی ہریالی میں بدل گئی ۔نگر پالک اور ناگرک دونوں خوش تھے ۔کوشک نار شرمندہ تھے کہ انھوں نے مہرشی کے لیے اپنے دل میں بدگمانی کو راہ دی ۔انھوں نے واضح الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی طلب کی جسے مہرشی نے صدق دل سے قبول کیا۔جب نگر پالک نے ان سے دیوانئی اور سُرال کے بارے میں پوچھا تو وہ ٹال گئے ۔انھوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ وہ جہاں پر بھی ہیں خوش ہیں ۔نگر پالک کو اصرار کی ہمت اس لیے نہیں ہوئی کہ انھوں نے خود اپنے کرموں سے اپنا کردار مشکوک بنایا تھا۔مہرشی کی احتیاط فطری تھی ۔البتہ نگر پالک نے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ دیوی دیوانئی سے بھی معافی مانگنا چاہتے ہیں اور سُرال کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا انتظام اپنے اخراجات پر کرنے کے متمنی ہیں ۔مہرشی نے ان کی اس پیش کش کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

نگر پالک نے مہادیوی کی پرسنتا پر اظہار تشکر کے لیے ایک جشن کا اہتمام کیا تھا جس میں ناگرکوں نے طرح طرح کے رقص اور نغمے پیش کیے ۔مہرشی کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر نقش ہو چکا تھا اور وہ اپنے محسن کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھے ۔البتہ خود نگر پالک کوشک نار مہرشی کی خاموشی سے فکر مند تھے ۔وہ اپنی زبان کا استعمال کم کرتے تھے ۔اس کا یہ مطلب نکلتا تھا کہ مہرشی نے ان کی غلطیوں کو معاف نہیں کیا ہے۔

نگر کی فلاح کے مسئلے پر مہا پجاری ،نگر پالک ،مہا کرتا اور مہرشی کرپا کے درمیان ایک

طویل بات چیت ہوئی۔ گفتگو کے دوران کشال کی حکمت عملی پر مہا پجاری نے تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ مہامن کوشک نار کس طرح اس راکشش کے چنگل میں آگئے تھے اور کس طرح اس کی شیطانی چالوں سے نجات ملی۔ انھوں نے نگر پالک کی جانب سے اس بات کی ضمانت دی کہ دیوانی اور سُرال کا مستقبل گملا نگر میں محفوظ ہے۔ اور اب انھیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مہرشی کا دل صاف تھا۔ انھوں نے صرف اتنا کہا کہ دیوی دیوانی منڈو میں ہے اور وہ اسے بلانے کے لیے مسَر کو بھیج رہے ہیں یہ سن کر نگر پالک کا تردد دور ہو گیا لیکن سُرال کے بارے میں مہرشی نے اب بھی زبان نہیں کھولی تھی۔

ادھر نگر پالک کوشک نار کی بیٹی تارکی جوانی کی سرحد میں قدم رکھ رہی تھی اور انھیں اس کے لیے ایک لڑکے کی تلاش تھی جو ہوش مند ہو، ویر ہو اور تارکی کے شایان شان ہو۔ دل کے کسی گوشے میں انھوں نے اس کے لیے سُرال کا انتخاب کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے سیتی اور کروتی سے بھی مشورہ کیا تھا اور دونوں نے اس رشتے پر صرف آمادگی ہی نہیں اپنی انتہائی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ کوشک نار نے ابھی اس کا ذکر اور کسی سے نہیں کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دیوی دیوانی کے آنے کے بعد وہ مہا پجاری کے ذریعہ یہ بات ان سے کہیں گے اور ان کا ارادہ معلوم کریں گے ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنے گناہوں کا کفارہ بھی ادا کر سکیں گے۔

دیوانی کے گملا نگر آنے پر اس کا شایان شان استقبال ہوا۔ ناگروں نے اس کی راہوں میں پھول بچھائے اور اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ دیوانی خوش تھی کہ وہ اس دنیا میں ایک بار پھر آگئی جہاں اسے اپنے محسن کی سرپرستی حاصل تھی۔ اب دل میں کسی طرح کا کوئی ملال باقی نہیں بچا تھا۔

حالات سازگار تھے، دیوانی خوش تھی۔ یہ سب دیکھ کر نگر پالک نے اپنی دلی خواہش پر عمل کا ارادہ کیا۔ وہ مہا پجاری سے ملنے گئے اور ان سے بولے۔ ”اگر پتری کا وواہ سُرال سے ہو تو کیسا رہے گا“؟

”شبھ ہی شبھ ہے مہامن“ پجاری خوش ہو کر بولا۔ ”اور اگر یہ سمبھو ہوا تو نگر پالنی کروتی کا وہ سپنا بھی ساکار ہو جائے گا جس میں ماتری دیوی نے کہا تھا کہ اس نگر کو ایک اترادھیکاری ملنے

والا ہے"۔

نگر پالک چونکے ۔جب کروتی نے اپنا خواب بیان کیا تھا تو انھوں نے اسے اتنا اہم نہیں سمجھا تھا لیکن یہ بھی تو ایک زاویہ تھا جس کی طرف مہا پجاری اشارہ کر رہے تھے ۔انھوں نے مہا پجاری سے درخواست کی کہ وہ دیوی دیوانی سے دیو پُتر کے لیے بات کریں۔

رشتہ طے ہونے میں کوئی دشواری نہیں آئی ۔دیوانی کے دل میں اپنے محسن کوشک نار کے لیے بڑا احترام تھا۔انھوں نے اسے ایسے وقت میں سہارا دیا تھا جب اسے واقعی سہارے کی ضرورت تھی ۔مہا پجاری کے منھ سے اس رشتے کی بات سن کر وہ خوش ہوئی۔اس نے اسے احسانوں کا بوجھ کچھ کم کرنے کا ایک سنہرا موقع سمجھا اور فوراً ہاں کر دی۔

مہا پجاری کے ذریعے انھوں نے کوشک نار سے بس اتنی درخواست کی کہ یہ بات اس وقت تک راز رکھی جائے جب تک سُرال کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی ۔دوران تعلیم اس رشتے کی استواری کا عمل ممکن نہ تھا۔نگر پالک کے لیے دیوانی کی ہاں ہی خوشی سے پاگل کر دینے والی تھی اب وہ اطمینان وسکون سے مناسب وقت کا انتظار کر سکتے تھے ۔ان کی پتنیوں اور مہا پجاری کے علاوہ اس راز میں اور کوئی شریک نہیں تھا۔

(تین)

کوشک نار کو غلط فہمی تھی کہ ان کی بیٹی تارکی اور سُرال کی شادی کی بات بس انھیں، ان کی پتنیوں، مہا پجاری، مہرشی کرپا اور دیوانی کو معلوم ہے ۔اس راز سے کوئی اور بھی واقف تھا۔ اور وہ تھی تارکی، جس نے اپنے باپ کو ماں سے اس کی شادی کی بات کرتے سن لیا تھا۔چوں کہ سُرال اس کی پیدائش سے پہلے ہی شہر چھوڑ کر جا چکا تھا اس لیے ایک دوسرے کو دیکھنے کا سوال ہی نہ تھا البتہ اس نے اپنے تصور میں اپنے دل کے مالک کی جو شبیہ بنائی تھی وہ ہر اعتبار سے اس کی پسند کے مطابق تھی۔وہ اس عمر میں تھی جب لڑکیوں کے لیے شادی کا تصور رومان سے عبارت ہوتا ہے ۔چنانچہ اس نے ایک دل کش چہرے والے نوجوان کو اپنے خوابوں میں بسایا تھا۔اس رشتے کی مثال وہ اپنی ماؤں اور باپ کے تعلقات کی

روشنی میں دیکھتی تھی اور خود کو مطمئن پاتی تھی۔ تنہائی میں وہ سُسرال کے بارے میں سوچتی تو شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک دن وہ اپنے خیالوں میں غرق تھی کہ اس کی سکھی کامکی آ گئی۔ اس نے تارکی کو اپنے خیالوں میں ڈوبے دیکھا تو اسے دال میں کچھ کالا نظر آیا۔ اس کی عمر تارکی سے کچھ زیادہ تھی اور وہ ایسے رشتوں کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات رکھتی تھی۔ حالاں کہ ابھی اس کی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی لیکن دکشنا سے اس کی محبت کا رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ اس نے تارکی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''سکھی اپنے سپنوں میں کسے ساکار کر رہی ہے؟''

تارکی ایسے چونک گئی جیسے اس کے دل میں بسے سُسرال کو کسی نے دیکھ لیا ہو۔ وہ بولی۔ ''تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا کامکی''۔ اس کا لہجہ قدرے ترش تھا۔ ''بھلا کوئی بلیوں کی طرح یوں دبے پاؤں آتا ہے''۔

''میں دبے پاؤں نہیں آئی''۔ کامکی نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مگر سکھی ہوش میں ہو تو میرے آنے کا پتہ چلے''۔

تارکی مسکرائی۔ ''اچھا کیسے آنا ہوا''۔ وہ واقعی بوکھلائی ہوئی تھی۔

''ہوں، تو اب [illegible] سمجھی ہے کہ اپنی سکھی کو اپنے آنے کا کارن بھی بتانا پڑے گا''۔ کامکی نے کچھ مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''باہر کتنا اچھا موسم ہے اور تم یہاں کمرے میں بند ہو۔ آؤ واٹیکا کی سیر کرنے چلتے ہیں، وہیں باتیں کریں گے''۔

پانی برسنے کے بعد آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ہوا میں خوشگوار ٹھنڈک تھی اور ایسے میں یقیناً سیر کا لطف دوبالا تھا۔ تارکی نے فوراً ہی داسی کو حکم دیا تھا کہ بیل گاڑی کا انتظام کیا جائے اور چند لمحوں بعد ہی ایک داس بیل گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں سکھیاں گاڑی میں شہر کے باہر اس واٹیکا کی طرف جا رہی تھیں جسے نگرپالک نے بڑے شوق سے اپنے پریوار جنوں کی تفریح کے لیے بنوایا تھا۔ کامکی بے چین تھی کہ آبادی کا سلسلہ ختم ہو تو وہ تارکی کو دکشنا کے بارے میں وہ کچھ بتائے جو آج صبح ہوا تھا۔ جیسے ہی گاڑی بستی کے باہر آئی اور لوگوں کا شور ختم ہوا تو کامکی بولی۔ ''تارکی آج نہ پوچھو کیا ہوا۔ پراتہ میں سو رہی تھی کہ دکشنا آیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ اس کا اسپرش ایسا مادک تھا کہ میں اٹھ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ گھبرا کر الگ ہو گیا اور اس طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہیں باپو کی نظر تو نہیں پڑ گئی اور میں ہوش میں آتے

ہی ایسے شرمائی کہ وہاں سے بھاگ ہی گئی۔کنتو تارکی ،اس ایک پل میں کتنا آنند تھا اس کا ورڑن تو مجھ سے سمبھو ہی نہیں ہے۔"

"جب کوئی یوک اور یوتی آپس میں ملتے ہیں تو ایسا کیوں ہوتا ہے کامکی" تارکی نے پوچھا۔" ایک بار میں نے بھی اپنی داسی سُرا کو ایک داس سے لپٹتے دیکھا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کا چمبن بھی لے رہے تھے"۔

"ہوں تو اب ہماری سکھی بھی بہت کچھ جاننے لگی ہے۔اور کیوں نہ ہو جب سپنوں میں کوئی ڈیرا جمالے تو ان سب باتوں کا پتہ چل ہی جاتا ہے۔ویسے ہم بھی تو سنیں کہ وہ بھاگیہ شالی یوک کون ہے"؟

"کامکی مہامن اور ماتاجی کی باتیں میں نے سنی تھیں۔وہ کہہ رہے تھے کہ اس رہسیہ کے پرکٹ ہونے پر دیوی دیوانی کے کرودھ کا بھے ہے۔پرنتو تم تو میری پریہ سکھی ہو اس لیے تمہیں بتانے میں کوئی ڈر نہیں ہے۔مہامن نے دیوی دیوانی کے پتر سُرال سے میرے وواہ کی بات پکی کر لی ہے"

"اچھا" کامکی نے حیرت سے کہا۔" یہ وہی دیو پتر ہے نا جس نے کُملا نگر کے جیون کی دِشا بدل دی تھی۔میں نے سنا ہے کہ اس کے جنم پر مہامن نے بہت بڑا آیوجن کیا تھا اور اسی کے پھل سوروپ تم پیدا ہوئیں تھیں۔وہ مہادیوی کی پرسنتا کا ایسا دن تھا کہ اس نگر میں اس دن انگنت بچے پیدا ہوئے تھے۔چلو دیو پتر کو وہ یوتی مل رہی ہے جو اسی کے آشیرواد سے اتپن ہوئی ہے۔مجھے دیو پتر کے بھاگیہ پر لالچ آ رہی ہے"۔

بیل گاڑی واٹیکا کے دروازے تک پہنچ چکی تھی۔داس نے اتر کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر چلی گئیں انھوں نے داس سے باہر رکنے کو کہا۔واٹیکا کی بہار قابل دید تھی۔چاروں طرف رنگ برنگے پھول کھلے تھے اور فرش پر ہری گھاس ایسے لگ رہی تھی جیسے دیوتاؤں نے اپنے آرام کے لیے بستر بچھایا ہو۔واٹیکا کے بیچ ایک نہر تھی جو دریائے گومل سے خاص طور پر اس واٹیکا کے لیے نکالی گئی تھی۔اس سے واٹیکا کی پانی کی ضرورت پوری کی جاتی تھی۔نہایت نفاست سے یہ نہر واٹیکا کو دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی اور دونوں حصوں کو ملانے کے لیے درختوں کے تنے رکھ کر ایک خوب صورت پل بنایا گیا تھا۔واٹیکا کے فرش کو فطری انداز میں برقرار رکھا گیا

تھا۔ دونوں سکھیاں ایک ٹیلے پر بیٹھ گئیں۔ دور وہ پہاڑی نظر آ رہی تھی جس پر نگر پالک کی گڑھی تھی۔ دوسرے شہروں کی طرح گملا نگر بھی دو ٹیلوں پر بسا تھا۔ یہاں کا ذریعہ آمدنی زراعت تھا۔ ان کی خوشیوں اور غموں کا سارا اختیار دیوی دیوتاؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اپنی ضرورت کا بیشتر سامان یہ خود تیار کر لیتے تھے۔ اور بہت کم چیزیں ایسی تھیں جنہیں کسی دوسرے شہر سے منگوانا پڑتا تھا۔ شہر کے لوگ تفریح کے شوقین تھے اور تقریباً ہر خاندان کبھی کبھی شہر کے باہر ندی کے کنارے یا دور جنگلوں میں تفریح کی غرض سے آتا جاتا رہتا تھا۔ ان کے اسی شوق نے جگہ جگہ خوب صورت تفریح گاہوں کی بنیاد ڈال دی تھی۔ تارکی اور کامکی بھی ایک ایسی ہی تفریح گاہ میں تھیں جو دوسروں سے اس لئے مختلف اور شاندار تھی کہ اس کا تعلق نگر پالک سے تھا۔

تارکی ایسے رومانی ماحول میں اپنے اس تجسس کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو اس کے دل کو اکثر الجھائے رکھتا تھا۔ وہ پوچھ رہی تھی "جب وواہ ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ میں نے ایک بار ماتا جی سے یہ پرشن پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ تم کو یہ سب جاننے کی آوشیکتا نہیں ہے۔"

"وواہ کے بعد استریاں سنتان پیدا کرتی ہیں۔" کامکی نے بتایا۔ "تمہاری ماتا جی نے تمہارے پرشن کو ٹال دیا تھا۔"

"پرنتو سنتان پیدا ہونے کی باتوں کو لوگ گپت کیوں رکھتے ہیں۔ اوشیہ ہی اس میں کوئی گندی بات چھپی ہے" تارکی نے اپنا خیال ظاہر کیا "اور اگر اس میں کچھ گندگی ہے تو ایک دن یہ سب ہمیں بھی کرنا ہوگا۔ یہ کیسی بات ہے کہ ہم سے اتنا آوشیک کاریہ لیا جانا ہے اور اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم ہی نہیں ہے"۔

"تم نے کبھی بھینس اور بھینسے کو۔۔۔۔۔۔

"چھی چھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ پشوؤں اور منشیوں میں کچھ تو انتر ہوتا ہوگا۔"

"بس یہی کہ منشیہ یہی سب ذرا پریم سے کرتا ہے۔"

"نہیں نہیں میں یہ سب نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔"

"جب سمے آتا ہے تو سب اس کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جو آنند ہے وہ سنسار کے کسی اور کاریہ میں نہیں ہے"۔

"میں دوسروں سے الگ ہوں کامنی میں یہ سب نہیں کروں گی"۔ تارکی کو کچھ غصہ آنے لگا تھا "اُف ایسا گندا کام اور میں ۔۔۔۔ نہیں نہیں ۔"

کامنی نے اس بات کو مزید آگے بڑھانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے عام لڑکیوں کی طرح سمجھنے سے اسے غصہ آیا ہے۔ وہ اپنے سکھی کے غصے کو جانتی تھی ناز و نعم نے اس کے اندر جو خرابیاں پیدا کر دی تھیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک اس کا غصہ ہی تھا وہ اس بات کا خیال رکھتی تھی اسی لئے دونوں کی دوستی کا رشتہ مضبوط تھا۔ ورنہ دوسروں سے تارکی کی چند روز سے زیادہ کبھی نہیں بنی۔ کامنی اکثر سوچتی تھی کہ آج اس کے ماں باپ اس کے غصے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ کل کو جب یہ اپنے پتی کے گھر جائے گی تو کیا ہوگا۔ کہیں یہ غصہ کوئی گل کھلا بیٹھا تو تارکی کی زندگی نرک بن جائے گی۔ جب جب تارکی خوش ہوتی کامنی اسے سمجھاتی رہتی تھی کہ وہ اپنے غصے پر قابو رکھے۔ تارکی اس کی بات کو سن لیتی تھی اور وعدہ بھی کرتی لیکن جب وقت آتا تو اسے نہ نصیحت یاد رہتی نہ اپنا وعدہ۔ ایک بار تو اس کے غصے نے نگر پالک کے لئے مشکل کھڑی کر دی تھی کسی داسی نے غلطی سے کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا اور تارکی نے اپنے کمرے میں رکھے ماتری دیوی کے تانبے کے مجسمے سے اس کے سر پر وار کر دیا۔ چوٹ گہری لگی اور وہ بے چاری جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس واقعے کی شہرت کے بعد تارکی کے تعلقات کا دائرہ اور سمٹ گیا۔ لوگ اس سے خوفزدہ رہنے لگے۔ بس ایک کامنی تھی جو اب بھی اس کی سکھی ہونے کی دعوے دار تھی۔ اس وقت تارکی کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر کامنی نے فوراً گفتگو کا رخ بدل دیا۔ اب وہ واٹیکا میں کچھ نئے پھولوں اور پودوں پر بات چیت کرنے لگی تھیں۔

سورج کی کرنوں کا زاویہ بدلا تو ہوا میں خنکی بڑھنے لگی۔ دونوں نے محسوس کیا کہ واٹیکا میں ان کو کافی وقت ہو چکا ہے اس لئے وہ دونوں واپسی کے ارادے سے واٹیکا کے باہر آ گئیں۔

ہریوپیکا

(ایک)

''مہادیو نے پہلے جننی کو بنایا کہ جنک سویم دیوتا تھا۔ پھر جننی سے جن بنا اور پھر جن ہی جنک ہو گیا۔ جننی اور جنک کے جوڑے سے نرجن سجن ہوا جو سنسار کہلایا۔ جنک نے جننی اور دیو لوک دونوں کو دیکھا تھا۔ اَت ایو اسکا مَہتو تو جننی سے بڑھ گیا۔ پرنتو جننی پہلے ہے جنک بعد میں۔ اب سنسار واسیوں کا کرتویہ ہے کہ وہ جنک کو جنک جانیں اور جننی کو جننی۔ دونوں کا مَہتو سمجھے'' ۔آچاریہ آڈوی نے آکاش گرنتھ کا کچھ حصہ شاگردوں کو پڑھ کر سنایا۔

سُرال نے پوچھا۔'' گرودیو جب جننی پہلے ہے تو جنک کا مہتو جننی سے ادھک کیوں ہے؟'' سُرال ان کا چہیتا شاگرد تھا اور دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی سوال کرتا تھا۔

آچاریہ بولے۔'' جب جنک بنا تو جننی سامنے تھی۔ اسے اس کا انش ملا۔ اس نے دیوتاؤں کو دیکھا تو ان کی وشیشتائیں بھی پائیں۔ جننی کے سامنے جنک نہ تھا۔ اس لئے اس کے گنڑوں میں کمی آگئی۔ اور اس کا مہتو جنک سے کم ہو گیا۔''

''اس کا آرتھ یہ ہوا کہ جننی کے پاس گیان اور بُدّھی جنک سے کم ہے پرنتو میں نے جس جننی کو دیکھا ہے اس کے پاس نہ گیان کم ہے نہ بُدّھی۔''

''یہ سنسار بڑا وچتر ہے پُتر۔ آکاش گرنتھ کا دیوگیان ہمارا پتھ پردرشک ہے۔ پرنتو دیوتاؤں کا پتھ پردرشن سویم دیوتا ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے جب دیوتاؤں کی اچھا ہوتی ہے تو وہ اپنے نیموں میں سنشودھن کرتے رہتے ہیں۔ سنسار میں ایسی جننی سمبھو ہے جو جنک سے ادھک

گھڑی ہو۔ پرنتو اس سے آکاش گرنتھ کے نیم نہیں بدلا کرتے۔"

سُرال ابھی کچھ اور بحث کرنا چاہتا تھا لیکن وہ چپ ہوگیا کیونکہ کہ اس نے گروماتا کنوتما کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ گروماتا آچاریہ سے اس کی بحث کو پسند نہیں کرتی تھیں اور اکثر سُرال کو ان سے نہ الجھنے کا مشورہ دیتی رہتی تھیں۔ انہوں نے سُرال کو بتایا تھا کہ آچاریہ آڈوی کی بزرگی کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ ان میں اتنی شکتی ہے کہ اگر وہ غصے میں کسی کی طرف دیکھ بھی لیں تو وہ جل کر راکھ ہو جائے۔ انھیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں کسی دن سُرال کی بچکانہ باتوں سے آچاریہ کو غصہ نہ آجائے۔ سُرال بھی آچاریہ سے ڈرتا تھا لیکن پڑھتے وقت نہیں۔ اس کے برعکس وہ گروماتا سے زیادہ قریب تھا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ ہی رہتا تھا کیونکہ اس کے حصے میں انھیں کی سیوا کا کام آیا تھا۔ وہ گروماتا کی سیوا میں زیادہ رہتا۔ آچاریہ کبھی کسی کام سے بلاتے تو اس کی جان نکل جاتی لیکن ایسے وقتوں میں گروماتا بات کو سنبھال لیتیں۔

سُرال کو یہ بات بھی کھٹکتی تھی کہ گروماتا آچاریہ کی جتنی سیوا کرتی ہیں اتنی سیوا آچاریہ ان کی نہیں کرتے گھر کے کاموں سے انھیں کوئی مطلب ہی نہ تھا۔ بس وقت سے آکر کھانا کھانا اور غصہ کرنا۔ سُرال نے گروماتا کو کبھی غصے کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ اسی لئے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا احترام اس کے دل میں زیادہ تھا۔ وہ عورت کے اندر صبر وضبط کی بے پناہ قوت سے متاثر تھا۔ یہ قوت اس کی ماں کے پاس بھی تھی اور گروماتا کے پاس بھی۔ سنسار کا تجربہ اسے ابھی تھا بھی نہیں اس لئے اس کے بغاوت پسند ذہن نے دنیا کے تمام مردوں کو آچاریہ آڈوی کی طرح اور تمام عورتوں کو اپنی ماں دیوانی اور گروماتا کنوتما کی طرح سمجھ لیا تھا اور مختلف اسباب کی بنا پر اس کے اس خیال کو تقویت بھی ملتی رہتی تھی۔

گروکل میں رہتے ہوئے سُرال کو چوتھا سال تھا۔ آچاریہ آڈوی کا کہنا تھا کہ اسے ابھی یہاں پر تین سال اور رہنا ہوگا تب تعلیم مکمل ہوگی۔ لیکن گروماتا کا خیال ان سے مختلف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ سُرال جیسا ذہین نوجوان دوسرے لڑکوں کی طرح اتنا وقت نہیں لے گا۔ ایک بار اس بات پر آچاریہ اور گروماتا میں بحث بھی ہوگئی تھی۔ لیکن بحث کا نتیجہ جاننے کے لئے سُرال وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ ڈر کے مارے وہاں سے دور چلا گیا تھا۔ سُرال کو آکاش گرنتھ کی تفسیر کے علاوہ جنگی تربیت بھی دی جارہی تھی۔ اس نے اس میدان میں بھی اپنی مہارت کا لوہا منوایا تھا۔ لاٹھی چلانے اور

نیزہ بازی میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ کشتی میں البتہ وہ کچھ کمزور تھا لیکن گروشری ویرسالا کا خیال تھا کہ اگر وہ اپنے روز مرہ کی خوراک میں ان کے کہنے کے مطابق تبدیلی کرلے تو یہ کمزوری دور ہوسکتی ہے۔ سُرال کی یہ کمزوری فنی نہیں جسمانی تھی اور اب اس نے گروشری کی نصیحت پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ گروماتا محبت میں اسے وہ چیزیں کھلا دیتی تھیں جو گروویرسالا کو پسند نہ تھیں۔

گروکل کے قاعدے قانون بڑے سخت تھے۔ اور کسی قاعدے کی خلاف ورزی پر سزائیں دی جاتی تھیں۔ یہاں کئی سو نوجوان اور بچے زیر تعلیم تھے۔ ان میں باہمی مفاہمت، محبت اور خلوص کا ماحول تھا۔ ابتدا میں یہاں سُرال کا جی نہیں لگا تھا لیکن جب سے گروماتا نے اسے اپنی سیوا میں لے لیا تھا اسے جیسے اپنی ماں کا متبادل مل گیا تھا۔

لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام گروکل میں بالکل الگ تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف گروجن دونوں طرف آجا سکتے تھے اس لئے برسوں گروکل میں گزار دینے کے باوجود ایک دوسرے سے ملاقات ممکن نہ ہو پاتی۔ ان کا طریقۂ تعلیم لڑکوں سے مختلف تھا۔ ان کے سونے، سو کر اٹھنے، ندی میں غسل کرنے اور تعلیم کا وقت بھی لڑکوں سے الگ تھا۔ سُرال کو اس طرف کی جانکاری دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ رہتی تھی۔ اس لئے کہ گروماتا روز ہی ان کے عجیب و غریب قصے اسے سنایا کرتی تھیں۔ سُرال کے ساتھی اس سے پوچھا کرتے کہ آج ماتا نے کیا بتایا اور وہ فخریہ دوستوں کو یہ قصے سناتا۔ سُرال کو لگتا کہ جیسے یہ دنیا اس کے لئے اچھوتی ہے۔ اس کے دل میں ان کے لئے احترام اور عقیدت تھی۔ عمر کے اپنے تقاضے تھے لیکن جب کبھی اس کے دل میں گروماتا کی باتیں سن کر کچھ ہلچل پیدا ہوتی تو وہ سختی سے اپنی خواہشات کو کچل دیتا۔

پابندیوں کے باوجود نوجوان شاگرد چھپ چھپ کر ان لڑکیوں کو نہ صرف دیکھ لیتے تھے بلکہ کبھی کبھی ملاقات کا وسیلہ بھی تلاش کر لیتے۔ گروکل میں باہمی شادی کا واقعہ صرف ایک بار ہوا تھا۔ واقعے کی نوعیت نے یہاں کے گروسماج کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ دونوں کو شادی کی اجازت دے دیں لیکن اس کے بعد پابندیاں اور بڑھا دی گئی تھیں اور پابندی کو توڑنے والوں کو گروکل سے نکال دیا جاتا تھا۔

سرال کو بھی ان لڑکیوں کے دیکھنے کا اشتیاق تھا لیکن اس کا سبب وہ نہیں تھا جس کی وجہ سے گروگل سے اخراج کا پروانہ مل جاتا تھا۔ سرال اپنے اس اشتیاق کے ساتھ تنہا تھا۔ وہ اس کا اظہار گروماتا سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ جانتا تھا کہ گروماتا چاہیں بھی تو آچاریہ کے خوف سے اس کی اس خواہش کی تکمیل میں کوئی مدد نہیں کر سکتیں اپنے ہم درس نوجوانوں سے اس کا ذکر کرنا اپنے آپ کو طنز و تضحیک کا ہدف بنانا تھا کہ وہ اس کے مقصد کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔

اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ خاموشی سے ان لڑکیوں کی مصروفیات کا مطالعہ کرے تاکہ وہ آکاش گرنتھ میں بیان کردہ سچائیوں کی تہ تک جاسکے۔ لیکن اس نے اس خواہش کو یہ سوچ کر دبا لیا کہ اس سے شکوک و شبہات کو راہ ملے گی۔

آج اس وقت جب وہ آچاریہ آڈوی سے سیاسیات کا درس لے رہا تھا گروماتا نے آکر اسے بتایا تھا کہ گملا نگر سے اس کی ماں کا پیغام آیا ہے اور وہ دو دن بعد سرال سے ملنے ہڑیوپیکا آرہی تھیں۔

(دو)

ہڑیوپیکا کوئی معمولی شہر نہیں تھا۔

دریائے راوی کے کنارے بسا یہ شہر اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے مثالی تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ دیولوک میں رہتے رہتے جب دیوتا اکتانے لگے تو انہوں نے دھرتی پر رہنے کا ارادہ کیا اور اس شہر کی بنیاد رکھی۔ ترقی کرتے کرتے یہ شہر کئی معنوں میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ یہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ جہاں دور دراز کے تاجر آکر اپنا سامان فروخت کرتے تھے اور کئی دوسرے شہروں کے لوگ۔ اپنی ضرورت کا سامان حاصل کرنے کے لئے یہاں آتے تھے۔ سونے کے زیورات فروخت کرنے والے وسطی ہند سے، چاندی کے تاجر مغرب قریب سے، قیمتی پتھر اور تانبا فروخت کرنے والے مغربی ہند سے یہاں آتے تھے۔ یہاں پر سمندر پر چلنے والی بادبانی کشتیاں بنانے کا ایک بڑا کارخانہ تھا۔ سونے چاندی اور تانبے کی اشیا بنانے والے کاریگر یہاں اپنی فنکاری اور مہارت کا کمال دکھاتے تھے۔ تانبے کی مورتیاں

ہاتھی دانت اور سیپ کی بنی آرائشی چیزیں۔ سوتی کپڑے، خوب صورت کشیدہ کاری اور آلات جنگ بنانے کا کام یہاں جگہ جگہ پھیلا ہوا تھا اور یہ لوگ اپنی مصنوعات کی فروخت کے لئے دریائے دجلہ وفرات کے درمیانی دور دراز خطوں اور وادیٔ نیل تک کا سفر بہ آسانی طے کر لیتے تھے۔ سمیریا اور اسیریا اور مصر سے ان کے تجارتی روابط تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شہر میں چاروں طرف خوش حالی اور امن کا دور دورہ تھا۔

شہر کی دلکشی میں یہاں کی سڑکیں اور مکانات اور شہر کی ترتیب چار چاند لگاتی تھی۔ لوگوں کو رہائش کی فراہمی کی ذمہ داری یہاں کے نگر پالک کی تھی جو ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور سماجی مرتبے کے لحاظ سے مکان فراہم کرتا تھا۔ عموماً لوگوں کو اپنے طور پر مکان بنانے کی اجازت نہ تھی اور اگر کسی شخص کو خود مکان بنانا ہی ہو تو اسے نگر پالک سے جگہ اور نقشے کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ یہ نظم اس لئے تھا کہ شہر کا حسن برقرار رہے۔ یہاں سڑکیں کچی لیکن کافی چوڑی تھیں۔ سڑکوں کے کنارے چبوترے بنے تھے، جن پر بیٹھ کر تاجر اپنا سامان فروخت کرتے تھے۔

آس پاس کے دوسرے شہروں کی طرح یہ شہر بھی دو پہاڑیوں پر آباد تھا۔ مغرب کی طرف چھوٹا لیکن بلند ٹیلا تھا جس پر نگر پالک اور ان کے کارکن رہتے تھے۔ مشرقی ٹیلے پر اور اس کے آس پاس دوسرے لوگوں کے مکانات تھے۔ سڑکیں بالکل سیدھی تھیں اور ایک دوسرے کو سیدھی کاٹتی تھیں۔ ایسے چوراہوں پر اشیائے خورونوش کی فراہمی کے لئے دکانیں تھیں جہاں بیرونی تاجر کھانا کھاتے تھے۔ شہر کے مغرب میں راوی پر ایک مضبوط باندھ تھا جو شہر کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ شہریوں کی امن پسندی اور دور دور تک پھیلی بستیوں کی وجہ سے شہر کو شہر پناہ کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ نہ تو آس پاس جنگلی جانور ہی تھے اور نہ ہی شہر دشمن عناصر۔

سڑکیں اور گلیاں صاف ستھری تھیں۔ نگر پالک کی طرف سے ان کی روزانہ صفائی کا معقول انتظام تھا۔ جس کے لئے خاص طور پر سیوک رکھے گئے تھے۔ برسات کے پانی کی نکاسی کا معقول انتظام تھا اور گھروں کے استعمال شدہ پانی کو شہر کے باہر دریائے راوی تک لے جانے کے لئے چھوٹی بڑی پختہ نالیاں تھیں جو سڑکوں اور گلیوں کے دونوں طرف

ہوتی تھیں ۔ یہ اوپر سے ڈھکی ہوئی تھیں ۔اس انتظام پر آنے والے اخراجات کی کفالت کے لئے تاجروں کو ان کے منافعے کی ایک مخصوص رقم اور زراعت پیشہ لوگوں کو اپنی فصلوں کا ایک حصہ نگر پالک کو دینا ہوتا تھا۔

خشک سالی، قحط اور قدرتی آفات کا مقابلہ کرنے کے لئے نگر پالک کی طرف سے بڑے بڑے بھنڈار بنائے گئے تھے جہاں گیہوں چاول جو اور تل کا وافر ذخیرہ رکھا جاتا تھا اور جب جب ناگرکوں کو اشیائے خورد ونوش کی قلت ہوتی، نگر پالک کی جانب سے ان کو ہر ممکن مدد جاتی ۔ایسے واقعات میں ان سے ان اشیاء کی کوئی قیمت نہیں لی جاتی تھی۔

ہریوپیکا پالک سلوتی نرسیا نیک دل اور منصف مزاج تھے ۔ان کی زندگی کا واحد مقصد دیوتاؤں اور ناگرکوں کو خوش رکھنا تھا ۔دوسروں کو آرام پہنچانے کی فکر میں وہ اپنے عیش و آرام کی پرواہ بھی نہ کرتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ ناگرک اس پر جان چھڑکتے تھے۔سلوتی کے کرتا، ویر اور سیوک ناگرکوں کی مدد کے لئے تھے ۔اگر کسی نے اپنے عہدے کا استعمال کرتے ہوئے کسی پر ناجائز دباؤ ڈالا تو اسے نگر پالک کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ ہریوپیکا تعلیم و تربیت کا ایک اہم مرکز بن کر ابھرا تھا جہاں لوگ سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے علم حاصل کرنے آتے تھے ۔ یہاں کے گروکلوں کے اخراجات کی ذمہ داری نگر پالک پر تھی لیکن یہ ادارے اپنے آپ میں خود مختار تھے ۔نگر پالک ان کے داخلی معاملات میں اسی وقت دخل دیتا تھا جب وہاں کے منتظمین ایسا چاہیں۔

خوش انتظامی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مختلف شہروں سے اس شہر کے سفارتی تعلقات تھے ۔ پھر چاہے وہ دِل مُن، لوتھل، انجیرا، چنھو دڑو اور گُملا جیسے قریبی شہر ہوں یا تھی بیز، نے خیب، لارسا، سپّر، کوتھا، اُر اور ای مین جیسے دور دراز کے شہر۔ان کے دوت مستقلاً ہریوپیکا میں رہتے تھے اور ہریوپیکا کے دوت ان شہروں میں ۔ یہ دوت باہمی تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے کا کام بھی کرتے تھے اور سیاسی روابط کو استحکام دینے کا بھی۔

تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں کسی ایک نسل کے لوگ نہیں تھے ۔ کرۂ ارض کی مختلف تہذیبوں اور عقیدوں کے ماننے والے یہاں رہتے تھے ۔ان میں باہمی تبادلہ خیال بھی ہوتا تھا اور مباحث بھی ۔ ہر شخص کو مذہبی رسوم کی ادائیگی کی مکمل آزادی تھی بس یہ خیال رکھنا

ضروری تھا کہ کسی فرقے کا کوئی عمل کسی دوسرے کے لئے اذیت ناک نہ ہو۔ اول تو ان میں جھگڑا نہیں ہوتا تھا لیکن اگر ایسا ہوتا بھی تو نگر پالک کی مذہبی عدالت کے منصف اس کا فیصلہ کرتے تھے جو فریقین کو لازمی طور پر ماننا ہوتا تھا۔ یہ فیصلہ شہر کے عقاید کی بنیاد پر ہوتا تھا اور اس کے خلاف کوئی فریاد نہیں کی جا سکتی تھی تعلیم و تربیت کے جو ادارے یہاں پر قائم تھے ان میں اس رنگا رنگی کو دیکھا جا سکتا تھا۔

سُرال جس گروکل میں تعلیم حاصل کر رہا تھا وہ ان مشرقی اقدار کی ترویج کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ جس کی بنیاد مقامی عقاید پر تھی۔ یہاں طالب علموں کی تعداد دوسرے تمام اداروں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھی۔

(تین)

''مہا من کشال پر دیوتا پرسن ہوں''۔ مہا کرتا کرونا نے دل من پالک کشال کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ کشال اس وقت بھی تنہا نہیں تھا۔ اس کی دونوں کمزوریاں اس وقت بھی اس کے ساتھ تھیں۔ اب وہ ان تمام باتوں کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ بغیر کسی جھجک کے وہ اپنے کرتاؤں اور ویروں کو اندر بلا لیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ایک نہایت اہم مسئلے پر مشورے کے لئے مہا کرتا کو طلب کیا تھا جو کمرے میں آنے کے بعد شرم سے گردن جھکائے کھڑا نگر پالک کے حکم کا منتظر تھا۔

''مہا کرتا کرونا، تم ترنت مہا پجاری، مہا ویر مانگدی اور مہا جن ان گیا کو بلاو۔ ہم کسی گمبھیر سمسیا پر ان کا پرامرش چاہتے ہیں''۔ کشال نے نشے میں دھت اپنے کپکپاتے ہونٹوں اور ہچکیوں کے بیچ کہا۔ ''اور ہاں تمہارے کرتاؤں میں اگر کوئی وویک شیل ہو تو اسے بھی بلا لو''

''جو آگیا مہا من''۔ مہا کرتا کی نظریں اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں۔

شاید کشال نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے اپنے بستر پر لیٹی نیم عریاں سندری کو دوسرے کمرے میں چلے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر بولا ''اب تم میری طرف دیکھ سکتے ہو''۔

مہا کرتا نے کشال کی طرف دیکھا اور بولا ''ان سب کو یہیں لاؤں یا باہری کمرے

میں؟"

"مورکھ، تم اس پد کے یوگیہ نہیں ہو۔" کشال غصے میں چیخا۔ "بھلا ان کو یہاں لانے کی کیا آوشیکتا ہے، انھیں باہر بٹھا کر مجھے بلا لینا، اب بھاگو یہاں سے، میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے، سندری او سندری۔"

مہا کرتا کروٹا نے جلدی باہر نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے خود کشال کو عیش و عشرت میں اس لئے پھنسایا تھا کہ شہر کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے لیکن ہو یہ رہا تھا کہ نہ تو کشال کی دخل اندازی سے نجات ملی اور نہ وہ اچھا منتظم ثابت ہوا۔ کشال اب بھی طاقت ور تھا اور لوگ اس کے وفادار تھے۔ دوسری طرف شہر کی حالت دگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی من مانی کر رہا تھا۔ چوری، ڈکیتی، بدکاری اس خوب صورت شہر کے حسن کو غارت کر رہی تھی۔ مہا کرتا کو یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ نگر پالک کے فرائض ادا کرنے کی صلاحیت شاید اس میں ہے بھی نہیں۔ تو کیا اسے نگر پالک بننے کی کوشش چھوڑ دینی چاہیئے۔ نہیں یہ تو اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ شہر کی بد نظمی کا ذمہ دار وہ کشال کی وقت بے وقت دخل اندازی کو سمجھتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ کشال کی طرف سے اس کی نا اہلی کا اعلان اور عہدے سے برطرفی کی دھمکی کا سلسلہ بھی چل پڑا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کشال کا قتل کر دے۔ لیکن اس کام کی ہمت وہ اپنے آپ میں نہیں پاتا تھا۔ وہ نہ کشال کا وفادار تھا نہ شہر کا۔ وہ کسی ایسے شخص کا منتظر تھا جو کسی لالچ میں آ کر اس کے اس ادھورے کام کو انجام دے لیکن ابھی کشال کی زندگی کے دن باقی تھے۔ دیوتا گن اس پر اب بھی مہربان تھے اس لئے ان کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا۔ اس کی بدنیتی اور غلط کارکردگی کو دیکھتے ہوئے مہا پجاری اور مہاویر بھی اس سے خوش نہیں رہتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے دل کی باتوں کو ان سے بھی چھپائے رکھتا تھا۔

ایک بڑے کمرے میں سب لوگ جمع ہو چکے تھے۔ مہا پجاری، مہاویر مانگدی اور مہاجن ان کیا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ مہا کرتا کروٹا نے اس مشاورتی مجلس میں شرکت کے لئے نگر کرتا آنندن کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ شخص مہا کرتا کا خاص دوست تھا اور اس کے کہنے پر کچھ بھی کرنے کو تیار رہتا تھا۔ خود مہا کرتا کشال کو مطلع کرنے کے لئے اس کی عیش گاہ میں گیا تھا۔

تھوڑی دیر میں نگر پالک کشال نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئے۔ سب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ وہ آگے بڑھے اور درمیان میں اپنی مخصوص نشست گاہ پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے موجودہ لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور براہ راست مہاپجاری کو مخاطب کیا۔ "پوجیہ مہاپجاری میں گت کچھ دنوں سے بہت اِدھک چنتت اور دکھی ہوں یداکدا سوپن میں ایک ہی درشیہ بار بار دکھائی دیتا ہے کہ کسی نے دِل مُن پر آکرمن کر دیا ہے اور میری ہتیا کر کے سویم نگر پالک بن بیٹھا ہے۔ اس سوپن پر آپ کا کیاوچار ہے"۔

"مہامن سارے سوپن وشوسنیہ نہیں ہوتے۔" مہاپجاری نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ لیکن اس بیچ مہاکرتا کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ گھبرا گیا تھا کہ کہیں اس کا ارادہ کشال کو پتہ تو نہیں چل گیا۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور مہاپجاری کی باتیں سننے لگا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "کبھی کبھی یہ سوپن ہمارے بھے کے مستشک پر ادھیکار کر لینے کی پرتی کریا ماتر ہوتے ہیں۔ اس سوپن میں سیدھے ایک کریا ہے اس لئے کوئی اور سنکیت نہیں ملتا۔ آپ کا یہ سوپن اپیکشا یوگیہ ہے۔"

لیکن مہاویر مانگدی کو مہاپجاری کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اس سوپن کا سمبندھ دِل مُن کی سرکشا اور مہامن کے جیون سے ہے اس لئے اس کی اپیکشا کرنا بدھی مانی نہیں ہے"۔ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "سمبھو ہے دیوتا مہامن کو بھوشیہ کا سنکیت دے رہے ہوں۔"

مہاکرتا کے اشارے پر نگر کرتا آنند ن نے زبان کھولی۔ "میرے وچار میں مہاپجاری کا کہنا اُدھک اُچت ہے۔ نگر پالک بھرانتی میں ہیں اور بس۔ میرا وچار ہے کہ ہمیں اپنی ساری شکتی نگر کی بگڑتی ہوئی حالت کو ٹھیک کرنے میں لگانی چاہیے۔ اور ریتھارتھ کو سپنوں پر پردھانتا دینی چاہیے۔"

کشال کو نگر کرتا کا یہ گستاخانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما گیا لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ وقت مخالفین کو ناراض کرنے کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے بس اتنا ہی کہا۔ "ابھی نگر کے سماجت مہاجن ان کنیا اور مہاکرتا کروتا کے وچار آنا باقی ہیں۔"

"مہامن یدی ابھے دان دیں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں" مہاجن نے ڈرتے ڈرتے کہا اور کشال کی طرف سے اشارہ ملنے کے بعد ہی اس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔ "میرے وچار میں مہامن کی چنتا بھی اتنی گمبھیر ہے جتنی نگر کی حالت میں سدھار لانا۔ میرا وچار تو یہ ہے کہ یہ دونوں سمسیائیں ایک دوسرے سے سمبندھت ہیں کہ ایک کے ندان سے دوسرے کے ندان کا راستہ کھل سکتا ہے۔ ان دونوں سمسیاؤں میں سے مہامن کی چنتا دور کرنا ادھک آوشیک ہے اور اس کا ندان اس سمے تک سمبھو نہیں ہے جب تک مہامن اپنی پرانی عادتوں کو نہیں بدل لیتے۔"

کشال نے پہلو بدلا۔ مہاجن کی بات میں بھی گستاخی تھی لیکن اس کے لہجے سے اس کا درد اور شہر سے محبت کا جذبہ ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ ایک وفادار ناگرک تھا اس لئے اسے مہاجن کی باتوں سے وہ تکلیف نہیں ہوئی جو نگر کرتا کی باتوں سے ہوئی تھی۔

مہا کرتا نے محسوس کیا کہ اب صرف وہی رائے دینے کے لئے رہ گیا ہے۔ وہ نگر پالک کی دھمکیوں سے اتنا خوفزدہ تھا کہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا اسی لئے اس نے نگر کرتا کو سمجھا بجھا کر اپنی بات اس کی زبان سے کہلا دی تھی سب کی نظریں اب اسی کی طرف تھیں وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے ہمت کی اور بولا "مہامن میں شما چاہتا ہوں پرنتو اس سمسیا میں کسی سرسری پرامرش کو اُچت نہیں سمجھتا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس پر ابھی اور وچار کی آوشیکتا ہے میں اپنے وچار اس کے بعد رکھوں گا۔"

نگر پالک اس کی چال سمجھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مہا کرتا اس کا بہی خواہ نہیں ہے اور اس وقت اپنی ہی کسی مصلحت کی بنا پر وہ اس نشست کو ملتوی کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے پرجلال لہجے میں مہا کرتا کو مخاطب کیا۔ "سمانت مہا کرتا دانتو سینتا کا پریچے دے رہے ہیں۔ اس گوشٹھی کو استھگت کرنا اُچت نہیں ہے اس لئے وہ اپنے بھلے برے وچار اسی سمے اُپستھت جنوں کے سمکش رکھیں۔"

مہا کرتا کے سامنے اب کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجبوراً اس نے زبان کھولی۔ "مہامن اور سمانت جن، مجھ پر اور میری یوگیتاؤں پر وشواس کر کے دل مُن پالک نے مجھے جس سمانت پد پر نیکت کیا ہے اس کے کرتویوں میں یہ سملت ہے کہ میں بھے بھیت ہوئے بنا اپنی بات

کہہ دوں ۔ بھلے ہی اس کا پر ینام میرے لئے اچھا نہ ہو۔ میں نگر بھگت ہوں اور مجھے دل من سے پریم ہے ۔ میں مہامن کا وفادار سیوک ہوں اس لئے میرا وِچار یہ ہے کہ مہامن کو اپنے بھے پروجے پانا چاہیئے ۔اس کے لئے ان کی سُرکشا اور سُوِدھا میں رت سیوکوں کی سنکھیا بڑھا دینا چاہیے ۔ اس سے مہامن کو شانتی ملے گی اور ہم لوگوں کو نگر کو دیوستھت کرنے کا سمے ۔بس اس سے اَدھک مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

سب لوگ اپنی بات کہہ چکے تھے ۔اب کشال کو کسی نتیجے پر پہنچ کر فیصلہ دینا تھا تاکہ اس پر عمل درآمد ہو سکے ۔اس نے کہنا شروع کیا۔"پوجیہ مہا پجاری کا وچار ہے کہ میرے سپنوں میں یتھارتھ کا کوئی سنکیت نہیں ہے ۔ان کی وانی میں دیووانی بھی سمِلت ہے اس لئے میں سر جھکا کر ان کی بات مانتا ہوں ۔سمانت مہاویر مانگدی کی نگر بھکتی سے میں بہت پربھاوت ہوا۔ان کے وچار میں میرا جیون امولیہ ہے اور مہاکرتا کروٹا بھی میری سُرکشا کو لے کر چنتت ہیں اس لیئے میرا آدیش ہے کہ میرے سرکشا سیوکوں کی سنکھیا بڑھادی جائے ۔ پرنتو اس کاریہ کے لئے ویروں کا چین میں سویم کروں گا۔سمانت مہاجن ان کنیا کے ہردے کا دکھ ان کے نگر پریم کا پریچایک ہے ۔میں سمانت مہاجن سے بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس آیو میں سوبھاؤ کا بدلنا اتنا آسان نہیں ہوتا پھر بھی میں ان کی سہانو بھوتی اور سنیہ کے لئے دھنیہ واد دیتا ہوں ۔رہی نگر کرتا آنندن کی بات جو نگریہ ویوستھا کا منتری ہے ۔اس کے وچار دھرشٹ بھی ہیں اور مورکھتا پورن بھی ۔میں مہاکرتا کو آدیش دیتا ہوں کہ وہ اتی شیگھر اسے اس پد سے الگ کردیں اور نگر پرتی ندھیوں کے پرامرش سے کسی یوگیہ ویکتی کا چین کریں کہ وہ اپنے وچاروں پر بھروسہ کر سکے اور دوسروں کی بات کہنے کے لئے اپنے مکھ کا اُپیوگ نہ ہونے دے۔"

اس کے ساتھ ہی کشال کھڑا ہو گیا جو اشارہ تھا کہ مجلس مشاورت برخاست کی جا چکی ہے۔

(چار)

"پتر سُرال ، مجھے یہاں رہتے ہوئے ایک سپتاہ ہو چکا ہے ۔سوچتی ہوں کہ کل یہاں سے واپس ہو جاؤں" دیوانی نے سُرال کو تنہا پاکر بات شروع کی" پرنتو میں چاہتی

ہوں کہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کا آشے بتادوں۔ میں نے اور مہرشی کر پا نے طے کیا ہے کہ شکشا کی سماپتی کے بعد تمہارا وواہ کملا پالک کی اکلوتی پُتری تارکی سے کر دیا جائے تمہارا کیا کہنا ہے؟"

"ماتے آپ کا آدیش سر آنکھوں پر۔ پرنتو میں نے تو ابھی وواہ کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔ نہ میری اپنی کوئی پسند ہے۔ اس لئے کہ پسند کے لیے انو بھو آوشیک ہے اور اچھا کے بعد بھی آج تک انو بھو کے لئے کوئی کنیا مجھے ملی نہیں۔ آپ کو ادھیکار ہے کہ میرے وواہ کا نرنے کریں اس لئے کہ میرے لئے کیا اچھا ہوگا یہ میری اپیکشا آپ اور مہرشی اَدھک سمجھتے ہیں۔"

دیوانی کو اپنے فرماں بردار بیٹے کا یہ جواب سن کر بے حد خوشی ہوئی اور اس کی معصومیت پر ہنسی بھی آئی۔ اسے سرال سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ وہ خوش تھی کہ مقصد کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے ہوئے اسے سرال کا بھرپور تعاون مل رہا تھا۔ سرال کے بارے میں اس نے گرو ماتا کنوتما سے تفصیلی بات چیت کی تھی۔ جس سے اسے اندازہ ہوا کہ گروکل کے سب ہی آچاریہ سرال کی کارکردگی سے متاثر ہیں۔ گرو ماتا نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ سرال کو لڑکیوں میں دلچسپی ضرور ہے لیکن اس کی دلچسپی اس کے ہم عمر دوسرے نوجوانوں سے الگ نوعیت کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اب بھی سرال کی اس دلچسپی کی تہہ تک نہیں پہنچی ہیں۔ کیوں کہ اس موضوع پر گفتگو کے لیے وہ کبھی آمادہ نہیں ہوا۔ پھر بھی انھیں امید تھی کہ جلد ہی یہ بات انھیں معلوم ہو جائے گی۔ یہ سب سن کر دیوانی کو اطمینان ہوا کہ اس کا پُتر استریوں کے بارے میں کوئی غلط خیال دل میں نہیں رکھتا۔

سُرال سے اتنے برسوں بعد مل کر اور اس کے بارے میں بہت کچھ جان کر وہ مطمئن اور خوش تھی۔ مہرشی کرپا کے مشورے پر اس نے سُرال کی تعلیم کے لئے اس گروکل کا انتخاب بالکل درست کیا تھا۔ سُرال سے باتیں کرتے ہوئے اس نے کہا۔" میں چاہتی ہوں کہ واپسی سے پہلے تمہارے گروجنوں سے انتم بھینٹ کرلوں۔"

"ہاں ماتے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" سرال نے کہا اور اسے ساتھ لے کر وہ گروجنوں کی رہائش گاہ کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ آچاریہ آڈوی کے پوجا گرہ کی

طرف جارہے تھے کہ ایک اجنبی کو وہاں سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ اجنبی دیوانئی کو دیکھ کر ٹھٹھکا اور بڑے غور سے اس کا جائزہ لیا پھر تیز تیز قدم بڑھاتا ایک طرف چلا گیا۔ سُرال یہ دیکھ کر حیران تھا اور دیوانئی خوفزدہ۔ وہ ہر اجنبی سے ڈرتی تھی۔ اندر گئے تو آچاریہ تنہا تھے۔ دیوانئی اور سُرال نے ان کی قدم بوسی کی اور آچاریہ نے آشیرواد دیتے ہوئے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دیوانئی نے انھیں بتایا کہ وہ کل واپس جارہی ہے۔ مہرشی بولے۔ ''سُرال کی اور سے چنتا کرنے کی آوشیکتا نہیں ہے۔ یہ بالک بہت بدھی مان اور کرمٹھ ہے۔ پرنتو ابھی اسے کم سے کم تین ورش اور یہاں رہنا ہوگا''۔

''جیسی آپ کی اِچھا آچاریہ۔'' دیوانئی نے ان کی تائید کی۔ حالانکہ آچاریہ کو لگ رہا تھا کہ کنوتما کی طرح شاید دیوانئی بھی ان کی مخالفت کرے لیکن دیوانئی کے دل میں کچھ اور ہی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''آچاریہ کے پاس سے ابھی ابھی جو ویکتی گیا ہے، وہ کون تھا؟''

''ارے وہ ابھیہ کارا۔ بڑے سرل سوبھاو کا ویکتی ہے۔ ہریوپیکا میں دِل مُن کا دوست ہے۔ کبھی کبھی اپنی کٹھنائیوں پر پرامرش کے لئے آجاتا ہے پرنتو آج وہ اپنے نگر پالک کی چنتا کا سمادھان جاننے آیا تھا''

''اگر آچاریہ اُچت سمجھیں تو مجھے بھی کچھ بتائیں۔ میرا بھی دِل مُن سے کچھ سمبندھ رہا ہے۔''

''ہم وِوش ہیں دیوی، گرو دھرم اس کی انومتی نہیں دیتا کہ ایک کی بات دوسرے سے بتائی جائے۔ ہاں اتنا بتا دینے میں کوئی کٹھنائی نہیں کہ نگر پالک کشال کو ان دنوں بار بار یہ سوپن دکھائی دیتا ہے کہ کوئی اس کی ہتیا کر رہا ہے۔''

''اوہ'' دیوانئی کے منہ سے نکلا، اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے دل ہی دل میں دیوتاؤں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور مہرشی سے اجازت لے کر باہر نکل آئی۔ گروکل میں اس موسم میں چاروں طرف ہریالی تھی اور رنگ برنگے پھولوں پر بہار آئی ہوئی تھی۔ اس نے سُرال سے کہا ''پتر اب مجھے کل کے بجائے آج ہی یہاں سے جانا ہوگا۔ تم سادھان رہنا۔''

سُرال حیران تھا کہ اچانک اس کی ماں نے آج ہی سفر کا ارادہ کیوں کرلیا۔ لیکن وہ سوالات کرکے اسے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سر جھکا کر بس اتنا ہی کہا۔ ''جیسی ماتا کی اچھا۔''

کمرے میں آکر دیوانی نے سفر کا سامان تیار کیا۔ اس سیوک کو ساتھ لیا جو گملا سے اس کے ساتھ آیا تھا۔ گدھے منگوائے اور سامان لاد کر اسی وقت گملانگر کی طرف چل پڑی۔ راستہ دشوار تھا۔ اس لئے اسے اپنا سفر منڈو کے راستے طے کرنا تھا۔ اسی راستے سے وہ آئی بھی تھی۔ مہرشی نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ بھلے ہی وقت زیادہ لگے اسے قریبی راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ وہ دشوار بھی ہے اور خطرناک بھی۔ دیوانی یہ بات بھولی نہیں تھی۔

سرال بھی دیوانی کو شہر کی سرحد تک چھوڑنے آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ماتا کو پہلا پڑاو جلدی کرلینا چاہیئے اور کل سے اپنا سفر رات کے بجائے دن میں کرنا چاہیئے۔ مشورہ مناسب تھا۔ حالانکہ چاندنی نے رات کے سفر کو بھی آسان بنادیا تھا۔ سُرال اپنے کمرے میں آیا تو بڑا اداس تھا۔ ایک تو وہ اس لئے دکھی تھا کہ ایک بار پھر اس کی ماں اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی لیکن اس کی اداسی کی خاص وجہ ماں کی جلد بازی تھی۔ ضرور اس اجنبی میں کوئی خاص بات تھی جس نے ماں کو ڈرادیا تھا۔ ماں نے اسے بھی ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔ شاید وہ بھی خطرے میں ہے۔ لیکن گروکل میں اس کے لئے بھلا کیا خطرہ ہوسکتا تھا۔ اس نے سوچا مجھے ہر حال میں ہوشیار رہنا چاہیئے۔ رات میں بستر پر لیٹے لیٹے وہ یہی سب سوچ رہا تھا۔ اس کا ذہن کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا لیکن وہ تھک کر نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔

دیوانی کو ہریوپیا سے گئے ہوئے پانچ دن ہوچکے تھے۔

سُرال علی الصبح اٹھ کر غسل کی غرض سے حسب معمول دریائے راوی کی طرف جارہا تھا۔ اس نے آچاریہ آڈوی کے آشرم کے پاس کچھ لوگوں کی بھیڑ دیکھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ لیکن اسے غسل کی جلدی تھی اس لئے وہ رکا نہیں۔ اپنی کمر میں رکھے خنجر کو ایک بار ٹٹولا اور ندی کی طرف چل دیا۔ وہ اب بھی افسردہ تھا۔ ماں نے یہاں آکر اس کی محبت کو پھر جگا دیا تھا اور اس کو رخصت کرنے کے بعد سے آج تک وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اجنبی کون تھا۔ جو آچاریہ کے پوجا گرہ کے باہر انھیں ملا تھا۔ کیا نام بتایا تھا آچاریہ نے۔ ہاں ابھیہ کارا۔ وہ ماں

کو دیکھ کر کیوں چونکا تھا۔ ماں نے اس کے بعد ہی اسے ساودھان رہنے کا پرامرش دیا تھا اور آج پھر کچھ اجنبی لوگ۔ آشرم کے باہر کیوں دکھائی دے رہے تھے کیا ان کا سمبندھ بھی اس دن کی بات سے ہے تو اوشیہ ہی آج کچھ عجیب ہونے والا ہے۔ اسے ساودھان رہنا چاہیئے۔ سمبھو ہے وہ اس کی ماں اور خود اس کے بارے پوچھ تاچھ کر رہے ہوں۔ مقدس راوی میں نہاتے ہوئے یہی خیالات اسے پریشان کر رہے تھے۔ اس کے چاروں طرف ہم درس نوجوانوں کی بھیڑ تھی پھر بھی وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔

واپسی پر جب وہ آچاریہ کے آشرم کے پاس سے گزرا تو ایک اجنبی نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ خوف کی لہر سے اس کا وجود لرز اٹھا۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔ یہ تو ویر تھے لیکن ہریو پیکا کے نہیں۔ ان کے جسم پر کچھ دوسرے قسم کا لباس تھا اور ہاتھوں میں نیزے۔ وہ اس کے قریب آئے تو سُرال نے اپنے دل میں کہا، آج تمہاری بہادری کا امتحان ہونے والا ہے۔ اس کا دایاں ہاتھ خنجر کے دستے پر تھا اور جیسے ہی ان میں سے ایک نے اسے بندی بنانے کا حکم دیا وہ حرکت میں آگیا۔ وہ تین تھے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ سُرال نے پینترا بدلا اور اگلے ہی لمحے اس کا خنجر اس کا کام تمام کر چکا تھا۔ ایسی ہی تیز رفتاری سے اپنے باقی دو ویروں پر بھی حملہ کیا۔ حملہ اچانک تھا یا شاید وہ ویر اس کی امید نہیں کرتے تھے، ان کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی سُرال نے اپنی جنگی مہارت کا ثبوت دے دیا تھا اور بیک وقت تین لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں وہاں پر بھیڑ جمع ہوگئی۔ یہ سب گروکل کے لوگ تھے۔ آچاریہ آڈوی نے سُرال کا ہاتھ پکڑا اور اپنے آشرم میں لے گئے۔ اپنے ایک سیوک کو بلا کر اسے سونے کی کچھ مہریں دیں اور حکم دیا کہ راوی پر کھڑی ان کی کشتی سے فوراً سفر کرے، چناب اور سندھ ندیوں سے ہوتے ہوئے وہ ٹھارو پہنچے جو ایک چھوٹا بندرگاہ ہے۔ یہاں سمیریا جانے والی پال نوکائیں مل جاتی ہیں۔ کسی ویاپاری سے مل کر سرال کو کسی نوکا میں سوار کرا دے۔ سیوک مہرشی کے کہنے پر عمل کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ سرال نے جوش میں آکر تین لوگوں کا قتل ضرور کر دیا تھا لیکن اب وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بس وہ خاموشی سے مہرشی کی ہدایات پر عمل کرتا جا رہا تھا اور اب سیوک کے ساتھ دریائے راوی پر کھڑی مہرشی کی نجی کشتی

پر سفر کر رہا تھا۔

آچاریہ آڈوی یہ انتظام کر کے دوبارہ جائے واردات پر آچکے تھے۔ اس بیچ ہریوپیکا کے ویروں کا ایک دستہ بھی وہاں آچکا تھا جو قاتل کی تلاش میں تھا۔ گروکل میں یہ پہلا قتل تھا۔ چاروں طرف یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ لیکن قاتل سُرال کا پتہ نہیں تھا۔ اسے بہت تلاش کیا گیا مگر کسی کو کامیابی نہیں ملی۔ ہریوپیکا کے ویر گروکل کے آچاریوں سے پوچھ تاچھ کر کے جا چکے تھے اور اس پوچھ تاچھ کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ کسی نے سرال کو فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

جن لوگوں نے آخری وقت میں سُرال کو آچاریہ آڈوی کے ساتھ دیکھا تھا ان کی زبانیں بند تھیں۔ آچاریہ آڈوی گروکل کے اتی سماجت آچاریہ تھے۔ سب کو یقین تھا کہ آچاریہ نے سرال کے ساتھ جو سلوک کیا ہوگا اس میں دیوتاؤں کا پرامرش بھی شامل ہوگا اور دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف بولنے یا کچھ کرنے کی جرأت۔ بھلا اس گروکل میں کون کر سکتا تھا۔

سُرال کے اس بھیانک اقدام اور پھر فرار سے گروماتا کنو تما سب سے زیادہ پریشان تھیں۔ انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ آخر دلِ مُن کے یہ ویر دیوانی جیسی نیک دل استری کو گرفتار کرنے کیوں آئے تھے۔ اس نے کیا جرم کیا ہوگا۔ سُرال کے اس انتہائی اقدام کا سبب کیا تھا۔ کیا اس پر برسوں کی محنت اور ریاضت کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنا ایسا پاپ ہے جسے دیوتا کبھی معاف نہیں کرتے۔ اب تو اس پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہوگا یا پھر ممکن ہے سرال کا یہ عمل سرے سے غلط ہو ہی نہیں۔ ممکن ہے کوئی ایسا راز ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ انہیں وہ وقت یاد آیا جب دیوانی سُرال کو لے کر آئی تھی اور ان کے یہ پوچھنے پر کہ سرال کے پتا کا نام کیا ہے، وہ ایک دم برہم ہو گئی تھی اور بس یہ کہا تھا کہ کیا پتا کا نام آڈشیک ہے۔ میں ہی اس کی ماتا بھی ہوں اور پتا بھی۔ اس وقت بھی گروماتا کو دیوانی کا رویہ کچھ عجیب لگا تھا اور اب ایک نہیں تین تین قتل کر کے اس کا پتر فرار ہو گیا ہے۔ اس سے گروکل کی کتنی بدنامی ہوگی۔ دوسرے گروکل اس طرف انگلی اٹھائیں گے۔ ان تمام باتوں کے باوجود گروماتا نے آچاریہ آڈوی کے چہرے پر شانتی دیکھی تھی۔ وہ ذرا بھی وچلت نہیں تھے جیسے۔ انہیں اس واقعے پر کوئی حیرت نہ تھی۔ سُرال کے فرار کی گتھی کو سلجھانا بھی گروماتا کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل میں سُرال سے

ہمدردی تھی اور وہ اس کی خیریت کے لئے دعائیں کر رہی تھیں۔

اسی شام ہریوپیکا پالک سلوتی نرسیا خود گروکل آئے۔انہوں نے آچاریہ آڈوی سے ملاقات کی اور بتایا کہ قتل ہونے والے ویر دِل مُن سے آئے تھے۔انھیں یہاں مقیم دل من کے دوت ابھسیہ کارانے بلایا تھا۔یہ لوگ دیوانئی اور سُرال کو گرفتار کرنا چاہتے تھے اور ان کے پاس دل من پالک کشال کا آدیش پتر بھی تھا۔انہوں نے آچاریہ کو بتایا کہ کشال سے ان کے ذاتی مراسم ہیں اور اب یہ ان کا فرض ہے کہ دیوانئی اور سُرال کو گرفتار کر کے دِل مُن بھیج دیں۔انہوں نے آچاریہ سے درخواست کی کہ وہ اس واقعے کی تحقیقات میں اپنا تعاون دیں کہ گروکل کی یہی روایت رہی ہے۔

جواب میں آچاریہ آڈوی نے انھیں سُرال اور دیوانئی کے بارے میں وہ سب کچھ بتایا جو سُرال کے گروکل پروش کے سمے انھیں بتایا گیا تھا۔انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ منڈو کے رہنے والے ہیں جو دیوتاؤں کی معتوب بستی کے نام سے مشہور ہے۔مگر سنا ہے کہ ان کا خاندان اب یہ گاؤں چھوڑ چکا ہے دیوانئی گذشتہ ہفتے یہاں آئی تھی اور سُرال سے مل کر تین دن پہلے چلی گئی تھی۔اب وہ کہاں ہے انھیں بھی خبر نہیں ہے اور سرال کے فرار کے بارے میں انھیں کوئی معلومات نہیں ہے۔

ظاہر ہے آچاریہ جھوٹ بول رہے تھے لیکن وہ اپنے جھوٹ پر شرمندہ نہیں تھے۔ان کا دل جس طرح انھیں اس جھوٹ پر آمادہ کر رہا تھا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دیوتا بھی یہی چاہتے ہیں اور جب دیوتا کسی کو جھوٹ بولنے پر اکسائیں تو وہ جھوٹ پاپ نہیں مقدس ہو جاتا ہے۔آچاریہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اس جھوٹ کی تقدیس کے اسی طرح قائل تھے جس طرح اس بات پر کہ بارش کا ہونا مہادیو کی کرپا ہے۔

آچاریہ سے گفتگو کے بعد نگر پالک سلوتی نرسیا نے سر جھکا کر انھیں پرنام کیا اور واپس چلے گئے۔انہوں نے آچاریہ کے چہرے پر شانتی کی جو پرچھائیاں دیکھی تھیں وہ انھیں مزید پوچھ تاچھ سے روک رہی تھیں۔انہوں نے دل مُن پالک کشال کو ایک دوت بھیج کر حالات سے آگاہ کیا اور اس بات کا یقین دلایا کہ جیسے ہی مجرم گرفت میں آئے گا اسے فوراً ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

اَجنبی شہر

(ایک)

انسانوں کی آبادی یوں تو زمین کے مختلف خطوں میں آباد تھی لیکن دریائے دجلہ و فرات کے درمیان جو لوگ آباد تھے ان کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ ان کے عقاید اور تہذیب وتمدن زیادہ قدیم ہیں۔ لوگ اس خطۂ ارض کے لوگوں کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے لیکن خود یہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کے آباواجداد دوسری جگہوں سے ہجرت کرکے یہاں آئے تھے۔ دراصل اس خطے میں دو حصے تھے شمالی خطہ جو زیادہ وسیع وعریض تھا، اکد کہلاتا تھا۔ یہاں جو نسل آباد تھی ان کا دعوی تھا کہ ان کے باپ دادا مصر اور ریگزار عرب سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے یہ لوگ سامی النسل تھے۔ ان کی جسمانی ساخت مضبوط اور رنگ صاف تھا۔ یہ لوگ اپنی قدامت ثابت کرنے کے لئے اکثر کہا کرتے تھے کہ طوفان نوح کے بھیانک مناظر ان کے اجداد نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ لیکن جنوبی حصے میں جو لوگ تھے وہ دراوڑی تھے۔ یہ علاقہ سمیریا کہلاتا تھا۔ ان کی شکل، شباہت مختلف، رنگ سیاہی مائل اور مزاج وعقاید مشرقی تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے دیوی دیوتا مشرق میں رہتے ہیں۔ در اصل یہ وہ نسل تھی جو مختلف وجوہ کی بنا پر گنگا اور سندھ کی وادیوں سے ہجرت کرکے یہاں آباد ہوگئی تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ اکد اور سمیریا کے باشندوں میں ہمیشہ پیکار جاری رہتا تھا۔ ان کے اتحاد کی کوششیں بارہا ہوئیں لیکن ایسی کامیابی کبھی نہیں ملی جس کا اثر دیرپا ہوتا۔ یہاں مذہب کو تمام سرگرمیوں میں برتری حاصل تھی ان کا بادشاہ پروہت یا سنگو ہوتا تھا جو پتیسی کہلاتا تھا۔ یہ

خود مختار ہوتا تھا اور ہر اعتبار سے اپنی رعایا پر اسے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا۔ وہ جسے چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس کے فیصلوں پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں تھی۔

یہاں کی زمین وادیٔ سندھ یا نیل کے اطراف جیسی زرخیز نہیں تھی۔ پھر بھی زراعت یہاں اکثریت کا ذریعہ معاش تھا زمین ریتیلی تھی جسے سینچائی کی شدید ضرورت رہتی تھی۔ یہاں کے لوگ سینچائی کے کئی مصنوعی ذرائع سے واقف تھے۔ سمیریا کی زمین جو خلیج فارس تک پھیلی تھی اکد کے مقابلے میں کم ریتیلی اور زیادہ زرخیز تھی۔ یہاں کے نظام کے تحت کسانوں کو اپنی پیداوار کا دسواں حصہ بادشاہ کو دینا ہوتا تھا۔ لوگ اپنی اپنی زمینوں سے اپنی ضرورت کے مطابق گیہوں، تل، جو اور پٹ سن پیدا کرتے تھے۔ یہاں کی زمینوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پہلا حصہ نگیبھا تھا جس میں اجتماعی زراعت ہوتی تھی۔ دوسرا اگر کہلاتا تھا جو عبادت گاہوں سے متعلق لوگوں کی ملکیت تھی اور تیسرا حصہ اُرلل کہلاتا تھا جو لگان پر اٹھا دیا جاتا تھا۔ ہر شخص عبادت گاہ کا رکن ہوتا تھا اس لئے کر اور نگیبھا میں محنت کرنا بھی اس کے فرائض کا حصہ تھا۔ زراعت کے علاوہ ان کو پھلوں کے باغات لگانے کا خاص شوق تھا اور یہ لوگ اپنی ضرورت سے زیادہ پھل پیدا کر لیتے تھے۔

یہاں رہنے والوں کے تین طبقے تھے۔ پہلا عمیلؔ کہلاتا تھا جو آزاد شہریوں پر مشتمل تھا دوسرا مشکینؔ تھا جس میں کسان، مزدور، تاجر، صناع، کاریگر اور ملازم شامل تھے اور تیسرا طبقہ وردؔ کہلاتا تھا جو غلاموں پر مشتمل تھا۔ ان سب پر قانون کا اطلاق برابری کی بنیاد پر نہیں تھا۔ یہاں بھی مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں زیادہ اختیارات حاصل تھے۔ مگر مرد کے انتقال کے بعد اس کے اختیارات عورت کو منتقل ہو سکتے تھے۔ بیٹی اپنے باپ کی اور بیوی اپنے شوہر کی جائداد سمجھی جاتی تھی جسے ضرورت پڑنے پر دوسری اشیا کی طرح بیچا، خریدا یا گروی رکھا جا سکتا تھا۔

اس کے برعکس عبادت گاہوں میں عورتوں کا عمل دخل زیادہ تھا۔ مہا پروہت یا سنگو پتیسی خود ہوتا تھا اور پتیسی کا مرد ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہاں کا دیگر صاحب اختیار عملہ عورتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ عموماً ان کے پانچ مراتب تھے۔ سب سے زیادہ محترم اور مقدس راہبہ کو مَن انتؔ

کہا جاتا تھا۔ عبادت گاہ کے تمام کام اسی کی زیرِ نگرانی انجام پاتے تھے۔ اشمپتؔ دراصل مَن انت کی معاون ہوتی تھی جو مذہبی رسوم کی ادائیگی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ تیسری قسم ذکروؔ کہلاتی تھی جو دیوداسیاں تھیں۔ گو عبادت گاہ سے تعلق کی بنیاد پر یہ محترم تھیں لیکن ان کا کام جسم فروشی تھا۔ اس پیشے سے ہونے والی آمدنی کو عبادت گاہ کی ضروریات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ قادِشتؔ اُن مقدس خواتین کو کہا جاتا تھا جو عبادت گاہ کی ملازم تھیں اور زرماشتؔ وہ کنواریاں تھیں جو مختلف منتوں کے نتیجے میں عوام عبادت گاہوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔

سُمیریا کے رہنے والے سورج دیوتا شمسؔ، پانی کی دیوی نموؔ، زمین کی دیوی کی، آکاش دیوتا انؔ، ہوا کے دیوتا این لِلؔ، محبت کی دیوی ای نناؔ، اصولوں کے دیوتا ایا اور چندر دیوتا سن سے عقیدت رکھتے تھے۔

(دو)

ان دنوں کوہ آرمینیا سے نکلنے والے دریاؤں، دجلہ و فرات کے درمیانی حصے میں دو پتیسی تھے۔ اکد میں شاروکین کا حکم چلتا تھا اور سمیریا میں پتیسی لوگل زگسی کا۔ کچھ دنوں پہلے ہی دونوں حصوں کے اتحاد کے لیے ایک زبردست جنگ لڑی جا چکی تھی جس میں فریقین کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا اور شاید یہی سبب تھا کہ اب دونوں علاقوں میں امن و سکون تھا۔

لارسا سمیریا کے علاقے کا ایک خوب صورت شہر تھا۔ جو اس اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا کہ پتیسی لوگل زگسی کی رہائش اسی شہر میں تھی لیکن سمیریا میں لارسا سے زیادہ وسیع و عریض اور خوب صورت شہر موجود تھے۔ مثلاً خلیج فارس کے ساحل پر بسا شہر اریدو لارسا کے مقابلے میں دوگنا بڑا تھا۔ یہ اس خطے کا سب سے بڑا بندرگاہ تھا، جہاں مصر اور ہندوستان کے تاجروں کی کشتیاں رکا کرتی تھیں۔ لارسا کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں پر جنگی تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا گیا تھا، جہاں مختلف ترقی یافتہ اقوام کے جنگی ماہرین نوجوانوں کی تربیت پر مامور تھے۔ لارسا کے نواحی علاقوں میں پھلوں کے بے شمار باغ تھے اور ایک چھوٹا سا دریا اس کے پاس سے گزرتا تھا۔ اس شہر میں زراعت پیشہ لوگ نہیں تھے پتیسی، اس کے وزراء و اُمراء اور

کارکنوں کے افرادِ خاندان سے ہی یہ شہر آباد تھا۔

تجارتی سرگرمیوں میں اس شہر کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اریدو میں جہاز سے اترنے کے بعد ہر تاجر کا مقصد لارسا پہنچنا ہوتا تھا کہ یہاں دولت کی فراوانی تھی۔ یہاں تاجروں کے ٹھہرنے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کا انتظام دوسرے شہروں کے مقابلے میں بہتر تھا اجنبی لوگوں کو رہائش کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس مقصد سے جگہ جگہ کارواں سرائیں قائم تھیں۔ جہاں ہر طرح کی آرام و آسائش کا سامان مہیا تھا۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہر شخص ان سہولتوں سے استفادہ کرسکتا تھا۔

(تین)

سُرال سمیریا کے اسی شہر لارسا پہنچ گیا تھا اور اس کے ہم سفر تاجروں نے اس کی رہائش کا معقول انتظام کردیا تھا۔

یہ قصہ بڑا طولانی، تکلیف دہ اور غیر دلچسپ ہے کہ ہریوپیا سے دریائے راوی، چناب اور سندھ کے راستے فرار ہونے کے بعد کتنی دشواریوں سے وہ تھارو کے بندرگاہ تک پہنچا تھا اور اس سفر میں کتنا وقت صرف ہوا تھا۔ دوران سفر یہ خوف ہر لمحہ مسلط تھا کہ کشال کے ویران کا پیچھا کررہے ہوں گے اور کسی بھی وقت ان سے مقابلے کی نوبت آسکتی ہے۔ لیکن دیوتاؤں کی کرپا تھی کہ راستے میں کوئی خطرہ سامنے نہیں آیا تھا۔ آچاریہ آڈوی کا سیوک ساتھ تھا۔ جب وہ سمندر کے کنارے بسے تھارو شہر پہنچے تب انھیں اطمینان نصیب ہوا کہ وہ اب دشمنوں کی دست برد سے محفوظ ہیں۔

لیکن سُرال کے دل کی عجیب حالت تھی۔ اچانک رونما ہونے والے واقعات نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ اسے اپنی تعلیم نامکمل حالت میں چھوڑ دینی پڑی تھی اور اب اپنی جان بچانے کے لیے وہ دور دراز بسے سمیریا کے کسی شہر کی طرف جارہا تھا جو اس کے لیے بالکل اجنبی جگہ تھی۔ سُرال نے ایک سمیری تاجر سے مل کر اپنے سفر کا انتظام کرلیا تھا۔ آچاریہ نے اسے سونے کی اتنی مہریں دے دی تھیں کہ دوران سفر کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوسکتی تھی۔ اس سمیری تاجر کی عمر سرال سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں دونوں نے ایک دوسرے

کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا اور سفر کے معاملات طے کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ تاجر، جس کا نام نن فس تھا شریف آدمی تھا۔ اس نے تجارت کی غرض سے نہ صرف وادی سندھ بلکہ دوسرے کئی شہروں کے سمندری سفر کیے تھے۔ سرال کا یہ پہلا سمندری سفر تھا۔ شاید اسی لیے وہ کچھ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ نن فس نے نہ صرف اسے تسلّی تشفی دی تھی بلکہ آچاریہ کے سیوک کو بھی یہ کہہ کے لوٹا دیا تھا کہ وہ اطمینان سے جائے کیونکہ سرال کو بہ حفاظت منزل تک پہنچانا اب اس کی ذمہ داری ہے۔

سمیریا کے بندرگاہ اریدو تک پہنچنے میں دو ماہ سے زیادہ کا وقت لگا تھا۔ لیکن یہ ان کی آخری منزل نہ تھی۔ سفر کے دوران سرال اور نن فس میں بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ بحری کشتی میں سوار دوسرے تاجروں کو بھی سرال کی شخصیت نے متاثر کیا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے واقعات سنا کر اس سفر کو آسان بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح سمندری سفر کے اختتام پر ہر شخص ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جان گیا تھا۔ سرال کے ذریعہ تین لوگوں کو تنہا موت کے گھاٹ اتار دینا ان کی نظر میں ایک کارنامہ تھا جس کی داد ملنی چاہیے تھی ان تاجروں میں سے بیش تر کو لارسا جانا تھا اور انھوں نے بہ اصرار سرال کو بھی وہاں چلنے کی دعوت دی تھی اور بتایا تھا کہ اگر اس کی شجاعت کی شہرت کہیں پتیسی لوگل تک پہنچ گئی تو اس کو اس کی فوج میں کوئی اچھی سی ملازمت مل سکتی ہے۔

ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سرال لارسا تک آ گیا تھا اس اجنبی ملک میں اس کے لیے کوئی دوسرا متبادل تھا بھی نہیں۔ اس کا دل بے چین تھا۔ اسے اپنی ماں کی یاد آ رہی تھی۔ یہ سوچ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا کہ اس کے بارے میں اس کی ماں کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ پتہ نہیں آچاریہ نے کیا بتایا ہو۔ بتایا بھی ہو گا یا نہیں۔ پھر اصل بات کا علم تو انھیں خود بھی نہیں ہے۔ وہ کیا بتا سکتے ہیں۔ یہی نا کہ ان کا پتر تین ویروں کا قتل کر کے سمیریا کی طرف چلا گیا ہے۔ پتہ نہیں یہ سب سن کر ماں کو کیسا لگے گا۔ وہ تو اس کی شادی کا منصوبہ بنا رہی تھی کہ اچانک یہ حادثہ ہو گیا اور زمین میرے لیے تنگ ہو گئی۔ یہ سوچ سوچ کر وہ دن رات پریشان رہتا تھا۔

نن فس اور اس طویل سفر کے ایک اور ہم سفر کورماس نے وعدہ کیا تھا کہ کل وہ اسے وزیر افواج باردوس سے ملوائیں گے اور اگر وہ سرال کی بہادری اور فن سپہ گری سے متاثر ہوا تو

ملازمت یقینی ہے۔ کورماس نے یہ بھی بتایا تھا کہ پتیسی لوگل اگد کے پتیسی شاروکین سے عنقریب ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور انھیں بہادر لوگوں کی تلاش ہے اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اگر اس کی آزمائش کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کے ہم عمر کسی نیزہ باز سے اسے مقابلہ کرنا ہوگا اور اسے شکست دینے پر اہم عہدہ ملنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

سُرال دوسرے دن کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ کل کی کامیابی اسے سمیریا میں روزی روٹی کی فکر سے نجات دلا دے گی بلکہ اس لیے کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کا امکان ایک بار پھر روشن ہو جائے گا کہ وہ فن سپہ گری کی اپنی ادھوری تعلیم پوری کرے۔ اسے جنگ کا عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اس کا یہ تجربہ اس کی ماں کے مقصد کے حصول میں معاون ہوگا۔ وہ یہ سوچ کر خوش ہو جاتا تھا کہ جب بھی اسے اپنے شہر واپس جانے کا موقع ملے گا۔ اس کی جنگی مہارت کا مقابل اس پورے خطے میں کوئی نہ ہوگا کہ وہاں ایک طویل عرصے سے کوئی جنگ ہوئی ہی نہیں تھی۔ لیکن ابھی تو یہ باتیں محض خواب تھیں انھیں حقیقت بننے میں کئی چیزیں آڑے آ سکتی تھیں۔ پہلے تو کل کا فیصلہ کن دن ہی سب سے اہم تھا۔ دوسرے شاید ابھی کئی برس اس کے واپس جانے کی نوبت نہ آئے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ ہر لحہ اپنے مقصد کو یاد رکھے گا اور اسی اعتبار سے کاموں کو انجام دے گا۔

(چار)

"جوان تم اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے جو ہماری سپاہ کی حیثیت سے ملازمت کی پیشکش تم نے ٹھکرا دی"۔ باردوس کو جیسے سُرال کے انکار پر طیش آ گیا تھا۔ اس کا غصہ دیکھ کر نن فس اور کورماس کانپ گئے تھے انھیں سرال کا یہ عمل احمقانہ معلوم ہو رہا تھا اور اب تو انھیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں اسے ملازمت کے بدلے کوئی سزا نہ مل جائے۔

"میں سویم کو ویرے اونچے پد کا ادھیکاری سمجھتا ہوں۔" سُرال کے چہرے پر خوف نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"ہوں۔" باردوس نے ایک لمبی سانس لی۔ "لیکن اس کے لیے تمہیں ہمارے نیزہ بازوں سے مقابلہ کر کے اپنی اہلیت ثابت کرنی ہوگی۔"

"میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"سوزار" باردوس چیخا اور فوراً ہی ایک اعلیٰ فوجی افسر سامنے آگیا۔ "مقابلے کا انتظام کرو۔ یہ مقابلہ ابھی اسی وقت ہوگا۔ ہم اس نوجوان کی فنی مہارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں"۔

سوزار گیا اور جلد ہی فوج کے ایک ماہر نیزہ باز کابراس کو ساتھ لایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور اس کا جسم سورج کی روشنی میں تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ دوسرا نیزہ سرال کو دیا گیا۔ اس نیزہ باز نے سرال کو حقارت سے دیکھا اور مقابلے کے لیے للکارا۔ سرال ہوشیار تھا اس کے حملے کو اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اور اپنا بایاں کندھا جھکا کر ناکام کر دیا۔ فوراً ہی اس نے دوسرا وار کیا۔ اب کی بار اس کا نشانہ سرال کے جسم کا ذیلی حصہ تھا۔ سرال کی نظریں دشمن کے نیزے کی انی پر جمی تھیں اور اس کی آنکھوں نے جھپکنا بند کر دیا تھا۔ نیزے کے قریب آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اچھلا تو وار خالی گیا۔ فوراً ہی اس نے دوسری اچھال لی اور اپنے پیروں سے کابراس کے سینے پر وار کیا جس سے وہ گر گیا نہایت پھرتی سے وہ دوبارہ اٹھا اور سرال کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس نے تیسرا وار کیا۔ اب کی بار اس کا نشانہ سرال کا سینہ تھا لیکن سرال غافل نہیں تھا۔ وہ اس کے مقابلے میں کچھ زیادہ پھرتیلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے نیزے کے قریب آتے ہی جھک کر کابراس کے چہرے پر لات ماری جس کی تاب وہ نہ لا سکا اور ایک بار پھر زمین پر گر پڑا۔ اس کے تینوں وار خالی جا چکے تھے اور اب اصول کے مطابق اگلے تین وار سرال کو کرنے تھے اور یہ سلسلہ باری باری سے اس وقت تک جاری رہنا تھا جب تک دونوں میں سے کوئی ایک اپنی شکست نہ تسلیم کرلے۔ وزیر افواج باردوس اور سوزار بڑی حیرت سے اس اجنبی نوجوان کی مشاقی کا مظاہرہ دیکھ رہے تھے جو ان کے ماہر نیزہ باز کے تین وار بہ آسانی بچا چکا تھا۔ اب ان دونوں کی نظروں میں اس بہادر کیلیے حقارت نہیں تحسین تھی۔ وہ ابھی تک کابراس کے حق میں آوازیں لگا رہے تھے لیکن اب ان کی آوازیں اس اجنبی نوجوان کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔ جس کا نام بھی انھیں ابھی تک نہیں معلوم تھا۔

سرال نے اپنا نیزہ سنبھال لیا اور کابراس کو للکار کر پہلا وار اس کے سر پر کیا۔ یہ

ماہر نیزہ باز کم پھرتیلا نہیں تھا۔ پلک جھپکتے اس نے اپنے قدموں کو پیچھے کر کے وار خالی کر دیا تھا۔ ابھی وہ ٹھیک سے سنبھلنے نہ پایا تھا کہ دوسرا وار ہوا۔ پتہ نہیں کابراس کو یہ غلط فہمی کیوں ہوئی کہ نیزہ اس کے سینے کی طرف آرہا ہے جبکہ نشانہ اس کا نچلا حصہ تھا اور لمحوں میں سرال کے نیزے نے اس کی بائیں ران کو زخمی کر دیا تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ سرال نے نیزہ پھینک دیا اور دوڑ کر اپنے مقابل کابراس کے پاس پہنچا، بولا۔ ''محترم کیسے چوک گئے''۔ اور جلدی سے اپنی دھوتی کا کنارہ پھاڑ کر اس کے زخموں پر پٹی باندھنے لگا۔

باردوس اور سوزار نہایت حیرت سے سرال کے اس عمل کو دیکھ رہے تھے۔ اتنی دیر کی نیزہ بازی کے بعد بھی اس کے چہرے پر نہ تو غصہ تھا، نہ تھکن اور نہ تناو۔ یہ خصوصیت معمولی نہ تھی۔ باردوس اپنی جگہ سے اٹھا اور سرال کو سینے سے لگا لیا۔ ''نوجوان تم نے اپنی قابلیت ثابت کر دی ہے، تم کو تمہارے تصور سے بھی اہم عہدہ دیا جائے گا''۔ وہ ایسے بول رہے تھا جیسے کوئی طاقت یہ سب کہنے کے لیے اسے مجبور کر رہی ہو۔ ''تمہارا نام کیا ہے بہادر نوجوان اور تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

سُرال جواب دیتے دیتے رکا۔ نہیں اسے سنبھل کر جواب دینا چاہیئے۔ وہ دو مملکتوں کا مجرم ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اسے خطرے میں ڈال سکتی ہے لیکن وہ جھوٹ نہ بول پایا۔ بولا ''میرا نام سُرال ہے اور میں گومل ندی کے کنارے بسے گملانگر کا رہنے والا ہوں''۔ اس نے منڈو اور ہریوپیکا کا نام شعوری طور پر چھوڑ دیا تھا ورنہ اصولاً اسے یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ فن سپہ گری میں اس کا استاد کون ہے۔

''حیرت ہے گملانگر میں تم جیسا ہیرا بھی پیدا ہوتا ہے''۔ فوجی افسر سوزار کے منہ سے نکلا ''ہم نے تو سنا تھا کہ وہ بزدلوں کا شہر ہے۔ جہاں عورتوں کی عبادت کرتے کرتے مرد بھی عورت بن چکے ہیں''۔

سُرال کو افسر اعلی کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ وہ اس کے لہجے کے طنز کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ ابھی کوئی معقول جواب اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا کہ وزیر افواج باردوس نے کہا۔ ''سوزار فوراً جاو اور پینتیسی سے ہماری ملاقات کا انتظام کرو''۔

سوزار کے وہاں سے جانے کے بعد باردوس نے سرال کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ

کیا اور اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جو غالباً اُس کا دفتر تھا۔ سرال نے چلنے سے پہلے ان فس اور کورماس کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اپنے دفتر میں انھیں دیکھ کر باردوس پہلے ان سے ہی مخاطب ہوا۔ "تاجر ہم تمھارے شکر گزار ہیں کہ تم نے سرال جیسے جری اور نڈر نوجوان کو ہم سے ملوایا تمھیں اس کی قیمت ملے گی"۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک مٹھی سونے کی چمک دار مہریں ان کی طرف اچھال دیں۔ دونوں نے جلدی جلدی زمین پر بکھری مہریں جمع کیں۔ باردوس کا شکریہ ادا کیا اور مؤدب کھڑے ہو گئے۔ انھیں دیکھ کر باردوس بولا۔ "اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ سرال اب ہماری ذمہ داری ہے۔ تم بے فکر رہو اسے کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی جائے گی"۔

ان دونوں کے رخصت ہونے کے بعد باردوس سرال کو دفتر سے ملحق اپنے مکان میں لے گیا اور اپنی بیوی مارتیسی اور بیٹی تھاماسی سے ملوایا۔ سرال نے دیکھا کہ مارتیسی کی عمر باردوس کے مقابلے میں آدھی بھی نہیں ہے۔ اس کا رنگ صاف تھا اور سینے پر دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔ سرال ننھی تھاماسی کی طرف جھکا اور اس کے نرم نرم گالوں کو چوم لیا۔

باردوس نے اپنی بیوی سے سرال کا تعارف کرایا اور اس کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے میں مچھلی کا گوشت تھا۔ مارتیسی نے بڑے پیار سے جو کی گرم گرم روٹیاں نکالی تھیں۔ تل کی چٹنی بھی تھی۔ ان چیزوں کا ذائقہ کچھ وہی لوگ جانتے تھے، جنھوں نے کبھی مارتیسی کے ہاتھ کا کھانا کھایا ہو۔ سرال جب کھانا کھا رہا تھا تو وہ بڑے پیار سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سرال کے لیے یہ نظریں عجیب تھیں۔ اسے اپنے جسم پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ گردن جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ سوزار آ گیا اس نے بتایا کہ پتیسی سے وہ اسی وقت مل سکتے ہیں۔ وہ بیرونی کمرے میں آپ کے منتظر ہیں۔

باردوس نے اپنی بیوی کو سرال کا خیال رکھنے کی ہدایت دی اور وہاں سے اٹھ کر سوزار کے ساتھ فوراً ہی پتیسی لوگل زگسی سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی مارتیسی آ کر اس جگہ بیٹھ گئی جہاں تھوڑی دیر پہلے اس کا شوہر بیٹھا تھا اس نے سرال سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ بتائے لیکن پھر اس نے خود

اپنے ہی بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ "سرال تم مجھے دیکھ کر حیران ہونا کہ میں کیسے اس بوڑھے کے چکر میں پھنس گئی۔ یہ پکا شیطان ہے اس نے میرے شرابی بھائی کو پھانس کر مجھے خرید لیا اور زبردستی اپنی بیوی بنا لیا لیکن میں اب بھی اسے اپنا شوہر نہیں سمجھتی۔ اس بوڑھے میں اب بچا ہی کیا ہے اور احمق اتنا ہے کہ تھاماسی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہے۔ چلو اچھا ہے۔ لیکن اس کے لیے اس کو میرا احسان ماننا چاہیئے۔ ابھی مجھے ایک بیٹا بھی چاہیے اور آج تمہیں دیکھ کر میری اس خواہش میں اور شدت آگئی ہے جیسے محبت کی دیوی ای نے کی مرضی بھی یہی ہو۔ بڈھا تو اب ایک پہر سے پہلے لوٹنے والا نہیں۔ تم ڈرو مت۔ میں سب سنبھال لوں گی۔ آؤ تم کو پہلے اپنا گھر دکھا دوں"۔

سرال گھبرا رہا تھا۔ اسے بار بار آچاریہ آڈوی کی وہ بات یاد آرہی تھی کہ اسے کامک استری سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے۔ لیکن آچاریہ نے اس سے بچنے کا کوئی اپائے بتایا تھا یا نہیں یہ ذہن پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی اسے یاد نہیں آرہا تھا۔ پھر مارتیسی کی باتیں سن سن کر اسے اپنے اندر کا خون اچھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اب مارتیسی پر ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ عمر میں اس سے بڑی تھی لیکن اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کا رنگ گورا تھا، سینہ دلکش اور کمر دعوت گناہ دے رہی تھی۔ اس میں وہ ساری خوبیاں تھیں جو کسی آزمودہ کار نوجوان عورت میں تصور کی جا سکتی ہیں، حالانکہ کسی اجنبی مرد کے سامنے اسے اپنے اوپری حصے کو ڈھانپے رکھنا چاہیئے تھا لیکن باردوس کے جاتے ہی اس نے دوپٹہ ایک طرف پھینک دیا تھا۔ شاید اب سرال اس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا، اس کی آنکھوں میں جنسی بھوک کے نقوش واضح تھے لیکن سرال کو ایسی نظروں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔

وہ اس طرح اپنی جگہ سے اٹھا جیسے مارتیسی کی کسی بات سے انکار اب اس کے اختیار میں ہی نہ ہو۔ وہ اس کے ساتھ اس کا گھر دیکھنے لگا۔ پہلے اس نے اپنا باغیچہ دکھایا، پھر مختلف کمرے۔ کمرے کی تاریکی میں جب وہ سرال کے قریب آجاتی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی تو اس کا جی مارتیسی سے لپٹ جانے کو چاہتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ اپنے آپ پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ اب وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ نہ اسے اجنبی ماحول کا ڈر تھا اور نہ باردوس کا۔ اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ سوائے مارتیسی کے نہ تو اسے کچھ نظر آرہا تھا اور نہ کچھ ہوش تھا۔ آخر میں مارتیسی جب اسے

لے کر ایک بڑے کمرے میں پہنچی اور بتایا کہ یہ وہ کمرہ ہے جہاں اسے اور باردوس کو ایک ساتھ سونا پڑتا ہے، تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور مارتیسی سے لپٹ گیا۔ مارتیسی تو اس کے لیے پہلے سے ہی تیار تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے بستر پر تھی لیکن آج بوڑھے باردوس کے بدلے اس کے پہلو میں نوجوان سُرال تھا۔

(پانچ)

''شمس کے نمائندے، پتیسی لوگل زگسی کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ باردوس نے شاروکین کا مقابلہ کرنے کے لیے سپہ سالار تلاش کرلیا ہے۔'' باردوس نے پتیسی سے کہا۔ پتیسی بیک وقت بادشاہ اور مہا پروہت دونوں کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس وقت وہ بادشاہ کی حیثیت سے اپنے تخت پر متمکن تھا اور باردوس کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔

''ہمیں خوشی حاصل ہوئی''۔ پتیسی لوگل زگسی نے کہا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ اس نوجوان کو ہمارے پاس لانے سے پہلے مقدس من انت سے ملوادو اور ان سے دریافت کرو کہ اس نوجوان کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں شمس، کی، ان، این لل اور سن کا کیا خیال ہے۔ اگر من انت نے مناسب سمجھا تو پھر اس نوجوان سے ہم مل لیں گے ورنہ راہبہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا تم پر فرض ہے۔''

''جیسی پتیسی کی مرضی، میں کل ہی مقدس من انت سے مل کر نتیجے سے پتیسی کو آگاہ کروں گا۔''

''یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے تمہارے مشورے پر ہم نے ایک نوجوان کو یہ مہم سپرد کی تھی جو بری طرح ناکام ہوا تھا۔ ہم شکست کا تجربہ اب اور نہیں کرنا چاہتے۔ تمہارے مقابلے میں مقدس من انت کا مشورہ ہمارے حق میں زیادہ مفید ہوسکتا ہے۔''

''پتیسی کا حکم سر آنکھوں پر۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پتیسی سے رخصت کی اجازت لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

سُرال اور مارتیسی اسی کمرے میں بیٹھے ہوئے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے،

جہاں باردوس انھیں چھوڑ کر گیا تھا۔ باردوس کو بھلا یہ خبر کہاں تھی کہ ایک زبردست طوفان ابھی ابھی اس کے گھر سے گذرا ہے۔ وہ خوش تھا کہ مارتیسی خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے عرصے سے مارتیسی کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ سرال کے چہرے پر بھی خوشی تھی۔ باردوس اسے مارتیسی کی مہمان نوازی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا۔

دوسرے دن باردوس سرال کو لے کر اس عبادت گاہ میں گیا جہاں مقدس مَن انت کا قیام تھا۔ وہ صبح کی عبادت میں مصروف تھیں۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد وہ باہر آئیں اور باردوس سے آنے کا سبب پوچھا۔ باردوس نے سرال کا تعارف کرایا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ مقدس راہبہ نے سُرال کو غور سے دیکھا اور بولیں "یہ تو آکاش دیوتا ان کا تحفہ ہے، اَن اِیَل [1] ہے۔ زندگی میں یہ جو بھی سوچے گا اس کی تکمیل میں کوئی رخنہ پڑ ہی نہیں سکتا۔ اس کا ہر عمل ہمارے لیے مثالی ہوگا۔ گناہ اور ثواب کے معیار اس کے اعمال سے ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔ عظیم پتیسی سے کہو کہ وہ اس کے پاؤں دھوئیں اور شمش، کی، ان اور این لل پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی فوج کی کمان اس کے سپرد کر دیں۔ سب ٹھیک ہے۔ اسے شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ جلد ہی یہ نوجوان پتیسی کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر حاصل کرے گا۔"

یہ سن کر باردوس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا کہ یہ نوجوان، جس کو ابھی مقدس مَن انت نے اَن اِیَل کہا تھا، اس کی تلاش تھا۔

مقدس مَن انت اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ انھیں دیکھ کر باردوس اور سرال بھی کھڑے ہو گئے۔ راہبہ نے باردوس کو تنہا اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے کہا "باردوس، یہ لڑکا بڑا مقدس ہے۔ یہ سمیریا کی قسمت بدل دے گا۔ یہ تمھاری قسمت بھی بدل رہا ہے۔ تم جلد ہی ایک بیٹے کے باپ بن جاؤ گے۔ اور اس کے لیے تمہیں اس نوجوان کا شکر گزار ہونا چاہیئے"۔

مقدس مَن انت کی زبان سے یہ باتیں سن کر جیسے اسے یقین نہیں آیا۔ اپنی عمر کو دیکھتے ہوئے اب وہ اولاد سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ اب مارتیسی سے ملتا بھی نہیں تھا لیکن راہبہ کی بات سن کر اس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ کوشش جاری رکھے گا۔ شاید اس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کا وقت قریب آ گیا ہو۔ اس نے جھک کر راہبہ کے پیروں کو بوسہ

دیا اور سرال کو ساتھ لے کر اپنے گھر واپس آ گیا۔

وہ اسی وقت پتیسی سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن پتیسی کہیں اور مصروف تھے اور انہوں نے فوری طور پر اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ ملاقات کے لیے انہوں نے صبح کا وقت مقرر کیا تھا اور باردوس کو بڑی بے چینی سے صبح کا انتظار تھا۔ بیٹے کی پیدائش کی پیشین گوئی نے جیسے اس کی خود اعتمادی لوٹا دی تھی۔ اب اسے ہر ناممکن کام ممکن نظر آنے لگا تھا۔ اس نے یہ بات ماریتیسی کو بھی بتائی تو وہ مسکرا دی۔ مستقبل کے خواب دیکھتے ہوئے وہ کب ماریتیسی کی بانہوں میں سو گیا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔

صبح اٹھ کر وہ پتیسی سے ملا۔ من انت کا پیغام سن کر جیسے انھیں بھی یقین نہ آیا کہ دیوتاؤں نے دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس ان اپل بھیج دیا ہے۔ یا تو وہ سرال سے ملنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا یا اب اس سے ملاقات کے لیے اتنا بے چین ہو گیا کہ اپنے خاص غلام کو باردوس کے گھر بھیج کر سرال کو اسی وقت بلوا لیا۔ سرال سے گفتگو کے بعد اسے راہبہ کی باتوں پر یقین آ گیا۔ وہ واقعی ان اپل تھا۔ اس نے من انت کی بات پر عمل کرتے ہوئے سرال کے پیر دھوئے اور ہاتھ جوڑ کر اس سے درخواست کی۔ ''مقدس ان اپل ہماری سپاہ کو اپنی سرپرستی میں لے لیں اور اائد پر فتح حاصل کریں تو یہ اہل سمیریا کی خوش بختی ہوگی''۔

''اس کاریہ میں آتر تا اُچت نہیں ہے۔ مہامن۔ پہلے میں سینا کا نریکشن کروں گا۔ تت پشچات یدھ کا ابھیاس ہوگا۔ پرستھتیاں انوکول اور سنتوش جنک ہونے پر ہی اائد پر آکرمن کیا جائے گا''۔

پتیسی نے سرال کا جواب سن کر اس کی ذہانت کی دل ہی دل میں داد دی اور اسے جملہ مالی اختیارات کے ساتھ سالارِ لشکر کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔

اپنا نیا کام شروع کرنے سے پہلے اس نے ایک تاجر کے ذریعہ اپنی ماں کو سندیش بھیجا اور اسے پریشان نہ ہونے کی درخواست کی۔ سندیش میں اس نے کہا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے میں لگا ہے اور فی الحال سُمیریا کے لارسا نگر میں ہے۔ اسے یہاں کچھ برس لگ سکتے ہیں۔ یہاں سے فرصت ملتے ہی وہ ماں کی سیوا میں اُپستھت ہوگا اور ان کی آگیا سے ہی آگے کا کام انجام دے گا۔

فوج کے مشق اور دیگر جنگی تیاریوں میں اسے پورا ایک سال لگ گیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اکد کی مہم سر کرنے اور لارسا واپس آ کر ضروری کاموں کو انجام دینے میں اسے ایک سال اور لگ سکتا ہے۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد وہ لگ بھگ دو ہزار چنے ہوئے ویروں کے ساتھ اکد کی طرف روانہ ہو گیا۔

(چھ)

جنگ کا انجام وہی رہا جو سرال نے سوچا تھا۔ اس کے دو ہزار جوانوں نے اکد کو روند ڈالا تھا۔ شاروکین نے جم کر مقابلہ کیا تھا لیکن سرال کی جنگی حکمت عملی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ اپنی شکست کے آثار دیکھ کر وہ فرار ہو گیا۔ اپنی شاندار جیت کی اطلاع اس نے ایک غلام کے ذریعہ فوراً ہی پتیسی لوگل زگسی کو بھیج دی تھی۔ لارسا اور سمیریا کے دوسرے تمام شہروں میں جشن فتح منایا گیا تھا۔ لارسا کے لوگ خاص طور پر اس کا استقبال کرنے کو بے چین تھے۔ دوران جنگ اس کی شجاعت اور حکمت عملی کے ناقابل یقین قصے لوگوں کی زبان پر تھے اور سارے لوگ اسے عام انسان نہ سمجھ کر ان اپل تصور کرنے لگے تھے۔

سب سے زیادہ بے چینی باردوس اور مارتیسی کو تھی۔ ان کی بے چینی کا سبب مختلف تھا۔ مارتیسی کے لڑکا ہوا تھا اور اب وہ چھ مہینے کا ہو چکا تھا۔ اس خبر نے باردوس کو وہ تمام باتیں یاد دلا دی تھیں جو مقدس من انت نے اس سے کہی تھیں۔ وہ سرال کا منتظر تھا کہ اس کی اس مہربانی کے لیے اس کے شایان شان شکریہ ادا کرے لیکن مارتیسی اس لذت کو ایک لمحہ فراموش نہیں کر سکی تھی جو اسے سرال سے ملی تھی وہ منتظر تھی کہ سرال کے آنے کے بعد اس کا اعادہ ممکن ہو سکے گا۔

لیکن سرال کو آنے میں کچھ اور دیر لگی۔ دراصل اکد کو فتح کرنے کے بعد وہاں کا ایسا انتظام کرنا ضروری تھا کہ دوبارہ بغاوت کا امکان نہ رہے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اکد قوم سمیریا میں رہنے والوں سے نفرت کرتی ہے۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یہاں کی ذمہ داری وہ کسی اکد کو ہی سونپے گا۔ بس ایسے ہی کسی شخص کی تلاش میں جس کا تعلق اکد

قوم سے بھی ہو اور جو پتیسی لوگل زگسی کا وفادار بھی رہ سکے اسے ضرورت سے زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ اور اب سارے انتظامات کی تکمیل کے بعد وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ لارسا کی کی طرف واپس آ رہا تھا۔

سُرال کے ساتھ اکد کے بیش بہا خزانے تھے اور شارکین کی فوج کے وہ منتخبہ لوگ بھی جنہیں وہ سمیریا کی فوج کا حصہ بنانے کے لیے اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ سمیریا کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد راستے میں پڑنے والے ہر شہر اور بستی میں اس کا شاندار استقبال ہو رہا تھا۔ کچھ تو لوگوں میں سُرال کو دیکھنے کا جوش تھا اور کچھ مقدس پتیسی کے حکم کا خیال بھی۔ اس کام کے لیے پتیسی لوگل زگسی نے اپنے خزانے کا منہ کھول دیا تھا تاکہ لوگ اس کی خوشیوں میں پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہو سکیں۔

پتیسی لوگل زگسی کا اس طرح خوش ہونا فطری بھی تھا۔ اس کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی تھی۔ اب وہ دجلہ اور فرات کے درمیانی حصے کا کوہ آرمینیا سے خلیج فارس تک بلا شرکت غیرے مالک و مختار تھا۔ اور اب ان دو طاقتوں کے اتحاد سے اس کی قوت میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ دوسری قومیں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

لارسا کی سرحد کے پاس عبادت گاہ کا پورا عملہ پتیسی اور مقدس من انت کی سربراہی میں سُرال کا منتظر تھا۔ تاکہ دیوتاؤں کی مرضی کے عین مطابق ان اہل کا استقبال کیا جاسکے۔ ان کے پیچھے درجہ بہ درجہ ان کے ارکان دولت اور شہریوں کی قطار تھی۔ جو صاف ستھرے اور نئے سلے کپڑے پہنے تھے اور جن کے دل اپنے محسن کو دیکھنے اور ملنے کو تڑپ رہے تھے۔

سُرال ایک ہاتھی پر سوار آگے چل رہا تھا۔ یہ ہاتھی شاروکین نے اپنے لیے مشرق سے منگوایا تھا۔ شہر کی سرحد پر اس نے پتیسی کو دیکھا تو نیچے اتر کر پتیسی اور مقدس من انت کو ان کے مرتبے کے مطابق احترام دیا۔ پھر کچھ مذہبی رسوم ادا کی گئیں۔ سرال نے اہل شہر کے درمیان کچھ وقت گزارا۔ باردوس اور مارتیسی سے وہ خاص طور پر ملا۔ آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہوا اور آخر میں سرال پھر سے پتیسی لوگل زگسی کے پاس آگیا اور بولا ”آنند کے اس اوسر پر میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔ آشا ہے انکار نہ کریں گے۔“

جواب پتیسی کے بدلے راہبہ نے دیا تھا۔ ”ان اہل تمہاری کسی خواہش کی تکمیل

کر کے پتیسی کو خوشی ہوگی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کہنے کے پہلے ہی تمہاری بات مانی جا چکی ہے۔ میں نے غلط تو نہیں کہا مقدس سنگو؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ ان ایل کی کسی خواہش کی تکمیل کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا"۔ پتیسی لوگل زگسی جلدی سے بولے۔"اور اپنی محبت کے ثبوت میں میں اپنا خاص مصری غلام اکارا ان ایل کی نذر کرتا ہوں"۔

مقدس سنگو کا اپنے خاص غلام کو تحفے میں دینے کا اعلان معمولی بات نہ تھی۔ اس لیے کہ سمیریا کے قانون کے مطابق پتیسی کا تقدس اس کا متقاضی تھا کہ ان کی استعمال کی ہوئی چیز کوئی دوسرا استعمال نہیں کرے لیکن سُرال کی بات دوسری تھی۔ وہ ان ایل تھا جس کا تقدس پتیسی سے کسی اعتبار سے کم نہیں تھا۔

اب وہ سرال کی خواہش جاننے کے لیے بڑی بے صبری سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"تو پتیسی لوگل زگسی مجھے انومتی دیں کہ میں گملانگر کے لیے پرستھان کروں اور وہاں جا کر اپنے بچھڑے ہوئے پریوارجنوں سے ملوں"۔

پتیسی کی سُرال کی یہ درخواست دل پر رکھے تیز خنجر جیسی محسوس ہوئی۔ وہ بے چین ہو گئے۔ شہر کے لوگ بھی یہ سن کر مغموم ہو گئے۔ لیکن پتیسی اور مقدس من انت نے پہلے ہی اس کی درخواست کو قبول کرلیا تھا۔ اس لیے مجبوری تھی۔ پتیسی کی درخواست پر یہ طے ہوا کہ ابھی کچھ روز ان ایل لارسا میں آرام کریں اور جب بھی وہ واپسی کا ارادہ کریں گے تو کوئی مزاحم نہ ہوگا۔

پتری پال

(ایک)

دیوانئی کے نام سرال کا سندیش ملے تین برس ہو چکے تھے۔ اور گملانگر میں اس کا بڑی
بے صبری اور شدت کے ساتھ انتظار ہو رہا تھا۔ سمیریا سے آنے والے تاجروں نے سرال
کے کارناموں کے جو قصے سنائے تھے وہ حیرت انگیز تھے۔ شاید یہ سرال کی شہرت ہی کا
فیضان تھا کہ گزشتہ تین برسوں میں یہ چھوٹا سا شہر بیرونی تاجروں کی آماجگاہ بن گیا تھا اور اب
مقامی ناگرک بھی تجارت کے پیشے کو اپنانے لگے تھے۔ اس کا نتیجہ اچھا نکلا تھا لوگوں کی
خوش حالی اور فارغ البالی میں اضافہ ہوا تھا۔ ان ہی تاجروں نے بتایا تھا کہ سمیریا کے پتیسی
اور شہری سرال پر جان چھڑکتے ہیں۔ شاروکین سے جنگ اور شاندار جیت کا واقعہ بھی ان ہی
تاجروں کی زبانی نہایت تفصیل سے پہنچ چکا تھا۔ گملاواسی خوش تھے۔ گملا پالک کا سینہ فخر سے
پھول گیا تھا کہ ان کا ہونے والا پتری پال کوئی معمولی نوجوان نہیں ہے۔ لیکن دیوانئی فکرمند
تھی۔ اس کی فکر فطری تھی۔ اس کے لاڈلے بیٹے نے حصول علم کا بہانہ بنا کر اپنی زندگی پر کتنا
بڑا خطرہ مول لے لیا تھا۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی، لیکن اب وہ خوش تھی کہ خطرہ ٹل چکا تھا اور اس
کا نتیجہ اچھا نکلا تھا۔ وہ فتح یاب لوٹا تھا جو اس کی نیک نامی کا سبب بن گیا تھا۔

کاش اس کی آمد کے اس خوشی کے موقع پر مہرشی کرپا ہوتے، دیوانئی سوچتی، وہ کتنا
خوش ہوتے کہ ان کی ریاضت برگ وبار لائی تھی لیکن پچھلے سال طویل علالت کے بعد ان کا
دیہانت ہو چکا تھا۔ آخری وقت میں بھی سرال کو ایک بار دیکھ لینے کی ان کی اچھا تھی جو پوری نہ
ہو سکی تھی۔ دیوانئی اب اپنے مقصد کے ساتھ تنہا رہ گئی تھی۔ گملا پالک اس کا بہت خیال

رکھتے تھے لیکن وہ اس کی زندگی کے پیچ وخم سے آگاہ نہیں تھے۔انھیں معلوم تھا تو بس اتنا کہ دیوانئی کا آبائی وطن دل من ہے جہاں سے کسی جرم کی پاداش میں اسے نکال دیا گیا تھا۔اس بات کو بیس برس سے زیادہ ہو چکے تھے۔دل من کے لیے اس کی تڑپ دیکھ کر نگر پالک کوشک نار بھی دکھی ہو جاتے تھے لیکن ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ جب جب وہ یہ کہتے کہ اگر اس کی اچھا ہو تو وہ کشال سے بات کر کے اس کی دل من واپسی کا انتظام کر سکتے ہیں تو وہ اس تجویز کو سختی سے مسترد کر دیتی تھی۔کوشک نار سوچتے پتہ نہیں وہ کون سی پھانس ہے جو دیوانئی کے دل میں چبھی ہوئی ہے۔وہ بھی دیوانئی کی ہی طرح سرال کے منتظر تھے تا کہ اپنے بیٹے سے مل کر دیوانئی کی تنہائی دور ہو سکے۔انھیں یقین تھا کہ سرال اور تارکی کی شادی سے جو خوشی دیوانئی کو ملنے والی ہے وہ اس کے غموں کا ازالہ کر دے گی۔

لیکن دیوانئی کا غم کسی اور ہی طرح سے دور ہونے کا منتظر تھا۔ایسا نہیں تھا کہ دیوانئی کوشک نار کی فکروں سے ناواقف تھی۔ چاہتی تو وہ ان سے اپنا دکھ بتا کر ہلکی ہو سکتی تھی۔لیکن اسرار کے پردے میں پوشیدہ اس کا ماضی اور بے یقینی کے بھنور میں پھنسا اس کا مقصد ابھی چھپا ہی رہنا ٹھیک تھا۔وہ بتائے بھی کیوں؟ کیا اس کے محسن اس حقیقت کو قبول کر پائیں گے کہ کشال کا قتل ہی اس کے دکھوں کا علاج ہے۔کیا وہ اس قتل کو انصاف پر مبنی سمجھ سکیں گے۔شاید نہیں۔ ماضی میں ہونے والا یہ واقعہ انھیں محض ایک حادثہ ہی لگے گا۔ایسا حادثہ جس میں اقتدار کی بلندی پر بیٹھا، دل من جیسے عظیم نگر کا مہا پالک صرف عیاشی کا ہی مجرم تو ٹھہرے گا۔اور اقتدار کی روشنی میں یہ جرم نہیں کہلاتا۔یہ عیاشی تو ان کے قانون کا ہی ایک حصہ ہے۔پھر اگر اس کے ساتھ ایسا ہوا تو کون سی انہونی ہو گئی۔دوسری عورتیں بھی تو آخر یہ سب سہتی ہیں۔زندگی جینے کا یہ بھی تو ایک طریقہ ہے۔دیوانئی جانتی تھی کہ وہ کیا کیا باتیں اپنی حمایت میں کہیں گے اور اسے اپنے مقصد کو ترک کرنے کو اکسائیں گے۔وہ اپنی بات انھیں نہیں سمجھا پائے گی۔اس کی سمجھ میں وہ سب کیوں آتا ہے جو دوسری عورتوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔اس کے ذہن میں یہ بات کیوں واضح ہے کہ یہ واقعہ محض عیاشی نہیں ہے۔عورت بھی تو مہادیو کی تخلیق ہے۔دل، ذہن، احساس اس کے پاس بھی تو ہے۔بس جسمانی طور پر ہی تو وہ مرد سے کمزور ہے۔کیا بس اتنی سی کمزوری کے لیے وہ مرد کی خواہشات پر قربان ہوتی رہے۔بے زبان جانوروں کی طرح۔وہ کیسے سمجھا پائے گی کسی کو کہ یہ

قربانی محض مرد کی جیت ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ یہ ایک فرد کے ذریعہ دوسرے فرد کے خوابوں کا، آسائشوں کا، مسرتوں کا قتل ہے۔ اس کے محسن کو کیا پتہ کہ اس حادثے نے اسے ہمیشہ کے لیے مردوں سے متنفر کر دیا ہے۔ اب وہ اپنی فطری زندگی کبھی نہیں جی سکے گی۔ کیا یہ میری شخصیت اور میری نسوانیت کا قتل نہیں ہے۔ دیوانئی کے اندر بھرا ہوا غصہ پھر جوش میں آ رہا تھا۔ اسے لگا مہادیو نے اسے کشال کے قتل کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ ورنہ کیا ضرورت تھی اسے پیدا ہونے کی۔ ماں باپ کی شفقت سے محروم، اپنے بھائی متھو کے پیار کے سائے میں وہ پروان چڑھی اور جب اس کے پیار کے لیے خود اس کے کچھ کرنے کا وقت آیا تو نہ وہ دیوانئی رہی اور نہ متھو ہی زندہ رہا۔ یہ سب مہادیو کی مرضی سے ہی تو ہوا ہوگا کہ کشال میرے ساتھ زبردستی کرے اور میں اسے سزا دوں۔ دیوانئی کو شدید احساس ہو رہا تھا کہ وہ مہادیو کے کسی عظیم منصوبے کا ایک ادنیٰ حصہ ہے۔ اسے کشال کو سزا دینی ہی ہے۔ مہادیو نے سرال جیسے بیٹے کی شکل میں اسے ایک ہتھیار بھی تو دیا ہے۔ اوہ، کیا اسی لیے مہرشی کرپا اسے دیوی کہتے تھے اور سرال کو دیو پتر۔ جو وہ نہیں جان سکی تھی شاید مہرشی جان گئے تھے۔ کیا واقعی میں کسی بڑے انقلاب کے لیے مہادیو کا ذریعہ ہوں۔ پھر تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مقصد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ''میرا بیٹا، میرا سرال''۔ دیوانئی کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ وہ بیٹھی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کشال کی موت ہی اس کے دل کو ٹھنڈک پہنچا سکتی تھی اور یہ بات کوشک نار کو نہیں معلوم تھی۔ سرال کے آنے کے بعد وہ کشال اور دل من سے اپنے تعلق کے ایک ایک راز سے پردہ اٹھا دینا چاہتی تھی تاکہ سرال وہ راستہ نکال سکے جو اس کے مقصد کے حصول اور انتقام میں معاون ہو۔ سرال کی جنگی کامیابیوں سے وہ اسی لیے خوش تھی کہ اب اسے اس کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا۔ لیکن کسی طرح کا خطرہ اٹھانے سے پہلے وہ سرال کی شادی کر دینا چاہتی تھی۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ سرال نہایت شان و شوکت اور بے اندازہ دولت کے ساتھ گملانگر واپس آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ سیوکوں کی تعداد دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود بھی کسی نگر کا پالک ہو۔ پنتیسی لوگل زگسی نے اپنی خوشی کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ ان کا خاص تحفہ سیاہ فام غلام اکارا اب اس کا محافظ تھا اور ہر لمحہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ شہر کے باہر اس

۱۔ ان اہل دیو پتر کا سمیریائی متبادل ہے۔

کا استقبال کرنے والوں کی بھیڑ تھی۔ جس میں کوشک نار، ان کی پتنیاں اور بیٹی تارکی بھی تھی۔ سرال نے ان سب کی محبتوں کا جواب دیا تھا۔ لیکن وہ اپنی ماں سے ملنے کو بیتاب تھا اور کوشک نار نے بتایا تھا کہ دیوی دیوانئی بیمار ہیں، وہ سیدھا اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ دیوانئی نے اسے دیکھا تو بے اختیار سینے سے لگا لیا اور چومنے لگی۔ اس نے سوچا سرال کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ قوی اور قد آور معلوم ہو رہا تھا۔ سرال نے ماں کے قدموں پر سر رکھا اور اسی کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا۔

کیسی ہو ماتا؟ اس نے پوچھا۔

''اب میری کیا پوچھتے ہو''۔ دیوانئی بولی ''جیسی بھی ہوں ٹھیک ہوں۔ پرنتو تم بھی تو اس بات کا دھیان نہیں رکھتے کہ تمھاری ماں پر کیا بیت رہی ہے''۔

یہ سن کر سرال کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ واقعی اس نے ماں کو بہت دکھ دیا تھا۔ وہ بولا ''ہریوپیکا میں جو ہوا اس نے مجھے تم سے دور جانے پر بادھیہ کر دیا۔ تم سے دور رہ کر میرے ہردے پر کیا بیت رہی تھی وہ بس میں ہی جانتا ہوں۔ اب میں تمھارے پاس رہوں گا ماتا اور وہ کروں گا جو تم کہو گی''۔

دیوانئی کی نظر اس کے پیچھے کھڑے بھیانک چہرے والے اکارا پر پڑی تو اس نے حیران ہو کر پوچھا ''یہ تمھارے پیچھے کون کھڑا ہے پتر''۔

''اوہ میں تو پریچے کرانا ہی بھول گیا''۔ سرال نے بتایا ''یہ میرا متر اور رکشک اکارا ہے اسے میں سمیریا سے ساتھ لایا ہوں''۔

''اچھا تو کیا تم اسے باہر نہیں بھیج سکتے''؟

''کیوں نہیں''۔ سرال بولا اور پھر اکارا سے مخاطب ہو کر کہا ''تم باہر جا کر میری پرتیکشا کرو''۔

''جو حکم مالک کا'' اکارا بولا اور گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔

دیوانئی نے اکارا کے باہر جاتے ہی سرال سے اپنے دل کی بات کہی۔ ''تم کچھ دن وشرام کر لو، پھر تارکی سے تمھارا وواہ دھوم دھام سے کروں گی''۔

''ماتا ابھی اس کی کیا جلدی ہے'' سرال بولا۔ ''کشال اب بھی میری کھوج میں

ہوگا۔ میرے یہاں آنے کا سماچار اسے ضرور مل گیا ہوگا۔ پہلے میں اس جھگڑے کو سماپت کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد ہی وواہ کے بارے میں سوچنا اچت ہوگا''۔

''نہیں پتر، وواہ تو تمہیں پہلے کرنا ہوگا''۔ دیوانی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''رہی کشال کی بات تو وہ مدرا اور ولاس میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اب اسے اپنی ہی خبر نہیں ہے پھر بھلا وہ تمہاری چنتا کیا کرے گا۔ تم نشچنت رہو۔ وواہ کرو۔ کچھ دن وشرام کرو۔ پھر دل من اور کشال کے بارے میں سوچیں گے۔ کشال سے مجھے بہت پرانا حساب چکانا ہے''۔

''کیا اس بیچ کشال نے تمہارے ساتھ کوئی دھرشٹتا کی'' ؟

''نہیں یہ بہت پرانا حساب ہے پتر۔ کبھی چین سے باتیں کریں گے۔ ابھی تو تم اندر جاؤ اور گملا پالک سے مل کر ان کا دھنیہ واد کرو۔ وہاں تارکی بھی تم سے ملنے کو بے چین ہے۔ وہ ایک ایک دن گن گن کر تمہارے آنے کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی سکھی کامکی اس کے بارے میں مجھے بتاتی رہتی ہے۔ اس نے تمہیں کبھی دیکھا نہیں ہے، پھر بھی تمہاری پوجا کرتی ہے''۔

تارکی کے بارے میں اپنی ماں کے منہ سے سن کر اسے کچھ عجیب لگا اسے اچانک مارتیسی یاد آگئی جس نے اپنی البیلی جوانی کے جوش میں اسے بھی زندگی کے حسن سے متعارف کرا دیا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں سمیریا اور گملا نگر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ گملا نگر میں اس طرح کے رشتے بنتے تو تھے لیکن انھیں برا سمجھا جاتا تھا۔ پھر تارکی تو اس کی ہونے والی پتنی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ ایسا ویسا سوچنا اسے خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

(دو)

تارکی غصے میں کھول رہی تھی اور اس کا سارا غصہ اس کی سکھی کامکی پر اتر رہا تھا۔ کمرے کا بہت سا قیمتی سامان اس کے غصے کا شکار ہو چکا تھا۔ کامکی اب بھی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی سمجھ میں جیسے کچھ آ ہی نہیں رہا تھا۔ سارا گھر اس کی اس تنک مزاجی سے پریشان تھا۔ اس کا مزاج بدلنے کی ہر ممکن کوششیں کی گئیں۔ دیوتاؤں سے جتماعی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا لیکن اس کا مزاج نہیں بدلا۔ والدین یہ سوچ کر اکثر فکر مند ہو جاتے کہ کہیں اس کا یہ غصہ اس کی ازدواجی زندگی کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ اس وقت بھی اس کی

خفگی کا سبب کچھ خاص نہیں تھا۔ لیکن اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ سرال کے آنے کی خبر سن کر اس نے خود کو بڑے اہتمام سے سجایا تھا۔ اس نے نہایت نفیس سوت کا باریک لہنگا اور دوپٹہ خاص آج کے لیے تیار کروایا تھا۔ ایک پہر تو اسے بالوں کی آرائش ہی میں لگ گیا تھا۔ پھر اس نے سونے اور چاندی کے دلکش زیورات سے، جس میں موتیوں اور سیپیوں سے بھی کام لیا گیا تھا، خود کو آراستہ کیا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر سرخ رنگ بھی لگایا تھا اور یہ سب اس نے اپنی سکھی کامکی کے کہنے پر کیا تھا۔ اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ سرال کی پہلی نظر جب اس پر پڑے تو وہ اپنی سدھ کھو بیٹھے۔ دیوتاؤں نے اسے بہت خوب صورت بنایا تھا۔ اس کی ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھیں دور دور تک اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اس کا چہرہ اس خطے میں رہنے والے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ صاف اور دلکش تھا۔ جسم سڈول تھا کہ نظریں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے آپ پھسل جاتی تھیں۔ اس پر کامکی کی مدد سے اس نے جس طرح خود کو آراستہ کیا تھا، اس سے واقعی اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے۔ لیکن ہوا کیا۔ سرال آیا، اس پر بھی بس اوروں کی طرح ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اس کی تو سارے دن کی محنت برباد ہو گئی۔ بس اسی بات پر اسے غصہ آ گیا تھا جو کامکی کے سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔

اسی وقت ایک داسی کمرے میں آئی اور مودب بولی "بھاگیہ متی تارکی کو نگر پالنی ماتا کروتی یاد کر رہی ہیں"۔

"ماتا سے کہو ہم تھوڑی دیر میں آئیں گے، ہم ابھی کچھ کر رہے ہیں"۔

"لیکن ماتا کا آدیش ہے کہ سرال کے آنے پر تارکی کو بھی ان کے ساتھ رہنا چاہیے"۔

تارکی چونکی، سرال کے نام نے جیسے اس پر جادو کر دیا تھا۔ وہ سنبھل کر بولی "تو کیا دیو پتر آ رہے ہیں؟ اچھا ماں سے کہو ہم آ رہے ہیں"۔

اب کامکی کے ہنسنے کی باری تھی۔ "ارے واہ سرال کا نام سنتے ہی کرودھ لپٹ۔ بھلا ہمیں کیا پتہ تھا، نہیں تو ہم پہلے ہی یہ منتر پڑھ کر پھونک دیتے"۔

"وینگیہ سے کام نہ لو کامکی۔ ترنت میری حالت ٹھیک کرو۔ اگر انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو کیا کہیں گے"۔

"گھبراؤ مت، اچھا ہی کہیں گے" کامکی بولی۔ "پرش استری کے حسن کے بارے میں کبھی برا نہیں سوچتا ہے"۔

"تم ہر سمے گندی گندی باتیں سوچتی رہتی ہو" تارکی نے کہا۔

"نہیں بھاگیہ متی تارکی جی، یہ تمہارے من کے اندر کا چور ہے۔ میں نے تو کوئی گندی بات کی نہیں"۔

تارکی اور کامکی دونوں ماتا کروتی کے کمرے میں پہنچیں تو وہاں کی سجاوٹ دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ سرال کا یہاں آنا کچھ خاص مطلب رکھتا ہے۔ تارکی نے سوچا۔ ماتا سیتی بھی وہاں تھیں اور دونوں مل کر داسیوں کی مدد سے سرال کے سواگت کی تیاریوں میں لگی تھیں۔

ان لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ پلوں میں ہی انہوں نے دیوانئی اور سرال کو اندر آتے دیکھا مہامن کوشک نار بھی ساتھ تھے۔ تارکی کی نظریں سرال پر ٹکی ہوئی تھیں اور جیسے ہی سرال نے اس کی طرف دیکھا اس نے نظریں جھکا لیں۔ سرال بھی جیسے نظروں کے اس تصادم سے کچھ گڑبڑا گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ فوراً ہی ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔ تارکی نے محسوس کیا کہ سرال اسے دیکھتے ہی ہوش کھو بیٹھا ہے۔ اس سے اس کی مشتعل انا کو کچھ سکون ملا۔ ادھر سرال کا حال کچھ دوسرا تھا۔ تارکی کو دیکھ کر اس کے من میں پریم کے پھول نہیں کھلے تھے۔ اسے لگا کہ تارکی اس کے آدر کی پاتر ہے۔ وہ اس کا سبب سوچنے لگا تو یہ نتیجہ نکلا کہ تارکی اس کی ماں کا آدیش اور اس کی ماں کے اپکار کرتا کی پتری ہے۔ اس لیے اسے اس کا آدر کرنا ہے۔ اس نے اپنے دل کو تارکی سے شادی کے لیے آمادہ کر لیا تھا لیکن وہ جذبہ اب بھی سویا ہوا تھا جسے دو نوجوان دلوں کی دھڑکن کہا جاتا ہے۔

بات دیوانئی نے شروع کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ سرال تارکی سے وواہ کے لیے تیار ہے۔ تارکی نے اپنی ماں سے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔ اب اس رشتے میں کوئی دشواری نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ دونوں کو ایک ساتھ بٹھایا گیا۔ دونوں کے اوپر کچھ پانی ڈالا گیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے سے وواہ کا وعدہ کیا۔ ایک طرح سے یہ منگنی کی رسم تھی جو مقدس پانی کی گواہی کے ساتھ انجام دی گئی تھی۔ دیوانئی نے بتایا کہ شادی سے پہلے سرال مہامن

کوشک نار سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ مہامن نے دوسری صبح کا وقت گفتگو کے لیے مقرر کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ مختصر سی تقریب اختتام کو پہنچ گئی تھی۔

اس رات دیوانی نے سرال کو وہ ساری باتیں بتائیں جو دل من میں اس کے ساتھ پیش آئی تھیں۔ کس طرح کشال نے اس کے ساتھ زبردستی کی۔ کس طرح اس کا بھائی در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد قتل کر دیا گیا اور کس طرح اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ سرال کے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی پرندوں کی طرح اڑ کر دل من پہنچ جائے اور اسی لمحے کشال کو قتل کر دے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ کشال معمولی آدمی نہیں ہے۔ دل من جیسے طاقتور شہر کا نگر پالک ہے۔ وہ پہلے ہی کشال کا دشمن تھا کہ اس نے اسے اپنی دھرتی سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کی ماں نے جو کچھ سنایا تھا اس نے اس کے غصے کی آگ میں تیل کا کام کیا تھا۔ اب صبح مہامن کوشک نار سے گفتگو کے لیے اس کے پاس ایک اور مضبوط بنیاد تھی۔

کوشک نار سے ملنے کے لیے وہ طے شدہ وقت پر پہنچ گیا۔ وہ اس کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ ان کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کچھ بے چین ہیں۔ شاید سرال کے دل کی بات کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ خدشات میں مبتلا تھے۔ ان کے دل میں شاید یہ ڈر تھا کہ کہیں سرال کسی بہانے اس شادی سے انکار تو نہیں کرنا چاہتا ہے۔ رسمیات سے گریز کرتے ہوئے وہ براہ راست سرال سے مخاطب ہوئے۔ ''پتر میں تمھاری باتیں سننے کا اچھک ہوں''۔

''میں مہامن کی اس کرپا کا ہردے سے آبھاری ہوں''۔

''تم اپنی بات آرمبھ کر سکتے ہو'' کوشک نار نے اسے اکسایا جوان کی بیتابی کا مظہر تھا۔

''میری بات سنکشپت ہے، واستو میں میری اچھا ہے کہ میں دل من پر آکرمن کر کے کشال کا کچھ پرانا حساب صاف کر دوں پھر وواہ سنکارت ہو''۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ کون سا حساب ہے جو تم کشال سے برابر کرنا چاہتے ہو پرنتو اتنا اوشیہ کہنا ہے کہ حساب تو مجھے بھی برابر کرنا ہے اور اس وواہ کے بعد اگر تم دل من پر آکرمن کرنا چاہو گے تو میں تمھاری یتھا سمبھو سہایتا کروں گا''۔

''پرنتو میں سمجھتا ہوں کہ وواہ کے جنجال میں پھنسنے کے اپرانت ادیشیہ کی پراپتی

کٹھن ہوجائے گی''۔

''یہ تمھاری انو بھو ہینتا بول رہی ہے پتر، وواہ جنجال نہیں ہے۔ اس سنسار میں انیک ویکتیوں نے دواہ کے بعد مہان کاریہ کئے ہیں۔ یہ بات اوشیہ ہی کسی نے نہ سنی ہوگی کہ کسی نے ادیشیہ پراپتی کے لیے وواہ جیسے آوشیک سنسکار کو استھگت کیا ہو''۔ کوشک نارنے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں نے اپنا وچار آپ کو بتایا، اب یدی آپ کو یہی اچت لگتا ہے تو پھر وواہ استھگت کرنے کا اور کوئی کارن نہیں''۔ سرال نے ان کی بات سے جزوی اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر اچھا ہے کہ اس شبھ کاریہ کو اتی شیگھر کرلیا جائے جس سے میں اپنے ادیشیہ کی پراپتی کے لیے اور پرتیکشا سے بچ جاؤں''۔

کوشک نار کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا اس نے اٹھ کر سرال کو گلے سے لگالیا۔ وہ اس کی شرافت نفس اور فرماں برداری سے بے حد متاثر تھا۔ سرال نے رخصت کی اجازت طلب کی اور وہاں سے اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ نگر پالک کو بھی جلدی تھی کہ وہ جاکر سیتی اور کروتی کو بھی یہ خوش خبری سنائیں تاکہ فوری طور پر شادی کی تیاریاں شروع کی جاسکیں۔

(تین)

سرال کو تارکی کی قیمت اس کے والدین کو ادا کرنی تھی جسے فریقین نے طے کیا تھا۔ سمیریا سے وہ کافی دولت ساتھ لایا تھا اس لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے سونے کی پانچ سو اور چاندی کی پانچ ہزار مہریں نگر پالنی کروتی کو نگر پالک کوشک نار اور نگر پالنی سیتی کی موجودگی میں ادا کردی تھیں۔

شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے پانچ دیواینتوں کے پجاریوں کو طلب کیا گیا جنہوں نے پہردل حساب کتاب کے بعد بتایا تھا کہ نئے چاند کا آٹھواں دن وواہ کے لیے شبھ ہے۔

مقررہ تاریخ آنے پر دھوم دھام سے شادی کی تمام رسمیں ادا کی گئیں۔ سورج نکلنے سے

پہلے سرال اور تارکی کو مہادیو ایتن میں لے جایا گیا جہاں انہوں نے مقدس تالاب میں غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور تارکی کے جلد بارآور ہونے کی دعائیں کیں۔ اس کے بعد وہیں تمام دیوتاؤں کے سامنے سرال سے کہلوایا گیا: "میں دیوانی پتر سرال پرتگیا کرتا ہوں کہ تارکی کی گود سونے چاندی سے بھر دوں گا اور اسے جیون میں کوئی کشٹ نہیں دوں گا۔ آج کے بعد سے میں اس کا پتی ہوں اور یہ میری پتنی۔ یدی تارکی کہے کہ تم میرے پتی نہیں تو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سندھ ندی میں پرواہت کر دیا جائے گا اور یدی میں کہوں کہ تارکی میری پتنی نہیں تو اسے پانچ سو سونے کی مہریں اور دوں گا"۔

پرتگیا کی رسم پوری ہونے کے بعد سرال کی جانب سے ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا جس میں سارا شہر مدعو تھا، اس میں انواع و اقسام کے گوشت اور کئی طرح کی روٹیاں تھیں۔ یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا۔ دن ڈوبنے کے بعد پجاریوں نے تارکی کو صاحب اولاد ہونے کی دعائیں دیں۔ پھر ایک جم غفیر انھیں اس مکان تک لے گیا جسے نگر پالک نے دوسرے سامان کے ساتھ اپنی پتری کو تحفے میں دیا تھا۔ اس مکان میں آنے والے پانچ دنوں کے لیے دونوں کو بند کر دیا گیا۔ شادی کی یہ سب سے آخری رسم تھی۔

(چار)

سرال اور تارکی کی شادی کو چھ ماہ گذر چکے تھے۔ تجسس، اشتیاق اور ایک دوسرے کو پالینے کا جذبہ سرد پڑ چکا تھا اور دونوں کی زندگی معمول پر آگئی تھی۔ تارکی کے مزاج کی وہ پرتیں جو سرال کی نظروں سے اوجھل تھیں اور جن کے بارے میں شادی سے پہلے اسے کسی نے کچھ نہیں بتایا تھا، رفتہ رفتہ کھلنے لگیں۔ تارکی سرال کو اپنی مقبوضہ زمین کی طرح استعمال کرتی تھی اور سرال کے لیے وہ ماں کی خوشی تھی۔ اس لیے جہاں تارکی کی خشک مزاجی، لاپرواہی اور سیماب صفتی بے جھجک سرال کے شب و روز تلخ کرنے لگی وہیں سرال کے دل میں تارکی کے لیے جو عزت تھی اپنی جگہ برقرار رہی۔ وہ تارکی کے وجود کو زندگی کی ایک اور آزمائش سمجھ رہا تھا اور کسی آزمائش میں ہار ماننا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

اس پر طرہ یہ کہ تارکی گربھوتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس کے چڑچڑے پن میں اور

اضافہ ہوگیا تھا۔ ایک دن جب غصے کے عالم میں اس نے اپنی ماں کے پاس جانے کی بات کی تو سرال خوشی سے خود جا کر اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا۔ سرال نے دیکھا کہ وہ ماں سے ملتے ہی کچھ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی جیسے سرال نے اسے جسمانی اذیتیں دی ہوں۔ لیکن سرال نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسے یقین تھا کہ چونکہ بگر پالنی کروتی تارکی کے مزاج سے پوری طرح واقف ہیں اس لیے ضرور اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کریں گی۔

سرال نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا تھا کہ اب وہ اپنے مقصد کی طرف دھیان دے گا اور تارکی کے بارے میں اس وقت تک نہیں سوچے گا جب تک کشال سے اس کا انتقام مکمل نہیں ہو جاتا۔ تارکی کو چھوڑ کر وہ سیدھا دیوانی کے پاس آیا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر دیوانی کو لگا کہ جیسے آج بھی دونوں میں کچھ کہا سنی ہوگئی ہے۔ وہ سرال کو سمجھانے لگی۔ دیوانی کی ہمدردیاں اب بھی تارکی کے ساتھ تھیں۔ انھیں اب بھی اپنی پتر پالتا لاتعداد صفات کی حامل نظر آتی تھی۔ تارکی کی بدمزاجی کے بارے میں شاید اسے اس لیے کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ابھی تک دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ دیوانی اب بھی گرھی کے اپنے پرانے کمرے میں رہتی تھی اور سرال اور تارکی کو شک نار کے فراہم کئے ہوئے اس نئے مکان میں رہتے تھے جو شہر کے آخری سرے میں تھا۔ دیوانی کی نظر میں مردوں کا جو تصور ایک عرصے سے تھا۔ اب وہ سرال کو بھی اسی زاویئے سے دیکھنے لگی تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ تارکی کو معصوم اور سرال کو لاپرواہ سمجھے جا رہی تھی۔

سرال نے کمرے میں آ کر حسب معمول اپنی ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا اور بولا۔ ”اب سے آ گیا ہے کہ میں دل من اور کشال کے بارے میں سوچنا شروع کر دوں“۔

دیوانی جیسے نیند سے چونکی۔ وہ ابھی تک تارکی کے بارے میں ہی سوچے جا رہی تھی۔ ”ہاں پتر ایسا نہ ہو کہ یہ جیون چکر ہمارے اُدیشیہ کی اپیکشا کرنے لگے۔ اس لیے اس اور دھیان دینا آوشیک ہے۔“

”میں آپ سے اسی وشے پر پرامرش کرنے آیا ہوں کہ ہماری کاریہ شیلی کیا ہوگی؟“

دیوانی نے اچانک پوچھا۔ ”تم نے تارکی سے پوچھا؟“

"ماتا تمھاری درشٹی میں تارکی بہت بدھی مان ہے پرنتو میں نے اسے ایسا نہیں پایا۔ اس لیے پوچھنا تو دور، اس وشے پر اس سے کوئی بات کرنا بھی مجھے اچت نہیں لگا"۔

"پُتر تم اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ابھی اس کا بچپنا نہیں گیا۔ سمبھو ہے اس پر اپنے پِتا کے بے جالاڈ پیار کا بھی کچھ اثر ہو۔ وواہ ہو جانے کے بعد اس طرح کی باتیں نرتھک ہو جاتی ہیں۔ اب تو بس تمھیں اس رشتے کی لاج رکھنی ہے۔ یہ سب باتیں وواہ سے پہلے سوچنے سمجھنے کی ہوتی ہیں"۔

"ماتا ہم لوگ کشال کے وشے میں باتیں کر رہے تھے" سرال نے یاد دلایا۔

"پُتر دل کا درد کسی نہ کسی بہانے زبان پر آ ہی جاتا ہے۔ مجھ سے تمھاری یہ روتی صورت دیکھی نہیں جاتی۔ کیا کروں تمھاری ماتا ہوں"۔

"میرے دل میں اب بھی اس کے لیے آدر ہے"۔ سرال نے اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ "میرا وچار ہے کہ مہامن کوشک نار سے بات کر کے کچھ ویروں کا چناو کر لوں اور انھیں اپنی دیکھ ریکھ میں پنچھی شیلی میں یدھ ابھیاس کراؤں۔ پرنتو اس سے پورو میں ایک بار گپت روپ سے دل من جا کر وہاں کا حال چال اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی چوک ہو"۔

"پرنتو شیر کی ماند میں تمھیں اکیلے نہیں جانا چاہیئے"۔

سرال مسکرایا۔ "آپ کشال کو شیر سمجھتی ہیں۔ میں نے جو کچھ سنا ہے وہ تو اسے گیدڑ سے بھی گیا بیتا بتاتا ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ دیوتاؤں نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

دیوانئی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس میں اس کا پیار بھی تھا اور آشیرواد بھی۔ وہ بولی "جانے سے پہلے تارکی سے اوشیہ مل لینا۔ تم ویسے ہی چلے گئے تو اسے اچھا نہیں لگے گا"۔

سرال کے منہ کا مزہ پھر کڑوا ہو گیا۔ وہ بولا "ماتے آپ کا پُتر وہی کرے گا جو آپ کا آدیش ہو گا"۔ اس کے ساتھ وہ اٹھا اور باہر آ گیا۔ اس کا ارادہ اسی وقت کوشک نار سے ملنے کا تھا تا کہ وہ انھیں اس مہم کو شروع کرنے کے لیے آمادہ کر سکے۔

کوشک نار آسانی سے مل گئے۔ وہ سرال سے ملنا بھی چاہتے تھے۔ دونوں گپت پرامرش

والے کمرے میں بیٹھے جہاں سے کسی بات کے باہر نکلنے کا ڈر نہیں تھا۔ گفتگو کا آغاز سرال نے ہی کیا۔ وہ بولا "مہامن اب سمے آگیا ہے کہ ہم دل من کے بارے میں سوچیں۔"

"وواہ سے پورو کی گئی ایک ایک بات مجھے یاد ہے۔ دل مُن۔ تم جب چاہو اور جس طرح چاہو میں تمھاری سہایتا کرنے کو تیار ہوں۔"

"سب سے پہلے مجھے ایک ہزار چنے ہوئے ویروں کی آوشیکتا ہے۔ جن کی عمر بیس بائیس ورش سے ادھک نہ ہو۔ میں سویم انھیں پشچمی شیلی میں یدھ ابھیاس کراؤں گا۔ اس یدھ میں پریوگ کے لیے استر بھی سمیریا سے منگوائے جائیں گے۔ یدھ میں اونٹوں اور ہاتھیوں کا اُپیوگ بھی ہوگا۔ کچھ خاص طرح کے دو پہیئے والے ہلکے رتھ تیار کروانے ہوں گے جنہیں بیل کی جگہ گدھے کھینچیں گے۔"

"اس کاریہ میں جو انو بھو تمہیں ہے پُتر وہ مجھے نہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تمہیں کسی پرکار کی کمی نہ ہونے پائے۔ ویروں کا چناؤ تم سویم کرلو۔ ہم یہاں سے سیدھے اس پڑاؤ تک چلتے ہیں جہاں ویر رہتے ہیں۔ میں مہاویر کو بھیج کر انھیں تیار رہنے کا آدیش دیتا ہوں جس سے وہ چناؤ کے لیے پہلے سے ہی تیار رہیں۔"

کوشک نار نے مہاویر چنیدل کو طلب کیا اور ضروری ہدایات دیں۔ اس کے بعد انھوں نے سرال کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دی اور دونوں اٹھ کر گڑھی کے رہائشی حصے کی طرف چلے گئے۔ جب یہ لوگ ویروں کے پڑاؤ پر پہنچے تو تمام ویر قطاروں میں کھڑے تھے۔ سرال آگے بڑھا اور ہر ایک کا قریب سے جائزہ لے کر اپنی ضرورت کے مطابق چھانٹنا شروع کر دیا۔ ان سب کو لے کو وہ ایک علاحدہ میدان میں آیا اور کوشک نار وہیں سے گڑھی کی طرف واپس چلے گئے۔

میدان میں ان سب کو قطاروں میں کھڑا کر کے سرال نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں اس نے ان کی وفاداری، شجاعت اور جاں فشانی کی توقع ظاہر کی اور کامیابی کے بعد ان سب کو بیش بہا انعامات سے نوازنے کا وعدہ کیا۔ اس نے کہا کہ اب وہ اپنا پڑاؤ اسی میدان میں ڈالیں اور اس تربیت میں حصہ لیں جو اگلے سپتاہ شروع ہوگی۔ اس نے بتایا کہ یہ تربیت اس کے اور مہاویر چنیدل کی نگرانی میں ہوگی۔ تربیت کی شروعات کے بعد کوئی ویر اس

وقت تک اپنے پریوار جنوں سے نہیں ملے گا جب تک مقصد پورا نہیں ہو جاتا۔ اس لیے جو اپنے گھر والوں سے ملنا چاہتے ہوں وہ اس ایک سپتاہ کے اندر مل لیں۔

یہ باتیں کرنے کے بعد اس کا رخ ایک بار پھر گڑھی کی جانب تھا۔ اس نے کوشک نار سے مل کر ان کے تعاون کا شکریہ اور اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ کچھ مہینے لاپتہ رہے گا۔ اس دوران وہ دل من کا خفیہ دورہ بھی کرے گا تاکہ حالات کا جائزہ لے کر ہی وہ اپنا لائحہ عمل تیار کرے۔ اس بیچ مہاویر چنیدل کی نگرانی میں منتخبہ ویروں کی ورزش اور مشق جاری رہے گی۔ اس نے کوشک نار کو یہ بھی بتایا کہ اس نے سمیریا سے ہتھیار منگوانے کے لیے اکارا کو بھیج دیا ہے۔ اس مدت میں وہاں سے سامان آجائے گا تب ویروں کی خصوصی تربیت کا آغاز ہوگا۔ اس نے نگر پالک سے درخواست کی کہ اگلے چھ مہینوں میں اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ مقصد کی اہمیت کے پیش نظر کوشک نار نے اس کی یہ بات مان لی۔

دِل مُن

(ایک)

دل من پالک کشال اپنے کوٹ کی نرتیہ شالا میں شراب اور رقص کا آنند لے رہا تھا۔ ایک داسی چاندی کے خوب صورت کٹورے میں اسے شراب پلا رہی تھی۔ ایک اور داسی یامنی اس کی گود میں اس شان سے بیٹھی تھی جیسے خود نگر پالنی ہو۔ اسے اپنے کپڑوں کا بھی خیال نہیں تھا۔ اس کے جسم کا بالائی حصہ کپڑوں سے آزاد تھا۔ اس کا دوپٹہ قریب ہی مسلا ہوا پڑا تھا اور زیریں حصے کی دھوتی بھی ہونے کے باوجود نہ ہونے کی کہانی سنا رہی تھی۔ کشال کے ایک ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے جسم کے نازک حصوں سے کھیل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نشے کی سرخی تھی جو صرف شراب کا نتیجہ نہ تھی۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ اس کا دھیان اب رقاصہ کے فن کی طرف نہیں تھا لیکن نرتکی نگر پالک کی توجہ سے بے نیاز اپنے فن کا مظاہرہ کئے جا رہی تھیں۔ تار واد کے تار جھنجھنا رہے تھے۔ بانسری کے میٹھے سُر کمرے کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے لیکن سنگیت کاروں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی وہ نرتکی کے تھرکتے قدموں کو تو دیکھ لیتے تھے لیکن مہامن کشال کی سرگرمیوں پر نظر ڈالنا ان کی ہمت سے پرے تھا۔ کشال کو اب نرتیہ شالا میں اوروں کی موجودگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ بالآخر اس نے تالی بجائی اور نرتکی کے تھرکتے قدم ایک جھٹکے سے رک گئے۔

''ایکانت''۔ کشال کے منہ سے نکلا اور نرتیہ شالا میں موجود سنگیت کار اور نرتکی اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اس نے شراب پلانے والی داسی کی طرف اپنی سرخ آنکھوں سے گھورا تو وہ بھی

سہم کر باہر نکل گئی۔ کمرے میں اب کشال اپنی گود میں بیٹھی یامنی کے ساتھ اکیلا تھا۔

تنہائی میسر آتے ہی کشال جیسے پاگل ہوگیا۔ اس نے یامنی کو کسی کھلونے کی طرح اٹھالیا اور پاس ہی بستر پر پٹک دیا۔ کشال کا یہ انداز دیکھ کر یامنی ڈر گئی لیکن دوسرے ہی لمحے جب کشال اس کے جسم کو للچائی نظروں سے دیکھنے لگا تو اس کی جان میں جان آئی۔ کشال پچھلے دو دنوں سے اس کی جوانی کا بھرپور آنند لے رہا تھا۔ یامنی جانتی تھی کہ یہ سلسلہ زیادہ دنوں نہیں چلے گا، اس لیے وہ آج ہی مہامن سے وہ کچھ حاصل کرلینا چاہتی تھی جو اس کے مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ اس نے ہمت جٹائی اور اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے بولی۔ "مہامن داسی اپنے بھوشیہ کے لیے چنتت ہے۔"

کشال کو کسی اور ہی چیز کی جلدی تھی۔ وہ باتوں میں وقت گنوانا نہیں چاہتا تھا، بولا۔ "کشال پریا کو کس بات کی چنتا ہوسکتی ہے۔"

"مہامن نے نگر کے اتر میں جو بھون بنوایا ہے وہ اگر داسی کو مل جاتا" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

پرنتو وہ تو ہم نے اپنے پریوار کے لیے بنوایا ہے"۔ کشال نے نشے میں جھومتے ہوئے کہا۔

مہامن کے پریوار کے لیے بھونوں کی کیا کمی ہے، پرنتو داسی کی جیو کا کا کوئی سادھن نہیں۔ داسی کی اچھا جیون پرینت روپ نگر کے دوشت واتاورن میں رہنے کی نہیں ہے"۔

"پرنتو۔۔۔"

"مہامن اس بھون کے ساتھ اگر کچھ مدرائیں بھی مل جاتیں تو داسی بھوشیہ کی چنتا سے مکت ہوجاتی یامنی نے خود کو کشال کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

کشال کا ذہن مفلوج ہوچکا تھا۔ اس نے یامنی کے چہرے پر افسردگی دیکھی تو جلدی سے بولا۔ "ہم یامنی کو اپرسن نہیں دیکھ سکتے۔ وہ بھون اور ایک ہزار سورن مدرائیں یامنی کو دی گئیں۔"

یامنی کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اب وہ خود کشال کے بدن سے لپٹ رہی تھی اور کشال کسی بھوکے درندے کی طرح اپنے شکار پر ٹوٹ پڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس وقت جب یامنی اپنے کپڑے ٹھیک کر رہی تھی اور نگر پالک بستر پر بے سدھ پڑے تھے۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "یہ کون دھرت ہے جو ہمارے وشرام میں بادھا اتپن کر رہا ہے"۔ کشال چیخا۔

"شما کریں مہامن" باہر سے مہاویر مانگدی کی آواز آئی۔ "ایک اتی آوشیک سوچنا نے اس وگھن پر ووش کیا ہے"۔

"تم اندر آسکتے ہو"۔ کشال بولا اور مانگدی کے اندر آتے ہی وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"مہامن مجھے ابھی ابھی سوچنا ملی ہے کہ کملا پالک شیگھر ہی دل مُن پر آکرمن کی یوجنا بنا رہے ہیں"۔ مہاویر نے بتایا۔ "یہ سوچنا بھی پراپت ہوئی ہے کہ ان کے کچھ گپت چر گپت روپ سے نگر میں پرویش کر چکے ہیں اور سوچنائیں ایکتر کر رہے ہیں"۔

"اور تمہارے ویر کیا کر رہے ہیں مہاویر مانگدی؟" کشال گرجا۔

"ہم نے نگر میں چاروں اور اپنے ویر لگا دیے ہیں پرنتو ابھی تک کملا پالک کا کوئی گپت چر بندی نہیں بنایا جا سکا ہے"۔

"تم جانتے ہو مہاویر کہ یہ کاریہ نگر پالک کا نہیں تمہارا ہے۔ پھر تم یہاں سمے نشٹ کیوں کر رہے ہو۔۔۔ جاؤ یہاں سے"۔

"جیسی مہامن کی اچھا"۔

اس نے مانگدی کو جاتے دیکھا اور داسی سے بولا "مدرا لاؤ یامنی"۔

(دو)

سرال دل مُن اتنے خفیہ طور پر آیا تھا کہ نہ تو کملا نگر میں کسی کو اس کے بارے میں معلوم تھا اور نہ دل مُن میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ چھپ کر آیا تھا۔ اسے چھپ کر آنے کی ضرورت اس لیے نہیں پڑی تھی کہ اس نے اپنا حلیہ اتنا بدل لیا تھا کہ کوئی قریبی دوست بھی اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ جب وہ ٹہلتا ہوا دل مُن کے بڑے پھاٹک سے شہر میں داخل ہوا تھا تو اس کے چہرے پر خوب صورت ترشی ہوئی داڑھی تھی اور وہ مقامی باشندے کے

بجائے کوئی غیر ملکی تاجر نظر آتا تھا۔ اجنبی تاجر اس شہر کے لیے کوئی نئی یا عجیب بات نہ تھی اس لیے کسی نے اس کی طرف خاص توجہ نہ دی۔ اس کا ارادہ اسی حلیے میں کچھ مہینے اس شہر میں رہنے کا تھا تاکہ وہ یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔ جو معلومات اسے درکار تھی ان میں شہر کے سیاسی حالات، کشال کے بارے میں رائے عامہ اور بگر پالک اور اس کے کارکنوں کے درمیان رشتوں کی نوعیت کا علم خاص تھا۔ وہ اس شہر کی سڑکوں، گلیوں اور بازار سے بھی اچھی طرح واقف ہو جانا چاہتا تھا کہ اصل اقدام کے وقت اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ وہ کشال کی رہائش گاہ، اس کے حفاظتی حصار کو توڑنے کے امکانات کا بھی بھرپور جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس کے ضروری کاموں میں یہ کام بھی شامل تھا کہ کرتاؤں، ویروں اور ریوکوں میں سے ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کرے جو لالچ میں آ کر اس کی مدد کرنے کو تیار ہو جائیں۔

اس طویل فہرست میں کوئی کام آسان اور خطرے سے خالی نہ تھا لیکن سرال کی ترجیحات میں مشکل کاموں کو پہلے انجام دینا تھا۔ اس لیے اس نے شہر اور شہر کے لوگوں سے متعلق کاموں کو بعد کے لیے اٹھا رکھا اور کام کی ابتدا اس نے کشال کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے اور اس میں شگاف تلاش کرنے سے کی۔ اس میں وقت زیادہ لگنے کا امکان تھا لیکن سرال کو جلد بازی کی عادت نہیں تھی اس نے صبر و سکون سے کوٹ کا جائزہ لینے کے لیے اس گنجان باغیچے کا انتخاب کیا تھا جو کشال کی خوابگاہ سے ملحق تھا اور جسے کبھی متھو کے مشاق ہاتھوں نے سجایا تھا۔ یہ باغیچہ اب بھی نہایت سلیقے سے آراستہ تھا۔ ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اس کی نگاہیں اس کھڑکی پر مرکوز ہو جاتیں جو کشال کی خوابگاہ میں تھی۔ ابھی اس نگرانی کا دوسرا ہی دن تھا کہ اس نے قریب ہی کسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔ یہ کوئی لڑکی تھی۔ وہ گھبرا گیا لیکن فوراً ہی خود پر قابو رکھتے ہوئے ایک ہی لمحے میں اس نے سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا اس باغیچے میں کسی ناگرک کو آنے کی اجازت نہیں تھی لیکن سرال کے ذہن نے بچاؤ کا طریقہ سوچ لیا تھا۔ سامنے نکل کر اس نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ قریب ہی اپنی دو سکھیوں کے ساتھ کھڑی ہے وہ تینوں ایک زخمی بلخ کو دیکھ رہی تھیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ دوشیزہ چونکی۔ سرال اپنا گھٹنا موڑ کر بیٹھ گیا اور رسمی انداز میں اسے آداب کیا اس کا یہ انداز شاید ان لڑکیوں کے لیے مضحکہ خیز تھا۔ وہ ہنسنے لگیں۔ لیکن اس حسین دوشیزہ نے جو اپنے لباس

اور زیورات۔ سے نگر پالک کی بیٹی معلوم ہو رہی تھی، انھیں روکا اور سرال سے مخاطب ہوئی۔ ''تم کون ہو یوک؟''

''میں ایک جنگ جو ہوں اور آپ کی شہرت سن کر خاص طور پر آپ کے دیدار کے لیے دل من آیا ہوں۔'' سرال نے اپنے منصوبے پر عمل کا آغاز کیا۔ اس کی زبان مقامی زبان سے مختلف تھی۔ ''یہاں آپ کے دیدار کی غرض سے ہی چھپا تھا۔ اب آپ کو دیکھ کر میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ آپ کے بغیر اب میرے لیے جینے کا تصور بھی محال ہے۔ میں اس لیے سامنے آ گیا ہوں کہ دیوی یا تو میرے من کی شانتی کا انتظام کریں یا مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا خنجر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔

''میرا نام کیتی ہے یوک''۔ اس حسین نے اپنا تعارف دیا ''اور میری سکھیاں کہتی ہیں کہ میں بہت دیالو ہوں اس لیے میں نے تمھارے اس اپرادھ کو شما کر دیا ہے کہ تم بنا انومتی میرے اُدیان میں آ گئے ہو۔ پرنتو اب تمھارے لیے یہی اُچت ہے کہ تم شیگھر ہی یہاں سے چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔''

سرال نے فوراً اس کی کہی ہوئی بات پر عمل کیا اور سر جھکا کر باہر جانے لگا۔ پلٹتے ہوئے وہ بولا۔ ''میں جا رہا ہوں دیوی کیتی لیکن اپنی جان کے ڈر سے نہیں۔ صرف اس لیے کہ یہ میرے محبوب کا حکم ہے لیکن میں اس وقت تک اس شہر سے نہیں جاؤں گا، جب تک دیوی مجھ پر مہربان نہیں ہو جاتیں''۔ یہ کہتے ہوئے سرال نے تیز تیز قدم بڑھائے اور چاہا کہ باہر نکل جائے لیکن کیتی کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک لیا۔ ''رکو یوک۔ ہم تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں''۔

سرال کے دل کی عجیب حالت تھی وہ سب کر تو ایسے رہا تھا جیسے یہ سب اس کے منصوبے کا حصہ ہو لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کا دل واقعی کیتی کی گرفت میں جا چکا ہے۔ کیتی کو دیکھ کر اسے وہ لذتیں یاد آئیں جو سمیریا میں ماریتسی کی صحبت میں میسر آئی تھیں۔ وہ اس کی نرم دلی سے بھی متاثر ہوا تھا۔ اسے لگا کہ اسے جس جیون ساتھی کی تلاش تھی وہ یہی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ کسی بھی طرح وہ اس یوتی کو حاصل کرے گا۔

دونوں پھر ایک بار آمنے سامنے تھے۔ لیکن دونوں کے دل کا چور ان کے چہرے پر نمایاں تھا۔ کیتی کی سکھیاں جیسے سب کچھ سمجھ گئی تھیں وہ خاموشی سے اسے تنہا چھوڑ کر باغیچے کے دوسرے سرے میں پھولوں کی بہار دیکھنے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا باتیں کریں۔ اس خاموشی کو کیتی نے توڑا۔ ''تم بھلے یہ سمجھو کہ میں بہت اسبھیہ ہوں پر تو یہ کہنے میں مجھے جھجک نہیں کہ تم وہی یوک ہو جس سے میرے سپنوں کا سنسار آباد تھا۔ تمہارا نام کیا ہے یوک؟''

''وقت آنے پر دیوی کو میرا نام بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میرا محبوب مجھ پر اسی زندگی میں مہربان ہوگیا ہے۔''

دونوں ایک چٹان پر بیٹھ گئے تھے۔ کیتی نے سُرال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلانا شروع کر دیا تھا اور صرف اس عمل سے ہی سرال لذت کے سمندر میں غوطے لگانے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیتی نہ صرف یہ کہ اس کے خوابوں کی ملکہ ہے بلکہ شاید ان کی یہ محبت کشال کو ختم کرنے کے منصوبے میں معاونت بھی کرے۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اس نے اس طرف بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ کیتی کی شکل خود اس سے کتنی ملتی جلتی ہے۔ یہ خیال اسے آبھی کیسے سکتا تھا۔ اس کی ماں نے تمام تفصیلات بتانے کے باوجود اس بات کو چھپا لیا تھا۔

یہ بھی شاید دیوتاؤں کی مرضی تھی کہ دونوں پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے پر مر مٹے تھے۔ وہ بیٹھے پیار بھری باتیں کر رہے تھے۔ مستقبل کے منصوبے بنا رہے تھے اور دور آسمانوں سے دیوتا ان پر پھولوں کی بارش کر رہے تھے۔ جب ان کو ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو کیتی کی ایک سکھی نے آواز دی۔ ''کیتی بہت دیر ہو چکی ہے۔ ماتا جی تمہاری پرتکیشا کر رہی ہوں گی۔''

کیتی چونکی اور سرال سے بولی۔ ''اب کب ملو گے یوک؟''

''جب تم چاہو۔ میرا تو یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ جو وقت بتادو گی اسی کا انتظار میری واحد مصروفیت ہوگی۔''

'سپتاہ کے انتم دو دن میں اپنی وشرام شالا میں گزارتی ہوں جو جنبھو ندڑو کے

راستے میں یہاں سے پانچ میل کی دوری پر ہے۔ اگر تم وہاں آجاؤ تو ہم آرام سے مل سکتے ہیں۔"
"میں پہنچ جاؤں گا کیتی۔" سرال نے داسوں والے انداز میں کہا تو کیتی ہنس پڑی۔

(تین)

کشال کی عیاشی اور بدمستی کا سلسلہ حسب سابق جاری تھا۔ شہر کا نظم مکمل طور پر مہا کرتا کروٹا نے سنبھال رکھا تھا۔ کشال نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ نگر پالنی چندراولی کو بھی بغیر پوچھے اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے ذاتی سیوکوں کا بس ایک کام رہ گیا تھا کہ وہ کوئی عورت تلاش کریں اور کشال کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اپنی خوابگاہ کی تنہائی سے جب بھی کشال کسی داس کو آواز دیتا تو داس پہلے سے موجود لڑکی کو لے کر ہی کمرے کے اندر داخل ہوتا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک عیاشی میں غرق تھا لیکن آج جب اس کی آواز پر داس ایک نوعمر لڑکی کو لے کر اندر آیا تو کشال نے اسے ڈانٹ دیا۔ لڑکی کو باہر نکال کر وہ داس سے بولا۔ "تم جاؤ اور کیتی سے کہو کہ ہم نے بلایا ہے۔"

داس حیران تھا۔ اس نے غور کیا تو آج مہامن نشے میں بھی نہیں تھے۔ ان کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ان کے حکم کی تعمیل کیلیے دوڑا اور کچھ دیر بعد ہی کیتی اپنے باپ کے کمرے میں تھی۔ وہ اس طلبی پر کچھ کم حیران نہیں تھی۔ اس کی اتنی عمر گزر چکی تھی لیکن آج پہلی بار وہ اپنے باپ کے خلوت خانے میں آئی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے کردار کے بارے میں جو سن رکھا تھا اس سے کچھ سہمی ہوئی بھی تھی۔ کشال دروازے کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا تھا۔ کیتی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ انھیں کس طرح متوجہ کرے۔ بالآخر وہ بولی۔ "مہامن پر دیوتا پرکن ہوں"۔

کشال نے مڑ کر کیتی کو دیکھا اور بولا۔ "پتری اس سمے تمیں دل من پالک نے نہیں تمہارے پتا کشال نے بلایا ہے اور وہ آج اپنی پتری سے کچھ ایسی باتیں کرنا چاہتا ہے جو آج تک کسی سے نہیں کرسکا۔ تم ادھر آجاؤ۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ آرام سے بیٹھو۔ یہاں تمہیں کچھ سمے لگ

سکتا ہے''۔

کیتی کشال کے کچھ اور قریب آگئی تو اس نے کہنا شروع کیا۔''پُتری لوگ مجھے بہت برا سمجھتے ہیں اور وہ غلط بھی نہیں ہیں۔ میں نے آج تک کسی بھی روپ میں اپنا کرتویہ پورا نہیں کیا۔ نہ نگر پالک کے روپ میں، نہ پتی کے روپ میں اور نہ پتا کے روپ میں۔ مجھے وشواس ہے کہ میرے بارے میں تمہارے وچار بھی دوسروں سے الگ نہیں ہوں گے۔ مجھے اس کا بالکل دکھ نہیں ہے۔ میں جیسا ہوں اگر لوگ مجھے ویسا ہی سمجھ رہے ہیں تو اس میں سمجھنے والوں کا کیا دوش۔ پرنتو مجھے ایک دکھ اوشیہ ہے کہ ان میں سے کسی نے آج تک یہ نہیں سوچا کہ کشال ایسا کیوں بنا۔ کشال پاگل نہیں تھا۔ کشال بھی اوروں کی طرح ایک سادھارن ویکتی تھا جس میں برائیوں کے ساتھ انیک اچھائیاں بھی تھیں پرنتو اچانک ایسا کیا ہوا کہ وہ اپنی ساری اچھائیوں کو بھول کر پاپوں میں ڈوب گیا۔ وستتہ اتنا وچار کرنے کا کشٹ وہ کرتا ہے جو پریم کرتا ہے اسی لیے مجھے وشواس ہو گیا کہ مجھ سے کسی کو پریم نہیں ہے۔ نہ ناگرکوں کو، نہ میرے پریوار جنوں کو۔ یدی پریم ہوتا تو کوئی توان کارنوں کی کھوج کرتا جو مجھ میں آنے والے پریورتن کیلیے اتر دائی تھے''۔

کشال نے ایک لمبی سانس لی پھر بولا۔''کسی کا پریم پانا اسمبھو کار یہ ہے۔ کارن اس کا یہ ہے کہ اس کا پورن ادھیکار دینے والے کے پاس سُرکشت ہے۔ مانگنے والا بے بس اور لاچار ہے۔ یدی کسی کارن پریم دینے والا نہ دینا چاہے تو وہ جو پریم کی پرتیکشا کرتا رہتا ہے پاگل ہو جاتا ہے۔ کٹھنائی یہ ہے کہ پریم دینے والے کو یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ پرنتو پرتیک ویکتی کے جیون میں پریم رس کی ورشا اوشیہ ہوتی ہے۔ یدی اس نے سمے پر اس پریم کی رکشا نہ کی تو پھر سمپورن جیون اندھکار مے ہو جاتا ہے اور جب اسے بدھی آتی ہے تو پریم سوپن بن جاتا ہے۔ وہ یتھارتھ سے لڑتا ہے اور سوپن اسے چڑھاتا رہتا ہے۔ ہار جیت اس کے وش میں نہیں ہوتی بس چھٹپٹانا اور تلملانا ہی اس کا جیون رہ جاتا ہے''۔

''یدی پریم کا کوئی مول ہوتا، یدی پریم پانے والے کے وش میں ہوتا تو وہ جو چھٹپٹاتا ہے سمست سنسار پریم چرنوں میں ارپت کر کے اسے پالیتا، اپنا سب کچھ دے کر پریم خرید لیتا۔ میں نے پریاس کر کے دیکھا ہے۔ اسپھل رہا۔ دھن سے دیہہ خریدی جا سکتی ہے

پریم نہیں اور دیہہ کے سنسار میں پریم کا اوترن ایک بھلاوا ماتر ہے ویسے ہی جیسے مدیرا کا سکھ یتھارتھ کا بھلاوا ہے"۔

کشال ایک لمحے کو رکا جیسے آگے کی باتیں بتانے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ بار بار ہمت ہار جاتا تھا۔ جو باتیں آج وہ اپنی بیٹی سے کر رہا تھا عام طور پر کوئی بھی باپ اپنی بیٹی سے نہیں کرتا لیکن اب اسے ایک ہمدرد کی ضرورت تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کی بیٹی اس کی باتیں غور سے سنے گی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیٹی ذہین اور سمجھ دار ہے۔ وہ بولا "پتری تمہارا باپ سرل سوبھاو اور لوگوں کا دکھ درد سمجھنے والا ویکتی تھا۔ اسے بھی اس کے ماتا پتا نے ایک اچھا نگر پالک بنانے کے لیے شکشا دی تھی پرنتو اسی کرپالو پتا مہامن اکنتی رین نے اپنے اہم کی شانتی کیلیے ایک نشپاپ اور ابودھ یوتی کی ہتیا کروا دی تھی جس کے ہردے آکاش کی پریم ورشا میرے لیے تھی۔ اس کا نام گاگنی تھا" کشال ایک لمحے کو رکا۔ ایسا لگا جیسے وہ گہری سانس لینا چاہتا ہو لیکن اس کے بعد ہی جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ اس نے کیتی کو پکڑ لیا تھا اور گاگنی۔۔۔۔۔ گاگنی چلانے لگا۔ ڈر کے مارے کیتی کے منہ سے چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ پہریدار اور داس بھاگتے ہوئے اندر آئے اور بمشکل کیتی کو کشال کی گرفت سے چھڑایا۔ کشال اس کے ساتھ ہی بیہوش ہو گیا اور لوگوں نے اسے آرام کی غرض سے اس کے بستر پر لٹا دیا۔

پورے کوٹ میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ اس واقعے کو لوگ طرح طرح سے بیان کر رہے تھے۔ کیتی کو اس کے کمرے میں پہنچا کر اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص کشال پر تھو تھو کر رہا تھا کہ عیاشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اب یہ نوبت آ گئی کہ ایک پتا پُتری۔۔۔ چھی چھی۔ یہ باتیں غلط تھیں لیکن سچ صرف کیتی جانتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بند تھی اور لوگوں میں ہونے والی چہ می گوئیوں کی اسے خبر نہ تھی۔ اس نے کشال کی حالت دیکھی تھی۔ اس سے کچھ دیر باتیں کی تھیں اور اسے پورا یقین تھا کہ اس کے ساتھ یقیناً ناانصافی ہوئی ہے جس نے اسے راہ راست سے ہٹا دیا ہے۔

لیکن شہر میں جو باتیں ہو رہی تھیں ان کا روک پانا اب کسی کے بس میں نہیں تھا۔ اس افواہ کو مہا کرتا کروٹانے اور ہوا دی تھی۔ سرال نے بھی اس واقعے کے بارے میں سنا تھا۔ وہ کیتی کے لیے فکر مند تھا۔ کشال کیتی کا باپ تھا اس لیے اس سلسلے میں اس سے اظہار ہمدردی

میں بھی احتیاط کی ضرورت تھی۔اس نے طے کرلیا تھا کہ ملاقات ہونے پر وہ کیتی سے اس واقعے کا ذکر نہیں کرے گا البتہ اس کے دل میں یہ ارادہ اور پختہ ہوگیا تھا کہ وہ اس زہریلے کیڑے کو جتنی جلد ممکن ہوگا مسل دے گا تاکہ زمین کو اس پاپی کے بوجھ سے نجات مل جائے۔

(چار)

دِل مُن آنے کے بعد سُرال کو اندازہ ہوا کہ کشال سے مقابلے کو وہ جتنی اہمیت دے رہا تھا مسئلہ نہ تو اتنا دشوار تھا نہ سنجیدہ۔ دِل مُن تو جیسے پہلے سے ہی کشال سے نجات حاصل کرکے کسی نئے نگر پالک کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ سرال جیسے جنگ جو کے لیے یہ بچوں کا کھیل تھا کہ وہ کشال کا قتل کرکے دل من کا نگر پالک بن جائے۔لیکن سرال دشمن کو کمزور سمجھنے کا قائل نہ تھا۔وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہی دل من پر حملہ کرے گا۔ایسا اس کا ارادہ تھا وہ اس طرح کا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا کہ عین وقت پر اگر لوگ مزاحمت پر اتر آئیں تو اس سے کچھ کرتے بھی نہ بنے۔اس نے اپنی بدلی ہوئی شکل کے ساتھ مہا کرتا کروتا مختلف شعبوں کے کرتاؤں اور مہاویر مانگدی سے ملاقات کی تھی۔اسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ دل من کی انتظامیہ کا ڈھانچہ بری طرح چرمرایا ہوا ہے۔اسے کسی مضبوط ستون کی تلاش تھی۔مہا کرتا خود نگر پالک بننا چاہتا تھا۔ لیکن دوسرے لوگ خصوصاً مہاویر مانگدی اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔خود مہا کرتا کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر کشال کا خاتمہ ہوجائے تو اس کے نام پر لوگوں کا اتفاق رائے ہوجائے گا۔اس نے سرال سے کہا تھا کہ اگر وہ اس کام کو انجام دے تو وہ ہر ممکن تعاون دے گا لیکن سرال کا خیال تھا کہ اگر ایسا ہوا تو یہ شہر طویل مدت کے لیے خانہ جنگی میں مبتلا ہوجائے گا۔

مختلف ذرائع سے سرال کو یہ اطلاع ملی تھی کہ کشال کے پاس کل ویروں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ بدنظمی نے ان ویروں کو بھی ناکارہ بنا دیا تھا۔وقت پر تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے یہ ویر شہر کے لوگوں کو مختلف بہانوں سے لوٹتے رہتے تھے۔سرال نے انھیں لالچ دیا تو جیسے وہ بکنے کو تیار بیٹھے تھے۔ ان ویروں میں سے اب کئی اس کی حمایت میں تھے جنھیں اچھی ملازمت اور دھن کا لالچ دے کر خرید لیا گیا تھا۔

شہر کی حالت دگرگوں تھی۔ لوگ سڑکوں اور بازاروں میں عورتوں کو چھیڑتے تھے انھیں کسی کا ڈر نہ تھا۔ ویراب ہر اس شخص کے سیوک تھے، جو ان کو خرید سکیں۔ بے شرمی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ اوباش بازار سے لڑکیوں کو اٹھالے جاتے اور کوئی مزاحمت نہ کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف عورتوں نے خود کو اپنے گھر کی چہار دیواری میں محصور کرلیا تھا اور اگر کسی وجہ سے باہر نکلنا ضروری ہوتا تو اپنا سارا جسم کپڑوں سے چھپا کر کسی کے ساتھ ہی نکلتی تھیں۔ شریف مرد بھی اب بازار میں کم نکلتے تھے کہ ان کی توہین اور بے عزتی کا سامان قدم قدم پر موجود رہتا تھا۔ کاروبار ٹھپ تھا ضروری اشیا کی قلت تھی۔ بیرونی تاجر اب اس شہر کا رخ کرتے ڈرتے تھے۔ کوئی کسی کی سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ ہر شخص من مانی پر آمادہ تھا۔ اپنے اپنے گھر میں دیوایتنوں میں لوگ دِل مُن کی سابقہ عظمت کی بازیابی کی دعائیں کرتے تھے لیکن اس شہر پر اب دیوتاؤں کی کرپا نہیں ہوتی تھی۔ لوگ اس نظام سے عاجز آچکے تھے۔ سرال کو اس بات کا یقین تھا کہ وقت آنے پر لوگ اس کی حمایت کریں گے۔

ہفتے کے آخری دن جب وہ کیتی سے اس کی وشرام شالا میں ملا تھا تو وہ بہت اداس تھی۔ سرال کی تسلی تشفی کے بعد ہی وہ کچھ سننے بولنے پر آمادہ ہوئی۔ جیسے ہی سرال نے اپنی محبت دہرائی وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔ سرال جانتا تھا کہ اس کا یہ عمل محبت کے جوش کا نہیں فرطِ غم کا نتیجہ ہے۔ وہ اس کی پیٹھ سہلاتا رہا۔ کیتی کو اس وقت ایک ہمدرد کی ضرورت تھی اور سرال کی شکل میں یہ ہمدرد اسے مل گیا تھا۔

کیتی کے کانوں میں اس وقت بھی اپنے باپ کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں ناکام رہے لیکن ان کی باتیں خود کیتی کے لیے کتنے کام کی تھیں۔ کیتی اپنے پتا کی شکرگزار تھی کہ اس نے بروقت اس کی رہنمائی کی تھی۔ وہ اس آواز کی گونج اب بھی سن رہی تھی ''پرتیک وکیتی کے جیون میں پریم رس کی ورشا اوشیہ ہوتی ہے۔ یدی اس نے اس پریم کی رکشا نہ کی تو پھر سمپورن جیون اندھکار مے ہوجاتا ہے'' یہ یوگ جس سے ابھی تک وہ ٹھیک سے واقف بھی نہیں تھی اس کی زندگی کی بنجر زمین میں محبت کی برسات بن کر ہی آیا تھا۔ اب اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس مقدس جذبے کی بے حرمتی نہ کر بیٹھے۔ اسی لیے اپنے غم کی انتہا میں بھی وہ محبت سے مغلوب ہو کر بے ساختہ اس سے لپٹ گئی تھی۔

سرال اس کی پیٹھ سہلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں اس کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تو سرال نے اسے بتایا کہ کچھ آوشیک کاریہ آجانے کی وجہ سے اسے یہاں سے واپس جانا پڑ رہا ہے۔ کل وہ یہاں سے روانہ ہوگا۔ اس نے کیتی کو یقین دلایا کہ وہ جلدی ہی واپس آئے گا اور پھر دونوں وواہ کر کے آرام سے زندگی گزاریں گے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ معمولی آدمی نہیں ہے اس لیے مہامن کنشال کو اس وواہ پر کوئی آپتی نہ ہوگی۔

سرال کے واپس جانے کی خبر سے کیتی گھبرا گئی۔ اسے اپنی محبت کی مضبوطی پر ابھی پورا یقین نہیں تھا۔ وہ سرال کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سرال اسے مغموم دیکھ کر اپنی خواہشوں کو دبا گیا تھا یہ بات وہ سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنے محبوب کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ محبت کو اتنا مضبوط بنا دینا چاہتی تھی کہ اسے دوام مل جائے اور اس کی غیر موجودگی میں بھی سرال اسے نہ بھول سکے۔ اس کے محبوب کو اس کے پاس سے خوش خوش جانا چاہیے۔ بس اس کا ایک ہی مقصد تھا۔ اس نے سرال کی طرف اب کی بار دیکھا تو اس کے وجود کی ساری مستی اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی جس کی گرمی میں سرال پگھل گیا۔

سرال کی بانہوں میں کیتی تھی۔ تصور میں وہ لذتیں تھیں جو سمیریا کی ایک عورت کا تحفہ تھیں اور دل میں تارکی کا خوف تھا لیکن ان سب پر کیتی کا حسن اور حسن سلوک حاوی تھا۔ سرال کے دل کی تمنا پوری ہو رہی تھی۔ وہ کیتی کا شکر گزار بھی تھا۔ اس کی والہانہ سپردگی نے اس کے اس ارادے کو تقویت بھی دی تھی کہ اس لڑکی سے شادی کرنا اس کی خوش قسمتی ہوگی۔ تارکی کی صحبت نے اسے کبھی ایسا سکون، ایسی لذت اور ایسی خوشی نہیں دی تھی جو اس لمحے اسے میسر تھی۔

وہ رات دونوں نے وہیں گزاری تھی۔ کیتی کو ابھی ایک دن یہاں اور رہنا تھا۔ اس نے سختی سے اپنی دائیوں کو اپنے کمرے کی طرف آنے کی ممانعت کر دی تھی۔ ان کی زبانیں بند تھیں۔ یہ دائیاں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتی تھیں کہ باپ کی بری عادتیں بیٹی میں آنا فطری ہی ہے لیکن اس کے اظہار کی ہمت ان میں نہیں تھی۔

صبح کیتی سے اجازت لے کر شہر پہنچنے میں سرال کو کچھ دیر ہو گئی تھی۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے آیا تھا۔ کیتی سے اس نے جھوٹ کہا تھا کہ وہ آج ہی شہر چھوڑ رہا ہے۔ ابھی کچھ دن اسے یہاں رکنا تھا کہ اپنے انتظامات کو آخری شکل دے لے۔ کیتی سے وہ جھوٹ

بولنا نہیں چاہتا تھا لیکن جو مصلحتیں اس کے سامنے تھیں اس کے پیش نظر یہ جھوٹ اس کی مجبوری تھی۔

(پانچ)

گملانگر پہونچ کر پہلی خبر اسے یہ ملی کہ وہ باپ بن گیا ہے۔ تارکی کو ایک پیارا سا بیٹا ہوا تھا اور دیوایتن کے پجاریوں نے اسے بھاگیہ شالی قرار دیتے ہوئے اسکا نام شے شیار کھا تھا۔ صرف ایک جیوتشی کا یہ کہنا تھا کہ اس بچے کی زندگی بہت کم ہے اور جس دن اس کی موت ہوگی اس دن سارا شہر بھی تباہ ہو جائے گا۔ سرال نے سنا تھا کہ نگر پالک کوشک نار کا غصہ اس جیوتشی کی موت کا سبب بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کسی بچے کی پیدائش پر کسی پجاری کی موت اچھا شگون نہیں تھا۔ سرال کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اس بچے کی ولادت کی خبر سن کر اسے اتنی بھی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی اکدوں سے جنگ کے بعد واپسی پر اس نے مارتیسی کے یہاں بیٹا ہونے پر محسوس کی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ نہ تو تارکی کے دل میں اس کی جگہ ہے اور نہ وہ خود تارکی سے محبت کرتا ہے۔ پھر بھی شادی کے اس مقدس رشتے کو قائم رکھنا اس کی مجبوری تھی کہ اس کے لیے اپنی ماں کی خوشی مقدم تھی اور وہ اپنے ماں کے محسن کو بھی دکھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ چھ ماہ بعد اس کے واپس آنے پر تارکی نے کسی طرح کے جوش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جب سرال اس کے پاس گیا تھا تو وہ اپنے بچے سے کھیلنے میں ہی مگن رہی۔ اس نے بس رسماً پوچھ لیا تھا کہ یاترا کیسی رہی۔ اب سرال بھلا اسے کیا بتاتا کہ اس کی یاترا کتنی سپھل تھی کہ اس یاترا سے اس کی ماں کے مقصد کی طرف پیش قدمی کے ساتھ ہی اس کی اپنی خواہش کو بھی منزل مل گئی تھی۔

اکار اسمیریا سے واپس آچکا تھا۔ اس کے منگوائے ہوئے سارے ہتھیار آچکے تھے۔ وہ سمیریا سے پنتیسی لوگل زگسی کی دعائیں اور مارتیسی کی محبتیں بھی ساتھ لایا تھا۔ سرال کے دل میں ایک بار پھر وہ سب یادیں تازہ ہو گئی تھیں جو اس شہر سے وابستہ تھیں۔ اس کے دل کی دنیا میں بڑی ہلچل تھی وہ بس دِل مُن جا کر کیتی سے ملنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے جذبات پر قابو رکھ کر اپنے

منتخب ویروں کو بہترین ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دینی تھی تاکہ دل مَن پر حملہ اس کی کامیابی کی ضمانت بن جائے۔

اب دیر مناسب نہ تھی۔ سارے وسائل مہیا ہو چکے تھے۔ ویروں میں جوش تھا اور وہ سرال کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ پجاریوں نے انھیں باور کرایا تھا کہ سرال دیو پتر ہے اور اس کی مدد سے دیوتا خوش ہوں گے۔ دوسرے خود سرال کی فراخ دلی اور ہمدردی نے ویروں کے دلوں میں اس کی محبت کئی گنا بڑھا دی تھی۔ وہ اپنے ویروں کے مسائل حل کرنے اور ضرورت پڑنے پر ہر طرح کی مالی امداد فراہم کرنے میں کوتاہی نہیں برتتا تھا۔ اس تربیت میں ویروں کو عام لوگوں کے مقابلے میں دوگنی محنت کرنی پڑ رہی تھی لیکن ان کے چہروں میں بیزاری نام کو نہ تھی۔ سرال کے ذریعہ ان کے انتخاب پر بھی ان کو فخر تھا کہ اس نے ان پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بھروسہ کیا تھا۔

صبح کے چار گھنٹے نیزہ بازی اور دست بہ دست جنگ کی تربیت دی جاتی تھی اور شام کے چار گھنٹے مغربی طرز جنگ کی جس میں حکمت عملی اور فرماں برداری کی تربیت کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ تربیت کا یہ سلسلہ بے روک ٹوک چھ ماہ تک چلتا رہا۔ نگر پالک کوشک نار کبھی کبھی خود بھی اس تربیت کا معائنہ کرنے آتے اور سرال کی ذہانت، محنت اور لگن کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے۔ سرال ان کاموں میں اتنا مصروف رہتا کہ اسے کبھی کبھی دن بھر گھر جانے کی نوبت نہ آتی اور وہ کھانا بھی ان ویروں کے ساتھ ہی کھا لیتا۔ مہاویر چنیدل بھی اپنا پورا تعاون دے رہے تھے۔ شہر کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے تھے اور اس کے ہر کام کو عقیدت کی نظر سے دیکھنا ان کے لیے پنیہ کا کام تھا۔ بیشتر تو محض اس کی ایک جھلک دیکھ لینے کو ہی اپنی نجات کا وسیلہ سمجھ لیتے تھے۔

سرال اپنی اور اپنے ویروں کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن اور خوش تھا۔ اس نے مہا پجاری سے مل کر دل مَن پر حملہ کرنے کی مبارک تاریخ طے کرنے کو کہا تھا اور مہا پجاری اس کام کو دوسرے دیو ایتنوں کی مدد سے نہایت احتیاط سے کر رہے تھے۔

نیا نگر پالک

(ایک)

سرال کے تربیت یافتہ ویر بیک وقت دل من نہیں پہنچے تھے۔ یہ جنگ کی نئی حکمت عملی تھی، روزانہ چند ویروں کو وہ شہر میں داخل ہو کر مناسب جگہ پر رہنے کا حکم دیتا۔ ویروں کی منتقلی کے اس عمل میں تقریباً سال بھر لگ گیا تھا۔ سب سے آخر میں اپنے چند لوگوں کے ساتھ سرال بھی اسی طرح شہر میں داخل ہو گیا۔ ہاتھیوں، اونٹوں اور رتھوں کا اس طرح شہر میں داخل ہونا شکوک کو جنم دے سکتا تھا اس لیے اس نے سوچا تھا کہ انھیں شہر کے باہر کسی پوشیدہ مقام پر تیار رکھا جائے اور ضرورت پڑنے پر رات کے وقت شہر پناہ کا پھاٹک کھول کر انھیں اندر بلا لیا جائے گا۔ اس کے لیے اس نے شہر سے کچھ فاصلے پر مغرب کی جانب ایک جگہ کا تعین پہلے سے ہی کر لیا تھا اور اکارا کی سرکردگی میں اس کی یہ سپاہ وہیں جنگل میں چھپی ہوئی تھی۔

دل من کے ناگرک بے خبر تھے۔ انھیں تاجروں کی مسلسل آمد و رفت والے اس شہر میں اتنے اجنبیوں کے داخل ہونے پر کوئی حیرت بھی نہیں ہوئی۔ البتہ مہاکرتا کے لوگوں نے جب اس دراندازی کی اطلاع انھیں دی تو چونکے۔ ان میں سے کچھ سرال کے ہمدرد تھے۔ وہ مستعد ہو گئے کہ شاید ان کے عمل کا وقت آ گیا ہے۔ یہ لوگ کشال کے وفاداروں کو یہ کہہ کر تسلی دینے کی بھی کوشش کرتے رہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے کسی کام سے آئے ہیں اور تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔

ناگرک نیند میں تھے اور سرال کے ویر دن رات ایک کر کے اپنے اپنے مورچے سنبھال رہے تھے۔ انھیں ناگروں کی مزاحمت کا ڈر بھی تھا اور کشال کا حفاظتی دستہ تو مقابلہ کر ہی سکتا تھا۔ اس لیے سرال نے دونوں طرف دھیان دیا تھا۔ اس نے کشال کے قتل کے

لیے پانچ ویروں کو خاص ہدایت دی تھی کہ وہ کشال کا قتل کرنے کے بعد اسے اس کے کمرے کی کھڑکی سے اس طرح باہر پھینک دیں کہ اس کی موت خودکشی معلوم ہو۔ کشال کی موجودہ حالت نے اسے بزدل بنا دیا تھا اور اس کی خودکشی کا لوگوں کو آسانی سے یقین آ جائے گا۔ اس سے وہ دو فائدے اٹھانا چاہتا تھا ایک تو ناگروں میں قتل سے پیدا ہونے والی بدامنی کا امکان کم ہو جاتا دوسرے وہ کیتی کے سامنے اس کے باپ کے قاتل کے حیثیت سے نہیں جانا چاہتا تھا۔

حملے کا مقررہ دن آ پہنچا تھا۔ سرال نے شہر کے درمیانی چوراہے پر ایک مکان کو اپنا مرکز بنایا تھا اور خود وہیں تھا تاکہ لمحہ لمحہ اسے ہر اقدام کی خبر ملتی رہے۔ نگر کے وہ تمام ٹھکانے جو نگر پالک کے اختیار میں تھے سرال کے ویروں کی زد میں تھے، بس اشارے کی دیر تھی۔ شہر کے شمالی حصے سے حملے کا آغاز ہونا تھا۔ اس حملے کے ساتھ ہی رات کی تاریکی میں شہر پناہ کے باہر منتظر اکارا کی سپاہ کو اندر آنے کے لیے پھاٹک کھول دینے کا انتظام ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اگلا حملہ اس وقت تک ملتوی رکھنا تھا جب تک قاتل دستہ اپنے کام کی کامیاب انجام دہی کی اطلاع نہ دے دے۔ اس کے فوراً بعد شہر میں ہر طرف بیک وقت حملہ کرنا تھا تاکہ کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔ ساری کارروائی سورج ڈوبنے کے بعد شروع ہو کر اسی رات ختم ہو جانی تھی اور دوسرے دن سرال کو دل مَن پالک کی حیثیت سے اقتدار سنبھال لینا تھا۔ یہ وہ خاکہ تھا جسے سرال نے نہایت احتیاط سے تیار کیا تھا۔

(دو)

سورج کے غروب ہوتے ہی کشال کی زندگی اور اقتدار کے سورج غروب ہونے کا بھی آغاز ہو گیا۔ سرال کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ شمال میں حملہ کیا جا چکا ہے اور مزاحمت کا امکان درست نکلا ہے ویسے ہی اس نے قاتل دستے کے پانچ افراد کو کشال کے کوٹ کی طرف اور ایک ویر کو پھاٹک کے پاس موجود مستعد ایک درجن ویروں کو پھاٹک کھول دینے کے حکم کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اطلاع ملتے ہی ان تربیت یافتہ ویروں نے پھاٹک کے پہرے داروں کو اپنے قبضے میں لے کر بے بس کر دیا اور پھاٹک کھول دیا اور اکارا کی سرکردگی میں بیس

ہاتھیوں، پچاس اونٹوں اور ایک سو رتھوں کا دستہ شہر میں داخل ہو گیا اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق شہر کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔

قاتل دستے کی کمان نے ڈبنجے کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ کوٹ کی پشت سے لکڑی اور رسی کی مدد سے تیار کی گئی خاص کمند کے ذریعہ بلا کسی مزاحمت کے دوسری منزل کی چھت پر پہنچ گئے، جہاں کشال کی خواب گاہ تھی۔ کمرے کے باہر تین پہریدار اور دو داس تھے۔ پہریدار مسلح تھے۔ انہوں نے تینوں پہریداروں کو ایک ساتھ اپنے نیزے کی زد میں لے لیا اور ایک ہی وار میں وہ دوسری سانس لینے کے قابل نہ رہے۔ داس نہتے تھے لیکن جب انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا تو مجبوراً انھیں بھی مار دینا پڑا۔ اب نے ڈبنجے نہایت احتیاط سے کشال کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے اس کے چاروں ویر ایک دم حملہ کرنے کو تیار تھے۔

جیسے ہی نے ڈبنجے نے اپنا پہلا قدم کمرے میں رکھا، کشال کی آواز آئی۔ "آؤ متر میں تمہاری ہی پرتیکشا کر رہا تھا۔ جس نے بھی تم کو بھیجا ہے وہ مجھے اس دھرتی پر بوجھ سمجھتا ہے۔ وہ غلط نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں سب ہم خیال ہیں۔ لو یہ خنجر.. بہت تیز دھار ہے اس کی۔ گھبراؤ نہیں ایک ہی وار میں میرا کام تمام ہو جائے گا۔ پرنتو میرے بعد سرال سے جا کر کہہ دینا کہ یہ تمہارے ان دیکھے پتا کا آدیش ہے کہ اب نگر میں خون خرابہ نہ کرو۔ اور ہاں اسے نگر پالک بننے پر میری اور سے بدھائی دینا اور یہ بھی کہنا کہ کیتی سے دواہ کرنے میں مجھے مرتے دم تک کوئی آپتی نہیں تھی"۔ وہ ایسے بول رہا تھا جیسے وقت کم ہو اور اسے بہت سی ضروری باتیں کہنی ہوں۔

نے ڈبنجے کے سامنے غیر متوقع صورت حال تھی۔ وہ کشال کی باتیں سن کر حیران تھا۔ اس سے نبرد آزمائی کے لیے اسے کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ اسے حیرانی اس بات کی تھی کہ کشال اتنا بے خبر نہیں ہے جتنا سمجھا جا رہا تھا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سرال کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک اقدام سے واقف ہے۔ وہ کشمکش و پنج کی حالت میں کھڑا تھا کہ کشال نے پھر اسے مخاطب کیا۔ "آشچریہ کی آوشیکتا نہیں ہے نے ڈبنجے، تم اپنا کاریہ کرو کہ سوامی بھکتی یہی کہتی ہے۔ میں یہ سب اس لیے جانتا ہوں کہ نگر میں اب بھی میرے شبھ چنتک اور سہایک باقی ہیں"۔

نے ڈبجے کی حیرانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کشال تو اس کا نام بھی جانتا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں کشال وقت گذار کر کسی سہایک کے آنے کا انتظار تو نہیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔'' مہامن مجھے دکھ ہے کہ یہ کاریہ مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔ میں آپ کے خنجر کا اپیوگ بھی نہیں کر سکتا کہ آدیش کچھ دوسرا ہے اگر ہو سکے تو مجھے شما کر دیجئے گا''۔

''میں نے تمہیں شما کیا۔ نے ڈبجے'' کشال بولا۔'' واستو میں میں سویم بھی اب ایک پل جیوت رہنے کا اچھک نہیں ہوں، میں تمہارا آبھاری بھی ہوں کہ تم نے مجھے اس اپمانت جیون سے مکتی دلانے کا کاریہ کیا اچھا اب دیر نہ کرو، تمہیں جو آدیش ہے اس کا پالن کرو''۔

نے ڈبجے کے ویر آگے بڑھے اور ان میں سے ایک نے کشال کی گردن دبوچ لی، جب وہ مر گیا تو اسے گھسیٹ کر کھڑکی کے باہر باغیچے میں پھینک دیا گیا۔

نے ڈبجے لگ بھگ دوڑتے ہوئے سرال کے پاس پہنچا تھا۔ وہ اس کے سامنے آیا تو اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ سرال کا ماتھا ٹھنکا۔'' کیا کشال کی ہتیا میں تمہیں سپھلتا نہیں ملی''۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔

'' آپ کے آدیشا نوسار ہی کشال کی ہتیا ہوئی ہے، اسے کھڑکی کے باہر بھی پھینک دیا گیا ہے، پرنتو۔۔۔۔۔۔'' نے ڈبجے کی سانسیں اب بھی بے قابو ہو رہی تھیں۔

'' کیا تم نے کوئی پریت دیکھ لیا ہے''۔ سرال گرجا، اسے نے ڈبجے کی اس کمزوری پر غصہ آ رہا تھا، اس نے ایک ویر کو حکم دیا۔'' تمام مورچوں کو سماچار دو کہ آکرمن کر دیا جائے''۔

''نہیں''۔ نے ڈبجے چیخا۔'' پہلے آپ میری بات سن لیجئے، تب آدیش دیجئے دیو پتر''۔

''میرے پاس تمہاری بکواس سننے کا سمے نہیں ہے''۔ سرال اب بھی غصے میں تھا۔

'' پرنتو ایک پتر کے پاس اپنے پتا کا انتم سندیش سننے کا سمے ہونا چاہیئے مہامن کشال پتر''۔

سرال نے ڈبجے کے اس تخاطب پر حیرت سے منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ویر کو روکا اور نے ڈبجے سے بولا'' تم اپنی بات بتا سکتے ہو''۔

'' آپ کے پتا مہامن کشال نے مرتیو سے پہلے آپ کو ایک سندیش بھیجا ہے''۔ نے ڈبجے کی سانسیں اب قابو میں آچکی تھیں، اور وہ بڑے نپے تلے انداز میں سرال سے مخاطب

تھا۔" انہوں نے کہا ہے کہ سرال سے کہنا کہ وہ ابودھ ناگرکوں کا خون نہ بہائے۔ انہوں نے دل من پالک بننے پر بدھائی بھی دی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ کیتی سے وواہ کرنے میں انھیں انتم سمے تک کوئی آپتی نہیں ہے"۔

سرال نے نہایت سکون سے نئے ڈھنگ کی باتیں سنیں، کچھ سوالات کئے۔ جو کچھ پیش آیا تھا حیران کن تھا اسے اپنے پتا کی آخری خواہش پوری کرنی تھی۔ اس نے تمام مورچوں کو خبر بھجوائی کہ اب حملہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر میں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ مہامن کشال نے آتم ہتیا کر لی ہے اور ان کی اچھا کے انوسار نئے نگر پالک مہامن سرال ہوں گے۔

(تین)

مہامن کشال کی خودکشی کی خبر ان کے کوٹ کے کونے کونے میں پہنچ چکی تھی۔ یہ سوال بھی ساتھ ساتھ گردش کر رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے پہریداروں اور داسوں کا قتل کیا تھا۔ کیا خود کشال نے؟ اس شام کچھ اجنبی لوگ بھی کوٹ میں دیکھے گئے تھے۔ یہ مسئلہ حل کرنا آسان نہ تھا۔ کیتی بھی ان گتھیوں کو سلجھا نہیں پا رہی تھی۔ اسے بار بار مہا کرتا کروٹا پر شبہ ہو رہا تھا کہ اسی شخص نے کسی طرح اس کے پتا کو خودکشی پر مجبور کیا ہے۔ یہ بات کیتی جانتی تھی کہ مہامن کشال اب زندہ رہنے کی خواہش مند نہیں تھے، لیکن واقعات جس طرح رونما ہوئے تھے وہ اتنے اچانک اور تحیر خیز تھے کہ اسے ان پر یقین نہیں آیا تھا۔

یہ بات بھی کیتی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ سرال نام کا کوئی شخص نگر پالک بن گیا ہے۔ یہ کون ہے؟ اس سے پہلے تو کبھی اس کا نام سننے میں نہیں آیا۔ بتانے والوں نے اسے بتایا تھا کہ مہامن کشال بھی اسے نگر پالک بنانے کے خواہش مند تھے لیکن یہ کیسا اتفاق ہے کہ جس رات وہ خودکشی کرتے ہیں، یہ اجنبی اترادھیکاری نگر میں موجود رہتا ہے۔ باتیں اتنی الجھی ہوئی تھیں کہ ان کو سمجھنا کیتی کے دکھے دل اور تھکے دماغ کے بس سے باہر تھا۔ اس کی ماں چندراولی اور گھر کے دوسرے افراد کا کہنا تھا کہ اب ہمیں یہ کوٹ نئے نگر پالک کے لیے خالی

کر دینا چاہیئے۔ اس پر اب اپنا ادھیکار سماپت ہو چکا ہے۔ لیکن کچھ لوگ اس سلسلے میں نئے نگر پالک کے آدیش کی پرتیکشا کر لینا چاہتے تھے۔

سرال نے شہر میں بے جا خون خرابے سے پرہیز کیا تھا۔ واقعات اسی طرح لوگوں تک پہنچے تھے جس طرح اس نے شہرت دینی چاہی تھی۔ لوگ وہی جانتے تھے جو وہ ان کو بتانا چاہتا تھا۔ دل من پر حملے کی خبر کسی کو نہ تھی شہر کے شمالی حصے میں ہونے والے حملے کو ویروں کی اندرونی بغاوت کا نام دے دیا گیا تھا۔ نگر سبھا کے اراکین میں سے بیشتر پہلے سے ہی سرال کے حامی تھے، البتہ اس پوری کاروائی کے بعد مہا کرتا کروتا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ فرار ہو گیا ہے اور کچھ کا کہنا تھا کہ وہ بھی دوسرے کئی ویروں کے ساتھ مار ڈالا گیا ہے، مہا ویر مانگدی اب سرال کی سرپرستی میں تھے۔ نہ کسی طرح کی مزاحمت ہوئی نہ اسے ناگروں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ سرال نے ان لوگوں کے لیے شمادان کا اعلان کرا دیا تھا جو اس کی سرپرستی میں دل من کی سیوا کرنا چاہتے تھے۔

تمام انتظامات کرنے کے بعد اسے کشال کے پریوار جنوں کا خیال آیا۔ وہ کیتی سے بھی ملنا چاہتا تھا لیکن اس کی موجودہ ذہنی کیفیت اسے کس شکل میں قبول کرے گی یہ فیصلہ ابھی دشوار تھا۔ اسے یقین تھا کہ کشال کی موت کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہو گی بس اسے اس بات کا جواز تیار رکھنا چاہیئے کہ انہوں نے سرال کو اپنا جانشین کیوں قرار دیا اور یہ سرال کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ کیتی اسے اس کی موجودہ شکل میں شاید ہی پہچان سکے۔ اسے ابھی تک وہ طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جس سے وہ اپنی شکل کی تبدیلی کو فطری اور قابل یقین بنا کر پیش کر سکے۔ یہ سیاست نہیں محبت کا معاملہ تھا جہاں شکوک و شبہات کی دنیا آباد رہتی ہے۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا، جس سے کیتی سے اس کے رشتے پر آنچ آنے کا خطرہ ہو۔

بہت غور و فکر کے بعد اس نے کیتی اور اس کے افراد خاندان سے ملنے کے لیے تیسرے دن کا وقت چنا تھا۔ اس بیچ اس نے کوٹ کے سیوکوں کو خاص ہدایت دی تھی کہ ان کے آرام و آسائش میں کسی طرح کا خلل نہیں پڑنا چاہیئے اور یہ بھی کہ اگر کسی نے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

اس نے یہ بھی طے کیا تھا کہ وہ کیتی اور اس کے دیگر افراد خاندان سے الگ الگ ملے گا اور ان سب کی عزت اور مرتبے کا لحاظ رکھے گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پہلے نگر پالنی سے مل کر مہامن کشال کے دیہانت پر اپنا دکھ پرکٹ کرے گا۔ اس کے بعد کیتی سے ملے گا پھر یکے بعد دیگرے دوسرے افراد خانہ سے ملاقات کرے گا۔

اکارا اور اپنے دیگر محافظوں کے ساتھ جب وہ کوٹ میں پہنچا تو اس کا انداز ایک فاتح جیسا نہیں گھر کے کسی فرد جیسا تھا۔ کشال کے مرنے کے بعد اب اس سے متعلق سارے لوگ اس کے لیے محترم تھے۔ اس نے نگر پالنی چندراولی کے کمرے میں پہنچ کر ان کی دائیوں سے اپنے آنے کی اطلاع بھیجی اور ملنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر وہ اندر پہنچا۔ مغموم نگر پالنی پر ایک نظر ڈالی اور ان کے قدموں پر سر رکھ کر انھیں ان کے مرتبے کے مطابق تعظیم دی۔ نگر پالنی نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ خاموشی کا وقفہ طویل ہو رہا تھا اور سرال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کی ابتدا کیسے کرے، بالآخر وہ بولا۔ "مہامن کشال میرے پتا سمان تھے، ان کے دیہانت پر میں بھی اتنا ہی دکھی ہوں جتنا ان کے سوجن ہو سکتے ہیں"۔

"تم دیوانئی کے پتر ہونا"؟ نگر پالنی چندراولی کے منہ سے نکلا تو سرال کے چہرے کا رنگ یکا یک بدل گیا، وہ گھبرا گیا تھا۔ شاید نگر پالنی کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ یہ وقت اس مسئلے کو چھیڑنے کا نہیں ہے۔ سرال نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا اور جواب دینے میں تاخیر نہیں کی۔ ہاں دیوی، میں وہی ابھاگا پودا ہوں جسے اپنی دھرتی سے اکھاڑ کر کہیں اور لگا دیا گیا تھا"۔

سوالات بہت سے تھے، لیکن نگر پالنی اس گفتگو کو طول دینا نہیں چاہتی تھیں۔ سرال نے نگر پالک بننے کے بعد ان کے احترام اور آرام و آسائش کا جس طرح خیال رکھا تھا وہ مہامن کشال کے مقابلے میں بہتر تھا۔ بھلا ایسے محسن کا دل دکھانے والی باتوں کا سلسلہ وہ کیسے جاری رکھ سکتی تھیں۔ البتہ سرال کو یہ ضرور پتہ چل گیا کہ اس کی ماں اور کشال کے تعلق اور سرال کی پیدائش کے بارے میں نگر پالنی چندراولی کو سب کچھ معلوم ہے۔

سرال نے نگر پالنی سے اجازت لی اور وہیں سے سیدھے کیتی کے کمرے کی طرف چلا۔ اس کے کمرے کے باہر وہ ایک پل کو رکا۔ دروازے پر کوئی نہیں تھا۔ اس کے دستک

دینے پر ایک داسی باہر آئی جس نے فوراً واپس جا کر کیتی کو اس کے آنے کی خبر دی۔ اس کے لباس اور اس کے ساتھ موجودہ حفاظتی ویروں نے اس کا تعارف خود بخود دے دیا تھا۔ کیتی نے اسے اندر بلا لیا۔ اس کے پژمردہ چہرے پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔" دیوی یہ داس حاضر ہے"۔

کیتی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ چہرہ اجنبی تھا، لیکن آواز شناسا۔ اس نے سرال کو اور غور سے دیکھا تو کچھ مماثلتیں ایسی نظر آگئیں جو اس کی شناسا آواز کی تائید میں تھیں۔ پھٹی پھٹی نظروں، خوشی اور استعجاب کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا۔" ارے یوک تم ...." لیکن وہ فوراً سنبھلی، اسے یاد آیا کہ سامنے کھڑا نوجوان اس کا پریتم نہیں اس نگر کا پالک ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور بولی۔" داسی کیتی، نگر پالک کا اپنے نکش میں سواگت کرتی ہے"۔ اب اس کا انداز قطعی رسمی تھا اور بے تکلفی کا وہ رنگ جو اس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا، غائب ہو چکا تھا۔

سرال نے اسی رسمی انداز میں جواب دیا۔" نگر پالک سرال اپنے پتا سمان مہامن کشال کی پتری سے ان کے ندھن پر شوک پرکٹ کرنے آیا ہے۔ وہ ان کے پریوار جنوں کے دکھ میں برابر کا بھاگی دار ہے"۔

سرال کا یہ رسمی لہجہ کیتی کے دل پر خنجر کی طرح لگا۔ اسے لگا کہ نگر پالک بننے کے بعد سرال کی نظر میں اب بھلا اس کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ اب اس کی حیثیت بھولے ہوئے خواب جیسی ہے۔ اس نے طے کیا کہ وہ نئے حالات میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کرے گی۔

" کشال پتری نگر پالک کی سہانو بھوتی کی آبھاری ہے"۔ وہ بولی۔

وقت نازک تھا، کیتی کے دل میں تذبذب کا طوفان تھا تو سرال کے دل میں اس کے لیے بے پناہ محبت کا۔ دونوں کے دل کا دیا اپنے اپنے طوفانوں کی زد میں تھا۔ دونوں کو بچانے کا راستہ ایک دوسرے کے پاس تھا۔ سوال بس پہل کا تھا۔ کیتی اپنے خوف سے اتنی مغلوب تھی کہ ہمت نہیں کر سکی۔ سرال کے لیے اظہار کے دروازے کھلے تھے لیکن یہ وقت اس کی محبوبہ کے پتا کی تعزیت کا تھا جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری تھا۔ وہ کیتی کا

خوف سمجھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا ذہن بھی سوالات میں الجھ گیا ہے۔ وقت رفتہ رفتہ ان کا جواب دے دے گا لیکن ایک سوال کا جواب وہ فوری طور پر دینا چاہتا تھا کہ وہ کیتی کی محبت میں سرشار ہے اور ایک لمحہ بھی اسے فراموش نہیں کر سکا۔ وہ بولا "سرال دل من پالک ہو سکتا ہے پرنتو اس کا جیون دیوی کے ہاتھ میں ہے۔ اسے اپنا ہر وچن اچھی طرح یاد ہے۔ مہامن کے داسوں سے اسے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ مہامن نے دیہاوسان سے پہلے یہ بات کہہ دی تھی کہ انھیں سرال اور کیتی کے وواہ پر کوئی آپتی نہیں ہے"۔

"پرنتو مجھے ہے" کیتی اچانک بولی۔ "مجھے اپنے پتا مہامن کشال کی آتم ہتیا پر وشواش نہیں ہے۔ جب تک میں اس سمسیا کو سلجھا نہیں لیتی، وواہ کے وشے میں سوچنا میرے لیے پاپ ہے"۔ کیتی ایک لمحہ کو رکی، پھر بولی "اگر مہامن سرال برا نہ مانیں تو کشال پتری اپنے پتا کے دکھ کے ساتھ کچھ دیر ایکانت میں رہنا چاہتی ہے"۔

سرال نے کچھ نہیں کہا۔ بس مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

(چار)

کیتی کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ اس کی داسی ولی اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اپنے پر قبو رکھنا جیسے اس کے اختیار میں نہ رہ گیا ہو۔ اس نے اپنی محبت پر بہت بڑا خطرہ مول لے لیا تھا اور شاید زندگی پر بھی۔ اس لیے کہ اس کے پتا کی خودکشی کا تعلق سرال کی شہر میں موجودگی سے ضرور ہے، اس کا اسے یقین تھا۔ پھر وہ باتیں جو مہامن نے مرنے سے پہلے کہی تھیں وہ سرال کو معلوم تھیں۔ یہ محض داسوں کی زبانی ممکن نہ تھا۔ خودکشی کی رات مہامن نے اپنے پانچ سیوکوں کو قتل کر دیا تھا یہ بات بھی گلے سے نہیں اتر رہی تھی۔ اسے بار بار یہ شک ہو رہا تھا کہ جس وقت اس کے پتا کا ندھن ہوا تھا دل من کا نیا پالک اس وقت ان کے پاس موجود تھا۔ اگر ایسا تھا تو کیوں؟ اور نہیں تو اس کا کوئی اور امکان کیوں واضح نہیں ہو رہا ہے۔ آج اسے معلوم ہوا کہ نیا نگر پالک کوئی اور نہیں اس کا محبوب ہے لیکن بیٹی کی حیثیت سے اسے اپنا فرض پہلے پورا کرنا ہے اور اگر اس کا خیال درست نکلا تو نہ صرف وہ اپنی محبت کو قربان کر دے گی بلکہ محبوب کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے سے دریغ نہ کرے

گی۔سرال کے اس طرح خاموشی سے چلے جانے کی وجہ سے اس کے دل کو دھکا لگا تھا۔جس محبوب سے محبت کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اس کی خفگی کا خطرہ اس کے مقصد کی تکمیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

سرال نے کشال کے خاندان کے دوسرے افراد سے بھی اظہار ہمدردی کیا لیکن وہ بے چین تھا۔اسے کیتی کے شبہ نے فکر مند کر دیا تھا۔اس کے اس شبہ کو دور کرنا اب اس کا پہلا کام تھا کہ اس کا تعلق اس کی اپنی زندگی سے تھا۔نگر پالنی چندراولی کو اس نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ کوٹ میں آرام سے رہ سکتی ہیں لیکن نگر پالنی نے اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ اس مکان میں رہنے کی خواہش ظاہر کی تھی جو ان کے شوہر نے شہر کے درمیان نہر کے کنارے خاص ان کے لیے بنوایا تھا اور شادی کی خوشی میں انھیں تحفے کے طور پر پیش کیا تھا۔

(پانچ)

”دیوی کیتی کی داسی ولی مہامن سے ملنے کی اجازت چاہتی ہے“۔اکارا نے سرال کو اطلاع دی۔

”اسے فوراً اندر بھیج دو“۔

ولی اندر آئی،ادب سے سر جھکایا اور بولی۔”دیوی کیتی نے آپ کو ایک سندیش بھیجا ہے جو میں ایکانت میں بتانا چاہتی ہوں“۔

سرال نے اشارہ کیا اور اکارا کے ساتھ کمرے میں موجود تمام محافظ باہر چلے گئے۔”میں دیوی کیتی کا سندیش سننے کا اتسک ہوں“۔وہ بولا۔

ولی نے ادھر ادھر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور رازدارانہ انداز میں آہستہ آہستہ بولی۔”دیوی کیتی نے کہا ہے کہ وہ مہامن سے وواہ کے لیے تیار ہیں۔مہامن چاہیں تو ان کی ماتا سے اس وشے میں بات کر سکتے ہیں“۔

سرال کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا لیکن کیتی کا یہ فیصلہ کسی مصلحت سے خالی نہیں ہو گا یہ وہ جانتا تھا کہ وہ کیتی کی ذہانت اور دور اندیشی سے بے خبر نہیں تھا۔اسے محتاط رہنا ہو گا۔ممکن ہے

باپ کی موت نے اس پر اتنا اثر ڈالا ہو کہ وہ سرال کو نقصان پہنچانے کے لیے کچھ منصوبے بنا رہی ہو۔ وہ بولا "دیوی کیتی سے کہو کہ اس سماچار سے ہم بہت پرسن ہوئے اور شیگھر ہی ماتا چندراولی سے وواہ کی بات کریں گے"۔

کشال کا خاندان اپنے پسندیدہ مکان میں منتقل ہو چکا تھا۔ سرال نے جب نگر پالنی چندراولی سے کہا کہ وہ کیتی سے شادی کا خواہش مند ہے تو انہوں نے بس اتنا ہی کہا کہ اگر اس شادی پر دیوتا راضی ہوں تو انھیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مہا پجاری کی نظر میں سرال دیو پتر تھا، پھر بھلا اس کا کوئی ارادہ دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ اور مقررہ وقت میں کیتی سرال کی پتنی بن کر پھر کوٹ میں آگئی۔ محبت کا مرحلہ جتنی آسانی سے طے ہو کر ملن کے انجام تک پہنچا تھا وہیں دونوں میں موجود شبہات سے دلوں کے ملن کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ کیتی اپنے مقصد کی غلام بن چکی تھی اور سرال کا فوری مقصد تو بس کیتی کے امکانی شر سے خود کو محفوظ رکھنا تھا۔

لیکن پہلی ہی رات میں شکوک وشبہات کی دنیا تہس نہس ہوگئی۔ کیتی سرال سے اس قدر ٹوٹ کر ملی کہ سرال کے دل میں اس کی طرف سے کوئی ملال نہ رہا۔ اسے کیتی کی والہانہ اور پرجوش محبت میں اپنی خواہشات کی منزل مل گئی تھی۔ وہ خوش تھا، بہت خوش۔ اس کی زندگی اب کسی مقصد کے بوجھ سے آزاد تھی۔ اب اس کی زندگی اپنی تھی۔ وہ اپنی ماتا کی زندگی کے مقصد کو پورا کر چکا تھا۔ اور اب اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

شادی اتنی افراتفری میں ہوئی تھی کہ شہر سے باہر کے کسی شخص کو شرکت کی دعوت نہیں دی جاسکی تھی۔ اب وہ چاہتا تھا کہ ماں کو بھی دل من بلالے۔ تارکی کی اسے ضرورت نہ تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں تارکی کے بغیر یہاں نہیں آسکتی، اس لیے اس نے اسے بھی بلالیا تھا۔ اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ ان کے آنے کے بعد وہ ایک شاندار دعوت کا اہتمام کرے گا، جو اس کی شادی اور نگر پالک بننے کی خوشی میں ہوگی اور اس میں سارے نگر پالکوں کو ان کے افراد خاندان کے ساتھ مدعو کرے گا۔

(چھ)

جس دوت نے دیوانئی تک سرال کا پیغام پہنچایا تھا، اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کشال کی موت کے بعد مہامن سرال نے اس کی بیٹی کیتی سے شادی کر لی ہے۔ اپنے دشمن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کی خبر اس کے لیے دل خوش کن نہیں تھی لیکن وہ اپنے سماج کے رسم و رواج سے واقف تھی۔ اب اس کا بیٹا عام ناگرک نہیں، نگر پالک تھا اور اسے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا حق حاصل تھا۔ وہ اس شادی کو سیاسی ضرورت سمجھ رہی تھی اور اسے تارکی کے مقام اور مرتبے کے لیے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے برعکس جب یہی خبر تارکی نے سنی تو وہ آپے سے باہر ہوگئی۔ اس نے غصے میں کھولتے ہوئے کہا کہ اب وہ زندگی بھر سرال کی صورت نہیں دیکھے گی۔ لیکن کوشک نار اور دیوانئی کے سمجھانے سے بات اس کی سمجھ میں آگئی اور دھیرے دھیرے اس نے اس نئی صورت حال سے سمجھوتا کر لیا۔ دیوانئی نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بڑی نگر پالنی ہے اور اس کا یہ مرتبہ کوئی نہیں چھین سکتا۔

تارکی کو منانے کے بعد دیوانئی نے تارکی اور اس کے بچے شے شیا کے ساتھ دل من جانے کی تیاری شروع کر دی۔ شہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ یہ لوگ اب مستقلاً وہیں رہیں گے اس لیے ان کو الوداع کہنے کے لیے سارا شہر امنڈ پڑا تھا اور سب کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

دل من کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے دیوانئی نے جو مسرت محسوس کی اس کا بیان کیسے ممکن ہے کہ یہ اس کے خوابوں کا شہر تھا۔ کوٹ پہنچ کر وہ اپنے بیٹے سے ملی تو اس کی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے گھر اور متھو کی سمادھی پر جانا چاہتی ہے تاکہ اس کی آتما کی شانتی کے لیے دیوتاؤں سے دعا کر سکے۔ بھلا سرال کو اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے داسوں کو حکم دے کر ساری تیاری کروا دی۔

اپنی ماں کی خواہش پر سرال نے متھو کی سمادھی پر ایک یادگار استمبھ تعمیر کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ دیوانئی نے تارکی کے مرتبے کے بارے میں بھی سرال سے بات کی تھی۔ اس نے اس کی بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن دیوانئی نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا کہ تارکی

بڑی ہے اور اس کا مرتبہ کیتی سے بلند رہے گا تو سرال نے خاموشی سے اس کی بات مان لی تھی۔ ان سب باتوں کے بعد کوٹ میں امن وسکون کا ماحول بن گیا تھا جس سے سرال کی ذہنی کیفیت اس لائق ہوئی کہ وہ اطمینان وسکون سے اہل شہر کی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف دھیان دے سکے۔ شہر کی بدامنی کا ماحول تو اس کے نگر پالک بنتے ہی معمول پر آگیا لیکن اب اس کی سابقہ رونق بھی واپس لوٹنے لگی تھی۔

اس پرسکون ماحول میں سرال نے اس دعوت کا اہتمام کیا جس میں آس پاس کے نگر پالکوں کے ساتھ ہریوپیکا اور گملانگر کے نگر پالک اور سمیریا کے بادشاہ لوگل زگسی بھی خصوصی طور پر شریک ہوئے تھے۔ شہر پرسکون تھا اور سرال کے لیے بظاہر آرام کا وقت آگیا تھا۔

وہ مطمئن تھا کہ کیتی اس کے آرام کا ہر طرح خیال رکھتی تھی۔ اس کی معمولی سے معمولی ضرورت کے لیے بھی وہ داسوں اور داسیوں پر بھروسہ نہیں کرتی تھی بلکہ سرال کے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ کرنے کے بعد اسے عجیب سی لذت، ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوتا تھا اور سرال کے لیے اس کا یہ رویہ باعث اطمینان تھا۔

(سات)

لیکن جیسا نظر آرہا تھا سب کچھ ویسا ہی نہیں تھا۔ سازش کی تہ نشیں لہریں اس خاموش سمندر میں موجزن تھیں اور اپنا کام کررہی تھیں، اور اس سازش کی سربراہی کا کام کوئی اور نہیں سرال کے دل کی ملکہ، اس کی محبوبہ اور پتنی نگر پالنی کیتی نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔

سازش

(ایک)

کوٹ کے ایک حصے میں تارکی کی رہائش تھی۔ اس کا کمرہ اس کے مرتبے کے شایان شان تھا۔ اسی حصے کے ایک کمرے میں دیوانئی رہتی تھی۔ تارکی کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ جب سے اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ سرال نے ایک اور شادی کرلی ہے اس کا مزاج کچھ اور چڑچڑا ہوگیا تھا۔ فرصت کے اوقات میں دیوانئی اسے سمجھاتی رہتی تھی کہ اسے محبت اور ہمدردی کے ساتھ سرال کا دل جیتنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ سرال چونکہ دیوانئی کا بیٹا ہے اس لیے اس کی خوشی کے لیے وہ اسے سمجھاتی بجھاتی رہتی ہے۔ شاید وہ محبت جیسے لطیف جذبے سے واقف ہی نہیں تھی یا شاید وہ اس شخص کے لیے ہمدردی کا اظہار نہیں کرسکتی تھی، جس نے اس کی توہین کرتے ہوئے ایک اور لڑکی سے تعلقات استوار کرلیے ہوں۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ کیتی اس کے مقابلے میں زیادہ حسین اور دلکش ہے۔ اسے کیتی سے حسد تھا۔ تارکی کے رویے کے برعکس کیتی سرال کی خدمت جی جان سے کررہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سرال محبت کا بھوکا ہے اور اس کی اس بھوک کا علاج کیتی کے پاس تھا۔ نتیجہ توقع کے عین مطابق تھا کہ اس کا رشتہ تارکی کے مقابلے میں کیتی سے زیادہ مضبوط تھا۔ اس کی فرصت کے اوقات کا بیشتر حصہ کیتی کی خواب گاہ میں گذرتا تھا۔ لیکن وہ تارکی کے پاس بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ اس میں تارکی سے محبت کی جگہ اپنی ماں کی دل جوئی کا جذبہ زیادہ تھا۔ زندگی کا سفر اسی طرح جاری تھا اور بظاہر اس میں کسی تبدیلی کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔

کیتی کا رویہ دیوانی کے ساتھ اطمینان بخش تھا لیکن ابھی تک اس کی ملاقات تارکی سے نہیں ہوئی تھی۔ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے وہ ایک دن تارکی کے کمرے میں پہنچی۔ تارکی اپنے کمرے میں اکیلی تھی اور کیتی کا مقصد اپنی آمد سے اسے یکا یک چونکا دینے کا تھا۔ لیکن اسے کمرے میں دیکھتے ہی تارکی برس پڑی۔ "تم نے میری انومتی کے بنا میرے ککش میں آنے کا ساہس کیسے کیا"؟

کیتی کو تارکی کا یہ انداز برا لگا لیکن اس نے اپنا لہجہ نہیں بدلا، وہ بولی۔ "تارکی یہاں رہتے ہمیں کئی دن ہو گئے اور ہماری ملاقات نہیں ہوئی، میں چھوٹی تھی اس لیے سوچا مجھے سویم تم سے ملنا چاہیئے"۔

"پرنتو مجھے تم سے ملنے کی اچھا نہیں ہے" تارکی کا غصہ آسمان چھو رہا تھا۔

دیوانی نے اپنے کمرے سے تارکی کے چیخنے کی آواز سنی تو دوڑی ہوئی آئی، اس نے کیتی کو وہاں دیکھا تو سمجھی کہ اس نے تارکی کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے چنانچہ اس نے کیتی سے پوچھا: "کیا بات ہے کیتی"؟

تارکی کو لگا کہ دیوانی اب کیتی کی حمایت میں کچھ بولنے والی ہے اس لیے جلدی سے بولی: "اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا، اس سے پوچھو کہ کسی کے ککش میں بنا انومتی کے آنا کہاں کی سبھیتا ہے۔

دیوانی نے کیتی کی طرف دیکھا اور بولی۔: "کیتی تمہیں انومتی کے بنا نہیں آنا چاہیئے تھا۔ آخر تارکی کا پد تم سے بڑا ہے۔ وہ مہاپالنی ہے"۔

"مجھ سے بھول ہو گئی ماتا جی، بھوشیہ میں ایسا نہیں ہوگا"۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی، اس تو ہین پر وہ رو پڑے، اس سے پہلے ہی وہ تیزی سے کمرے کے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد دیوانی نے تارکی سے کہا: "تم تو جانتی ہو تارکی کہ سرال ابودھ ہے اور اس استری نے اس کا پورا لابھ اٹھایا ہے۔ اب اگر تم نے اپنا آچرن نہ بدلا تو سرال تم سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ یہ جو اپمانت ہو کر روتی ہوئی تمہارے ککش سے گئی ہے، اسے خوب نمک مرچ لگا کر سرال سے بتائے گی اور اس کے ہردے میں تمہارے لیے گھرنا پیدا کرنے کی چیشٹا کرے گی۔ اب بھی بدھیمانی سے کام لو اور جیون کو نرک بننے سے بچا لو۔ کیتی سے اچھے

دیوہار اور سرال سے پریم۔ جس ہی تمہاری پر ستا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ سرال تم کو چھوڑ دے"۔
تارکی کو دیوانئی کی باتیں زہر معلوم ہو رہی تھیں لیکن دیوانئی سے مخالفت کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ اگر دیوانئی بھی اس سے دور ہوگئی تو یہاں پر دیس میں کوئی بھی اس کا ہمدرد نہیں رہ جائے گا اور اگر وہ ناراض ہو کر اپنے پتا کے گھر چلی جائے تو قانون کے مطابق اسے زندہ ندی میں ڈبو دیا جائے گا۔ اور وہ ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی۔

(دو)

سرال کا خفیہ معلومات۔ فراہم کرنے کا شعبہ بہت مستعد اور متحرک تھا لیکن اسے بہت کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ کیتی کی محبت میں سرشار تھا۔ اسے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ تھی کہ کیتی جیسی محبت کرنے اور اس پر جی جان سے نچھاور ہونے والی پتنی اس کے خلاف سازش کر رہی ہے۔

اپنے پتا کی موت کی خبر دوسروں کی طرح کیتی نے بھی سنی تھی، لیکن جن حالات میں یہ موت ہوئی تھی اس پر اسے دوسروں کی طرح یقین نہیں آیا تھا۔ اسے اپنے پتا سے ملاقات کے وہ لمحے یاد آرہے تھے جب جذبات سے مغلوب ہو کر انھیں اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔ اسے پورا یقین تھا کہ کسی اور دن پتا کشال اسے پھر طلب کریں گے اور اس بار ادھوری بات کو پورا کریں گے۔ یہ کام ابھی باقی تھا۔ اسی لیے ان کی خودکشی کا فیصلہ اسے ناقابل یقین لگ رہا تھا۔ اب اسے دوسری باتیں بھی رفتہ رفتہ یاد آنے لگی تھیں۔ اسے سرال سے کوٹ کے باغیچے میں اپنی پہلی ملاقات یاد آرہی تھی۔ یہ اجنبی ظاہر ہے کہ کسی مقصد سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپا تھا۔ پھر خودکشی کی رات دل من میں اس کی موجودگی پر اسرار نظر آرہی تھی۔ شہر کے شمالی حصے میں ہونے والی بغاوت بھی اس کی فہم سے بالاتر تھی۔ سرال کے نگر پالک بننے اور اسے آخری وقت میں اس کے پتا کی باتوں کی معلومات بھی معاملے کو پر اسرار اور پیچیدہ بنا رہی تھی۔ یہ سب باتیں اشارہ کر رہی تھیں کہ کسی نے منظم انداز میں اصل واقعات کو چھپا کر ایسی باتوں کو شہرت دی ہے جو اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہوں۔
اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرے گی اور کسی بھی

طرح اپنے والد کی موت کے ذمہ دار لوگوں کو ان کے جرم کی سزا دلائے گی۔ خواہ وہ اس کا پتی سرال ہی کیوں نہ ہو۔ اس فیصلے کے فوراً بعد وہ ان تمام لوگوں سے خفیہ طور پر باری باری ملی تھی جو اس کے پتا کے ہمدرد اور وفادار تھے۔ اپنی سرگرمیوں کا مرکز اس نے جھنجھو دڑ دوالی سڑک پر واقع اپنی وشرام شالا کو بنایا تھا جو دل من سے دور ہونے کے سبب محفوظ جگہ تھی۔ شک وشبہ کے اس ماحول کی موجودگی میں وہ سرال سے شادی کا معاملہ ٹالنا چاہتی تھی لیکن اپنے ایک بزرگ ہمدرد اور پتا کے دوست کے مشورے پر اس نے شادی کرلی تھی کہ اس طرح نگر پالنی کی حیثیت سے اس کے اختیارات لامحدود ہوں گے اور اس کی سرگرمیاں شبہات سے بالاتر ہو جائیں گی۔

ہفتے کے آخری دو دن وہ اب بھی اپنی وشرام شالا میں گذارتی تھی۔ چونکہ اس کا یہ معمول ایک عرصے سے تھا، اس لیے کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اس کے پتا کے وفادار لوگ پہلے سے یہاں پہنچ کر اس کا انتظار کرتے تھے۔ یہ سب لوگ کیتی کی سربراہی میں کام کر رہے تھے لیکن کیتی کوئی بھی فیصلہ ان کے مشورے کے بغیر نہیں کرتی تھی۔

یہ گروہ کیتی کے علاوہ صرف پانچ لوگوں پر مشتمل تھا۔ یہ پانچوں اس کے پتا کی زندگی میں بھی انھیں اہم اطلاعات خفیہ طور پر فراہم کرتے رہتے تھے۔ ان میں اس کے پتا کے مہاویر، دیوایتن کے مہاپجاری اور شہر کے مہاجن شامل تھے۔ دو اور لوگ بھی تھے جو ویسے تو ویر تھے لیکن ان کا تعلق خفیہ معلومات کی فراہمی کے شعبے سے تھا ان پانچوں کی نگرانی میں کچھ اور لوگ بھی سرگرم تھے اور کیتی کو ہر طرح کی خبریں فراہم کرتے رہتے تھے۔

سرال سے اس کی شادی کو ایک برس ہو چکا تھا۔ اس بیچ اس کا یہ شبہ یقین میں بدل چکا تھا کہ اس کے پتا نے خودکشی نہیں کی تھی۔ انھیں قتل کیا گیا تھا اور سرال یا اس کے خاندان کے کسی فرد کا اس میں ہاتھ تھا۔ بس ایک بات کھٹک رہی تھی کہ جس وقت اس کے پتا کا قتل ہوا تھا سرال شہر کے مرکزی حصے میں اپنی سینا کی رہنمائی میں مصروف تھا۔ اب یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی تھی کہ سرال نے اس کے پتا کا تختہ پلٹنے کے لیے منظم کوشش کی تھی اور اس کے لاتعداد لوگ اس رات شہر کے مختلف حصوں میں مورچہ سنبھالے ہوئے تھے۔ اسے اس بات کا زیادہ دکھ نہ تھا کہ سرال نگر پالک بن گیا۔ یہ تو معمولات میں شامل ہے کہ نگر

پالک بدل سکتے ہیں لیکن اپنے پتا کے قاتل کو وہ معاف نہیں کر سکتی تھی۔ ناگرک سرال سے خوش ہیں اور کشال کی موت کے بعد جیسے لوگوں نے سکون کی سانس لی تھی۔ یہ بات بھی کیتی کو معلوم تھی۔ پھر اب سرال اس کا پتی تھا اور وہ اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ یہ بھی اپنی جگہ حقیقت تھی۔ اسی لیے اس کا کام مزید پیچیدہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

آج بھی وہ اپنی وشرام شالا میں تھی اور خفیہ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ شہر کی سرگرمیوں کی اطلاعات پر تبادلۂ خیال کے بعد کچھ دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اسی بیچ مہاجن ان کیا بولے: ''مجھے کچھ دنوں سے ایسا لگ رہا ہے کہ مہامن کی ہتیا کی تہ تک پہنچنے کے لیے ہمیں اس کال میں واپس لوٹنا ہوگا جب کیتی کا جنم بھی نہیں ہوا تھا اور مہامن نے دیوانی نام کی ہی ایک استری کو نگر سے باہر پھینکے جانے کا دنڈ دیا تھا۔ یہ سننے میں آیا تھا کہ وہ استری جیوت بچ گئی تھی۔ مجھے لگتا ہے اب یہی استری کوٹ میں نگر ماتا کی حیثیت سے موجود ہے اور سرال اسی کا پتر ہے''۔

مہاویر مانگدی نے جو اب بھی اپنے سابقہ عہدے پر کام کر رہے تھے اور سرال کے معتبر لوگوں میں گنے جاتے تھے، ان کے خیال کی تائید کی۔ ''میں آپ کے اس وچار سے سہمت ہوں۔ یہ بات ایک دم کھلی ہوئی ہے کہ اسی استری نے کشال کی ہتیا کر کے بدلہ لیا ہے۔ پرنتو آگے بڑھنے کے لیے ہمیں پرمانڑ چاہیئے۔ ہم لوگ اب نگر کی شانتی میں بادھا اتپن کرنا نہیں چاہتے۔ اس طرح ناگرک ہمارے ورودھ ہو جائیں گے''۔

''ہاں''۔ کیتی بولی۔ ''ہمیں کوئی بھی کام بڑی بدھیمانی سے کرنا چاہیئے۔ اگر یہ طے ہو جائے کہ میرے پتا کی مرتیو کا ذمہ دار کون ہے تو دنڈ دینے کا طریقہ میں سویم ڈھونڈھوں گی۔ اچھا ہو کہ دیوانی کے بارے میں کچھ اور چھان بین کی جائے''۔

''دیوانی کے بارے میں کچھ جانکاری ہمارے پاس بھی ہے''۔ سب سے کم عمر نوجوان کیلر نے مداخلت کی ''میں نے سوچا تھا کہ جب تک پکے پرمانڑ نہ ملیں یہاں اس کی چرچا اُچت نہیں ہے۔ پرنتو اب جب یہ چرچا چل ہی پڑی ہے تو میں بھی اپنی بات آپ لوگوں کے سامنے رکھ دوں۔ شاید اس سے پورے پرکرن کو سمجھنے میں کوئی سہایتا ملے''۔

''ہاں یہ آوشیک ہے کیلر'' کیتی نے کہا۔

"یہ استری دیوانئی مہامن کوشک نار کے سن رکشن میں گملانگر میں رہتی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا تھا کہ اپنی اور اپنے پتر کے پران جانے کے بھے سے یہ لوگ گملا پالک کے پاس سے بھاگ گئے تھے گملا پالک کو ان کے مہا پجاری نے بتایا تھا کہ دیوانئی کا پتر کسی نگر پالک کی ہتیا کرے گا۔ گملا پالک اسے اپنا ہتیارا سمجھ رہے تھے۔ پرنتو اب پتہ چلا کہ مہا پجاری کی یہ بھوشیہ وانی مہامن کشال کی ہتیا سے سمبندھت تھی۔ اب اگر ہم مہاجن ان کہیا کی بات کو اس سے جوڑ کر دیکھیں تو یہ بات کھلتی ہے کہ سرال اسی دیوانئی کا پتر ہے۔ یہ دھیان رہے کہ دیوانئی کا وواہ کبھی نہیں ہوا پھر بھی وہ پتر وتی ہے۔ اس استری نے سرال کو تیار ہی اس پرکار کیا ہوگا کہ اسے مہامن کشال سے اپنے ساتھ ہونے والے انیائے کا بدلہ لینا ہے۔ میں جس نشکرش پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ ہتیا سرال نے کی ہے اور اس کے پیچھے دیوانئی کا پرامرش اور پتھ پردرشن سمّلت ہے۔ دونوں دوشی ہیں اور دونوں کو دنڈ ملنا چاہئے"۔

"تو پھر ہمیں اپنی چھان بین اب کیول دیوانئی اور سرال تک سیمت کر لینا چاہیئے۔ ادھر ادھر دھیان دینے کی اب آوشیکتا نہیں ہے۔ ہمارا دوشی ان دو میں سے ایک یا دونوں ہو سکتے ہیں"۔

مہاجن بولے: "سرال آپ کے پتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

"پتی ہونا اس بات میں آڑے نہیں آئے گا کہ ہمیں مہامن کشال کے ہتیاروں کو دنڈ دینا ہے"۔ کیتی غصے میں بولی: "اگر یہ پرمانت ہو جاتا ہے کہ ہتیا سرال نے کی ہے تو اسے میں سویم اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دوں گی"۔

اس کے بعد یہ خفیہ بیٹھک ختم ہو گئی۔ مہاویر مانگدی نے اٹھتے اٹھتے کہا: "ہو سکتا ہے اگلی بار جب ہم ملیں تو یہ گتھی پوری طرح سلجھ چکی ہو"۔

(تین)

اور اگلے ہفتے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی تھی کہ دیوانئی اور سرال کی ایما سے مہامن کشال کا قتل نے ڈنجے نے کیا تھا۔

مہاویر مانگدی نے شبہ کی بنیاد پر نے ڈبچے کو خفیہ طریقے سے گرفتار کرلیا تھا اور اسے کیتی کی وشرام شالا میں ساتھ لائے تھے۔ اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ بولنے لگا اور ایسا بولا کہ ایک ایک بات کھل کر سامنے آگئی۔ دیوانی، سرال اور مہامن کشال کے قتل کی ساری کہانی اب ان کے لیے راز نہ تھی۔ یہ بھی پتہ چلا کہ سرال دراصل کشال کا ہی بیٹا ہے اور دیوانی نے اپنے انتقام کے لیے سرال کو تیار کیا تھا۔ قتل ان دونوں نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ نے ڈبچے نے اپنے چار دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس بات چیت کے بعد اس سے چاروں کے نام معلوم کیے گئے۔ آخر میں کیتی نے پانچوں کو موت کی سزا کا حکم سنایا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ یہ سزا خفیہ طور پر ہی دی جائے۔ کیتی نے یہ بھی کہا کہ باقی دو مجرم وقت آنے پر سزا پائیں گے اور سزا کا طریقہ کار وہ خود طے کرے گی۔

اب کوٹ کے اندر کیتی کی سرگرمیوں میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ سب سے زیادہ وہ دیوانی کی دشمن تھی۔ سرال کا جرم صرف یہ تھا کہ اسے استعمال کیا گیا تھا۔ جنگ جو اور بہادر ہونے کے ساتھ وہ کتنا معصوم ہے، یہ کیتی سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔ لیکن وہ مجرم تھا اور سزا اسے بھی ملنی تھی۔ البتہ اب وہ تارکی سے ناراض نہیں تھی۔ اس نے صدق دل سے اسے معاف کر دیا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ دیوانی کو سزا دلانے میں وہ تارکی کا استعمال کرے گی۔ جیسے دیوانی نے سرال سے کام لیا تھا۔

کیتی اور دیوانی کا تعلق اب ایک عجیب نوعیت اختیار کر رہا تھا۔ سرال سے گفتگو کے دوران وہ دیوانی کے احترام کا لحاظ رکھتی اور کبھی کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی۔ ہاں کبھی کبھی وہ یہ ضرور کہتی کہ عمر کی زیادتی نے ماں کو چڑچڑا بنا دیا ہے اور انھیں جلد غصہ آجاتا ہے۔ وہ بڑی احتیاط سے یہ باتیں سرال کے ذہن میں اتار رہی تھی۔ لیکن سرال کی غیر موجودگی میں وہ دیوانی کو ہر بات پر نہ صرف ٹوکتی بلکہ دوسرے طریقوں سے بھی اسے ذلیل کرنے کا موقع تلاش کرتی رہتی۔ دیوانی سرال اور کیتی کے رشتے کو جانتی تھی اس لیے سرال سے کیتی کی بدمزاجی اور بدسلوکی کا ذکر کرنے کی اسے ہمت نہ ہوتی۔ البتہ جب کبھی وہ تنہائی میں سرال سے ملتی تو تارکی اور اس کے درمیان تعلقات بحال کرنے کی بات ضرور کرتی۔ سرال بار بار یہ باتیں سن کر بدمزہ ہونے لگا تھا لیکن ابھی تک دیوانی سے اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو اسے بری لگے۔

سرال کو حیرت اس بات پر تھی کہ پچھلے کچھ دنوں سے کیتی بھی یہ اصرار کرنے لگی تھی کہ اسے تارکی سے اپنے تعلقات کو بہتر بنانا چاہیے۔ وہ یہ بھی کہتی رہتی تھی کہ بیٹے کی حیثیت سے اسے اپنی ماں کا ہر حکم ماننا چاہیئے اور اسے یہ احساس نہ ہونے دینا چاہیئے کہ نگر پالک بننے کے بعد اس کے رویے میں کوئی تبدیلی آگئی ہے۔ یہ سن کر سرال کو ایک عجیب سکون کا احساس ہوتا تھا کہ کیتی اس کی ماں کا کتنا احترام کرتی ہے۔

لیکن اس احترام کی حقیقت تو دیوانئی جانتی تھی۔ روز روز کی ذلت اور بدسلوکی سے مجبور ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سرال سے کیتی کے رویے کے بارے میں گفتگو کرے گی اور جیسے ہی اسے موقع ملا اس نے سرال سے کہا۔ ''پتر میں کیتی کے سمبندھ میں تم سے کچھ آوشیک باتیں کرنا چاہتی ہوں''۔

''میں سننے کو اتسک ہوں ماتا''۔ سرال نے احترام سے کہا۔ اسے امید تھی کہ وہ کیتی کے لیے کچھ تعریفی باتیں کرے گی۔

لیکن دیوانئی نے کہا: ''پتر کیتی کے ڈرویوہار سے میں مجبور ہو چکی ہوں کہ یا تو تم اسے سمجھاؤ کہ مجھ سے سمبندھ اچھے رکھے یا پھر میرے الگ رہنے کی ویوستھا کر دو''۔

سرال حیران تھا، اسے فوراً خیال آیا کہ چونکہ اس کی ماں تارکی کی وجہ سے کیتی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی اس لیے اسے تارکی کے قریب لانے کا یہ آخری حربہ استعمال کر رہی ہے۔ وہ بات کی گہرائی میں جانے کے بجائے بولا: ''میں کیتی کو سمجھا دوں گا ماتے تم چنتا نہ کرو''۔

دوسری طرف کیتی نے تارکی سے ملنا جلنا بڑھا دیا تھا۔ اب وہ تارکی سے ایسی باتیں کرتی کہ اس کے پیٹھ پیچھے سرال اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا۔ اس نے اسے یہ بھی بتایا کہ سرال اپنے سابقہ رویئے پر شرمندہ ہے لیکن سامنے آ کر اس کا ذکر کرنے کی اسے ہمت نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ وہ اسے سرال سے ملوائے گی اور اس کا کھویا ہوا مرتبہ اسے واپس ملے گا۔ وہ ہمیشہ تارکی کا احترام کرتی اور اسے اپنی بڑی بہن کی طرح مانتی۔ سرال کے دل میں بھی اس تعلق سے دلچسپی کا بیج وہ بو چکی تھی اور ان سب سے ہٹ کر اس نے تارکی کے دل میں یہ شک بھی ڈال دیا تھا کہ دیوانئی اس کی ہمدرد نہیں ہے اور اگر دیوانئی سے اس کا رشتہ یوں ہی رہا تو سرال سے تعلقات کی بہتری ممکن نہ ہوگی۔ تارکی اپنی بے رس زندگی سے عاجز آ چکی تھی اور کیتی

کی ہر بات اسے ہمدردانہ اور قابل عمل لگتی تھی، اسی لیے اس نے رفتہ رفتہ دیوانئی سے ملنا جلنا کم کر دیا تھا۔

کیتی نے سرال کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ تارکی سے ملے اور اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے اس کے لیے اس نے زیادہ انتظار نہیں کیا بلکہ فوراً ہی تارکی کو خوب سجا سنوار کر اپنے ساتھ سرال کے کمرے میں لے آئی۔ اس نے دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں دیا اور یہ کہتے ہوئے باہر چلی گئی کہ اسے کچھ ضروری کام یاد آ گیا ہے۔

سرال کو تارکی کے بدلے ہوئے مزاج پر حیرت تھی۔ آج اس کے چہرے پر محبت کے نقوش اور آنکھوں میں پچھتاوے کے آنسو نظر آ رہے تھے۔ شاید آج پہلی بار اس نے تارکی کے حسن پر نظر ڈالی تھی۔ وہ واقعی حسین تھی۔ اسے حیرت تھی کہ اس سے پہلے اس کا یہ حسن اسے کیوں نہیں نظر آیا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیتی کتنی اچھی ہے کہ اس نے تارکی کو اس سے ملانے کی کوشش کی۔ وہ اس کی بات ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تارکی کے آنسو پونچھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جیسے کسی دریا میں یکا یک سیلاب امنڈ آیا ہو۔ وہ سرال سے لپٹ گئی اور اپنی بدمزاجی کی معافی مانگی۔ سرال نے اسے یقین دلایا کہ اب اس کے دل میں تارکی کی طرف سے کوئی میل نہیں ہے۔ رات بھر گلے شکوے اور محبت کی تجدید کا سلسلہ جاری رہا اور صبح جب تارکی وہاں سے نکلی تو اس کے چہرے کی رنگت اور دیوانئی اور کیتی کے لیے اس کے رویے میں نمایاں تبدیلی آ چکی تھی۔

دیوانئی جب کیتی سے پریشان ہوتی تو آزادانہ اپنا دکھ درد تارکی کو سنا دیتی تھی۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ دیوانئی نے ایک داسی کو کسی کام سے کہیں بھیجنا چاہا تو کیتی نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ جب کوئی داسی میرا کام کر رہی ہو تو اسے کوئی دوسرا کام نہ کہا جائے۔ دیوانئی نے جب کچھ کہنا چاہا تو کیتی نے اسے بری طرح پھٹکار دیا تھا۔ تارکی کے پاس آ کر آج وہ یہی بتانا چاہتی تھی۔ اس کی باتیں تارکی نے بڑی بے توجہی سے سنیں۔ اس کے بعد بولی کہ انھیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کیتی اپنے پتی کی پریا ہے۔ دیوانئی کو تارکی کا یہ بدلا ہوا انداز عجیب لگا تھا۔ اس نے بات کو آگے بڑھانا پسند نہ کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ اب اس نے غور کیا تو

وہ بے دست وپا ہو چکی تھی۔ اس کا بیٹا اس کی بات سننے اور ماننے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا اور تارکی نے بھی نظریں پھیر لی تھیں۔ چنانچہ سرال سے مل کر اس نے جب یہ اصرار کیا کہ اسے کوٹ سے باہر رہائش کے لیے کوئی مناسب جگہ دے دی جائے تاکہ وہ اپنا باقی وقت دیوتاؤں کی آرادھنا میں گذار سکے تو سرال نے فوراً ہی شہر کے درمیانی حصے میں اس نہر کے کنارے جو دریائے سندھ سے نکالی گئی تھی، ایک مکان اس کی رہائش کے لیے دے دیا اور وہ اسی دن اپنے ضروری اثاثے کے ساتھ وہاں منتقل ہوگئی۔

دیوانئی کے کوٹ سے جانے کا سرال کو دکھ ضرور ہوا لیکن وہ یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ اسے ماں کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے اور اس کے آرام و آسائش کا خیال بھی۔ اور یہ فیصلہ اس کی ماں نے خود کیا تھا۔ چلتے وقت سرال، تارکی اور کیتی اسے رخصت کرنے آئے۔ سرال نے اس کے پاؤں کو چوما اور وعدہ کیا کہ وہ ہفتے میں کم از کم ایک بار اس سے ملنے ضرور آئے گا۔ سرال کے بعد تارکی نے اس کی قدم بوسی کی تو اس نے اسے خوش گوار مستقبل کی دعا دی۔ لیکن جیسے ہی کیتی جھکی اس نے اپنے پاؤں پیچھے کھسکا لیے اور بغیر کچھ کہے دروازے سے باہر آگئی۔ سرال نے دیکھا تو اسے اپنی ماں کا یہ عمل اچھا نہیں لگا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔

کیتی کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے دیوانئی کے باہر نکلتے ہی اطمینان کی سانس لی، اس کے منصوبے کا پہلا مرحلہ بحسن وخوبی انجام پا گیا تھا۔ اب کوٹ میں کوئی نہ تھا جس کی ذہانت اس کے منصوبے کی عمل آوری میں رخنہ ڈال سکے۔

آخری فیصلہ

(ایک)

دیوانی کو کوٹ سے نکل کر علحدہ رہتے ہوئے کئی مہینے ہو چکے تھے۔ اس بیچ تارکی اس سے ملنے کے لیے دو چار بار آئی تھی۔ کیتی بھی ایک بار آئی تھی، لیکن اب اس کی بدمزاجی محبت میں بدل چکی تھی۔ دیوانی اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ اس عورت نے اسے اپنی سازش کے جال میں الجھا دیا ہے۔ شاید اس کی ڈھلتی عمر کے ساتھ اس کی ذہانت بھی رخصت ہونے لگی تھی ورنہ اس حصار سے باہر نکلنا اس کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اسے خوشی تھی کہ کیتی دوبارہ اس سے ملنے نہیں آئی۔ سرال نے ہفتے میں ایک دن ملنے کا اپنا وعدہ کچھ دن نبھایا، لیکن پھر وہ مصروفیت کا بہانہ کرنے لگا۔ ادھر کافی دنوں سے وہ اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ دیوانی نے سنا تھا کہ سرال نے شراب پینی شروع کر دی ہے۔ اقتدار حاصل ہونے کے بعد کی دوسری برائیاں بھی اس کے اندر پیدا ہونے لگی تھیں۔ آج ایک طویل وقفے کے بعد جب وہ ملنے آیا تھا تو شراب کے نشے میں تھا۔ دیوانی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ برہم ہو گیا زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی ماں اور محسن کو برا بھلا کہا اور پیر پٹکتے ہوئے اس کے مکان سے چلا گیا تھا۔

دیوانی کو تو جیسے اپنی دنیا ہی ویران نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کئی بار سوچا تھا کہ اس نے اپنی زندگی سے جو چاہا تھا وہ اسے مل چکا ہے۔ اب اسے اور نہیں جینا چاہیے۔ کیونکہ آئندہ اگر خواہشات نے اس کے ذہن پر اپنا جال بنا تو اسے مایوسی ہوگی۔ خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اس کا بیٹا اب اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ زندہ رہنے میں سوائے ذلت، رسوائی اور کرب کے اب اسے کچھ ملنے والا نہیں تھا۔ اس نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اسے مہا

پجاری سے مل کر کسی دیواپتن میں دیوتاؤں کی خدمت کا کام لے لینا چاہیے تاکہ وہ زندگی کے بقیہ دن دنیا کے آلائشوں سے پاک رہ کر گذار سکے۔ یہ خیال اسے اچھا بھی لگا تھا۔

ان تمام باتوں کے برعکس سرال نے اپنی ماں کا ہر طرح خیال رکھا تھا۔ اس کی خدمت کے لیے تین داسیاں تھیں۔ اس کی ضرورت کا ہر سامان قبل از وقت اس کے مکان پر پہنچا دیا جاتا تھا، لیکن یہ مادی آسائشیں دیوانیٔ کی روحانی اذیت کا مداوا نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے دل کے زخموں کا علاج محبت تھا جو اس کے لیے اب کسی کے دل میں نہیں تھی۔

(دو)

''کپڑے اتار دو .... کپڑے اتار دو''۔ پاگل بوڑھا دل من کی سڑکوں پر حسب معمول چیخ رہا تھا۔ دیوانیٔ نے اس کی آواز سنی تو اسے روپ نگر کی وہ رات یاد آگئی جب ساکا کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ اس کے منہ سے نکلا۔ ''آج میرے پتر نے ہی میرے کپڑے اتار لیے''۔

وہ دروازے پر آئی۔ اس نے سوچا کہ وہ اس بوڑھے سے کچھ دیر باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرے گی۔ چنانچہ اس نے اسے آواز دی: ''بابا ذرا ادھر آنا''۔

''کپڑے اتار دو''۔ پاگل شانو مکم بولا۔

''میرے کپڑے اتر چکے ہیں بابا''۔ دیوانیٔ بولی۔

یہ سن کر وہ بوڑھا جو ہمیشہ کپڑوں سے بے نیاز رہتا تھا اس کے پاس آگیا۔ دیوانیٔ اسے اندر لے آئی اور کھانا کھلایا۔

کھانا کھانے کے بعد پاگل بوڑھا اٹھا تو دیوانیٔ نے اس سے کہا۔ ''بابا میں بہت دکھی ہوں میری سہایتا کرو''۔

''پتری'' شانو مکم بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ شاید اس سے پہلے کسی نے اس پر اتنا بھروسہ نہیں کیا تھا۔ پتری میں پاگل نہیں ہوں، لوگ مجھے سمجھتے نہیں ہیں، ہر وکیتی برابر ہے۔ سب کو دیوتاؤں نے ایک جیسا بنایا ہے۔ جب ہم کپڑے پہن لیتے ہیں تو ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ بڑے چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ ان کپڑوں نے تمہیں بھی کبھی بڑا

بنایا ہے۔ کبھی چھوٹا۔ میں تمہارا دکھ جانتا ہوں کنت و تمہاری سہایتا کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ تمہارا نیائے کیول اسی سے سمبھو ہے جب نگر کے سب لوگ کپڑے اتار دیں۔ میں پریتن کر رہا ہوں کنتو تیرا پتر ہی میرا سب سے بڑا شترو ہے۔ وہ کسی کو کپڑے اتارنے ہی نہیں دیتا"۔

پھر نہ جانے کیا ہوا۔ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا اسے اپنی کوشش کی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ اس نے بجلی کی رفتار سے سامنے طاق پر رکھا دیوانی کا خنجر اٹھایا اور اپنے سینے میں اتار لیا۔ تھوڑی دیر تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

دیوانی گھبرا گئی، اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ لوگ دوڑ کر آئے۔ انہوں نے وہاں بوڑھے پاگل کی لاش دیکھی تو چیخنے لگے۔ "دیوی دیوانی نے بوڑھے کی ہتیا کر دی"۔

(تین)

"دیوانی نے بوڑھے پاگل شانو مکم کی ہتیا کر دی"۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی۔ کیتی کے لیے بوڑھے پاگل کا قتل غیر متوقع تھا۔

یہ اس کے منصوبے کا حصہ نہیں تھا لیکن اس قتل سے اس کے منصوبے کو مدد ضرور ملنے والی تھی۔

اپنے آدمیوں سے اس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ قتل دیوانی نے نہیں کیا لیکن لوگوں میں جو افواہ پھیل رہی تھی اسے خود کیتی بھی ہوا دے رہی تھی۔

یہ خبر سن کر سرال دیوانی سے ملنے گیا تھا اور دیوانی نے ساری باتیں حرف بہ حرف اسے بتا دیں۔ سرال کو اس کی بات پر یقین بھی آ گیا تھا اس لیے دیوانی کو گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔ پنچایت نے اسے بے گناہ قرار دیا تھا لیکن لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ چونکہ مجرمہ کا پتر نگر پالک ہے اس لیے معاملے کو رفع دفع کر دیا گیا ہے اور چونکہ مقتول پاگل کا کوئی وارث نہیں تھا اس لیے اس کی طرف سے پیروی کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ کیتی ان افواہوں کو پھیلا کر دیوانی کے بارے میں لوگوں کی رائے بگاڑنا چاہتی تھی اور اسے اس میں کامیابی مل رہی تھی۔

ادھر تارکی کا معاملہ الگ تھا۔ سرال سے اس کے تعلقات اب بہتر تھے اور وہ

اپنے پتی سے مطمئن تھی لیکن اب کیتی کا ڈر اس کے دل و دماغ پر مسلط ہونے لگا تھا اسے شک تھا کہ کیتی کسی خاص مقصد کے تحت کوئی چال چل رہی ہے اور اسی مقصد کے لیے اس کا بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس میں کیتی سے ٹکرانے کی ہمت نہیں تھی چنانچہ خاموشی سے بس حالات کو دیکھتے رہنا اس کی مجبوری تھی۔

نگر پالک بننے کے بعد سرال اب کوئی کام کیتی کے مشورے کے بغیر نہیں کرتا تھا اور کیتی نے سرال کی اس رعایت کا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ تمام اہم عہدوں پر اس کے وفادار لوگ فائز تھے۔ یہ سرال کے بھی وفادار تھے لیکن حکم کیتی کا مانتے تھے۔ سرال کو شراب کی لت پڑ گئی تھی اور اس میں کیتی کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سرال اس کے پتا کے راستے پر چلتے ہوئے اپنے انجام کو پہنچے۔ وہ چاہتی تھی کہ سرال شہر کی ذمہ داریوں سے غافل رہے تاکہ اصل اقتدار اس کے ہاتھ میں رہے۔ اس نے سرال کی نظروں میں اعتبار حاصل کر لیا تھا اس لیے سرال کو اس کا مشورہ ماننے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی۔

(چار)

کیتی کے لیے حالات سازگار تھے۔ اب وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری طرح آزاد تھی۔ بوڑھے پاگل شانو مکم کے قتل کا واقعہ اب کافی پرانا ہو چکا تھا اور اب لوگ اسے بھولنے لگے تھے۔

ایک دن اس نے اپنی پریہ داسی ولی کو بلایا اور کہا۔ ”ولی آج تم کو میرے لیے ایک آوشیک کاریہ کرنا ہے، تم جاؤ اور دیوانی سے اس بات کو لے کر جھگڑا کرو کہ بوڑھے کی ہتیا اسی نے کی تھی اور یہ کہ تم نگر پالک کی ماتا ہونے کے کارن دنڈ سے بچ گئی ہو۔“

ولی نے کہا: ”یہ کون سی بڑی بات ہے۔“

”تم دیوانی کے پاس دن ڈوبنے کے بعد جانا“ کیتی نے ہدایت دی۔ ”اور جس طرح سے بھی ممکن ہو اسے کرودھت کرنے کا پریتن کرنا، دیکھو کسی طرح کی لاپرواہی نہ ہونے پائے۔“

”آپ نشچنت رہیں نگر پالنی“ ولی نے کہا۔ ”یہ کاریہ میرے لیے بہت سرل ہے۔“

ولی کے جانے کے بعد کیتی تارکی کے پاس گئی اور اس سے دیوانی کے بارے میں

باتیں کرنے لگی۔ گذشتہ اچھے دنوں کو یاد کرتے ہوئے وہ بولی: "کتنا اچھا ہوتا کہ نگر ماتا اب بھی ہمارے ساتھ رہتیں تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ انھیں مناؤ اور یہاں رہنے کے لیے تیار کرو"۔

"وہ تم سے دکھی ہیں کیتی، جب تک تمھاری طرف سے ان کا ہر دے نہ صاف ہو یہ کیسے سمبھو ہے"۔

"تم چاہو تو میری سہایتا کر سکتی ہو۔ مجھے ان سے ملواؤ میں ان کے چرن چھو کر ان سے شما مانگ لوں گی"۔ یہ کہتے ہوئے کیتی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

کیتی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تارکی کو پورا یقین آ گیا کہ وہ واقعی ایسا ہی چاہتی ہے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آج ہی دیوانئی سے ملنے جائے گی اور اس سلسلے میں بات کرے گی"۔

اس شام تارکی جب دیوانئی سے ملنے گئی تو وہاں کچھ اور ہی منظر نظر آیا۔ کیتی کی منہ لگی داسی ولی بڑے ٹھسے سے وہاں بیٹھی تھی اور دیوانئی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ تارکی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے دیوانئی سے پوچھا: "کیا بات ہے ماتاجی"؟

"اب دیکھو یہ دو ٹکے کی چھوکری مجھ سے کہہ رہی ہے کہ پاگل شاتوسکم کی ہتیا میں نے کی تھی"۔

"پرنتو اب تو یہ بات ختم ہو چکی ہے، پنچائت نے تمھیں نرپرادھ گھوشت کر دیا ہے"۔

"اس کا کہنا ہے کہ نگر پالک کی ماں ہونے کے ناطے مجھے بچا لیا گیا، نہیں تو مجھے دنڈ اوشیہ ملتا"۔

"تو میں نے کیا غلط کہا ہے نگر پالنی"۔ ولی نے تارکی سے کہا۔ "سچ تو یہی ہے پھر اس استری کے لیے ہتیا کوئی نئی بات تو نہیں ہے ایسی دراچاری استریوں کا کیا بھروسا، یہ تو میری اور تمھاری بھی ہتیا کر سکتی ہے"۔

داسی کے منہ سے یہ بات سن کر تارکی اور دیوانئی کو ایک ساتھ غصہ آیا تھا۔ تارکی اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی اور ولی کے گال پر ایک تھپڑ مار دیا۔ داسی تو جیسے پہلے سے ہی اس کے لیے تیار تھی اس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور تارکی کی طرف لپکی۔ یہ دیکھ کر دیوانئی تیزی سے اٹھی اور پیچھے سے ولی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پہلے تو تارکی گھبرا گئی تھی لیکن جب دیوانئی نے اسے پکڑ لیا تو آگے بڑھ کر اس نے خنجر داسی

کے ہاتھ سے چھین لیا اس پر داسی نے اسے زور سے لات ماری اور دیوانئی کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ تارکی کا غصہ آسمان پر پہنچ چکا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی اس کی قوت سلب ہو چکی تھی۔ غضب ناک ہو کر اس نے خنجر کو ایک نظر دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ خنجر ولی کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا اور اس کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تارکی نے اپنے غصے پر قابو پایا تو ولی کی لاش دیکھ کر گھبرا گئی اور رونے لگی۔

دیوانئی نے کہا: "رومت پتری، اچھا ہی ہوا کہ یہ داسی پرلوک سدھار گئی"۔

"پرنتو اب کیا ہوگا" ۔ تارکی اپنے انجام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"تم گھبراؤ مت پتری، میں بوڑھی ہو چکی ہوں تمہیں ابھی جیون کے بہت سے رنگ دیکھنے ہیں یہ ہتیا تم نے نہیں کی میں نے کی ہے"۔

"پرنتو............"۔

"کچھ نہیں تم کسی سے بھی یہ بات نہیں بتاؤ گی کہ یہاں کیا ہوا تھا۔ میں سب سنبھال لوں گی، اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔ تمہارا یہاں رہنا تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہوگا"۔

تارکی ویسے ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ دیوانئی سے یہ سنا تو وہاں سے بھاگی اور کوٹے میں آکر اپنے کمرے میں ہی دم لیا۔

(پانچ)

اس سارے واقعے کا ایک چشم دید گواہ اور تھا۔ کیتی نے اپنی ایک اور داسی تنوری کو وہاں بھیجا تھا تاکہ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے خبر دے۔ یہ بات نہ تارکی کو معلوم تھی اور نہ ولی کو۔ ولی کا قتل ہوتے دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے سیدھے کیتی کے پاس پہنچی۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے اکھڑی اکھڑی سانسوں اور شکستہ جملوں کے ساتھ کیتی کو بتانے کی کوشش کی۔ "نگر پانی.........نگر پانی"۔

ابھی اس کی سانسیں قابو میں نہیں تھیں۔

"کیا ہوا تنوری"؟ کیتی نے اطمینان سے پوچھا۔

"تارکی دیوی نے ولّی کی ہتیا کر دی"۔

"کیا"۔ کیتی کے منہ سے حیرت سے نکلا۔ وہ یہ سن کر اچانک کچھ گھبرا گئی تھی کہ اس کا منصوبہ غلط انداز میں انجام کو پہنچا تھا، وہ بولی۔ "تم وستار سے ساری باتیں بتاؤ"۔

توری سے کچھ کہتے نہیں بن رہا تھا اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ کیتی کو واقعات کو جاننے کی بے چینی تھی اسے غصہ آ رہا تھا۔ اس نے توری کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یہ رونا دھونا بعد میں کرتی رہنا، تم نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ سب کرم وار مجھے بتاؤ"۔

توری نے اپنے کو سنبھالا اور تفصیل سے ساری باتیں کیتی کو بتا دیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح دیوانئی نے تارکی کو وہاں سے بھگا دیا اور قتل کا الزام اپنے سر لینے کو تیار ہو گئی۔ یہ سن کر کیتی کی جان میں جان آئی۔ اس کا منصوبہ ناکام نہیں ہوا تھا۔ بس ذرا سی نوعیت بدلی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکلی۔ اب اس کا ذہن اپنے منصوبے کی تجدید کاری میں مصروف تھا وہ ذہین تھی اور اس کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی کہ بدلتی صورت حال کے مطابق اپنے منصوبے کو نئے حالات کے مطابق بنا سکے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اب اس کے ذہن میں منصوبے نے ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کا رخ سرال کی جانب تھا۔ اس وقت سرال نگر سبھا کے سدسیوں سے کچھ ضروری باتیں کر رہا تھا۔ کیتی کا زرد چہرہ اور آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا۔ بولا "کیا بات ہے کیتی، تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو"؟

کیتی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئی، اس نے بتایا: "مہامن مجھے نیائے چاہیے، تارکی نے میری پریہ داسی ولّی کی ہتیا کر دی ہے اس کی لاش ماتا دیوانئی کے مکان پر پڑی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ مجھے نیائے چاہیے نیائے مہامن"۔

کیتی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سرال حیران تھا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا۔ وہ صورت حال کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور کیتی کہے جا رہی تھی۔ "ولّی میری سکھی تھی۔ مجھے دکھ پہنچانے کے لیے اسے جان بوجھ کر مارا گیا ہے اس کے بنا اب میں کیسے جیوت رہوں گی، مجھے نیائے چاہیے مہامن، مجھے نیائے چاہیے"۔

یہ کہتے ہوئے۔ کیتی اس طرح فرش پر گر پڑی جیسے بے ہوش ہو گئی ہو۔

''تمہیں نیائے ملے گا کیتی۔ تارکی نے بتیا کی ہے تو وہ دنڈ کی ادھیکاری ہے۔ ودھان کی درشٹی میں سب سمان ہیں''۔ سرال نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

اسے روتا چھوڑ کر سرال نے مہاویر مانگدی کو طلب کیا اور معاملے کی تحقیقات کا حکم دیا اور خود تارکی سے ملنے کے لیے اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

تارکی اپنے بستر پر ڈھیر تھی اور روئے جا رہی تھی۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ سرال کب اس کے کمرے میں آیا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی یہ میں نے کیا کیا، یہ میں نے کیا کیا۔ سرال بھی عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب تک یہ بات کئی لوگوں کو معلوم ہو چکی ہوگی کہ ولی کا قتل تارکی نے کیا ہے۔ تحقیقات سے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قتل واقعی اسی نے کیا ہے تو انصاف کے تقاضے کو پورا کرنا نگر پالک کا فرض تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے حالات کی نوعیت کچھ اور ہو اور تارکی کو بچانے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ سرال نے تارکی کو اٹھایا تو وہ گھبرا کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں سرال یہ تو نہیں جان گیا کہ یہ قتل میں نے کیا ہے۔ سرال اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس کی حالت کچھ بتانے کے لائق نہیں تھی۔

مہاویر مانگدی اپنے عملے کے ساتھ جائے واردات پر پہنچے، وہاں لاش ابھی تک اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ پاس ہی چارپائی پر دیوانی بیٹھی تھی۔ مہاویر نے اس سے پوچھا ''یہ سب کیسے ہوا دیوی''؟

''یہ ہتیا میں نے کی ہے''۔ دیوانی نے مختصراً جواب دیا۔

مہاویر حیران تھے۔ وہ تو کچھ اور ہی سن کر آئے تھے۔ دیوانی نے سارا واقعہ من و عن سنا دیا تھا لیکن مہاویر کو کسی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ انھیں کیسے یقین آسکتا تھا کہ ایک معمولی داسی نگر ماتا سے ایسی باتیں کر سکتی ہے۔ لیکن دیوانی جرم کا اعتراف کر رہی تھی اس لیے مجبوراً ہی سہی اسے گرفتار کرنا ہی تھا۔ انہوں نے ویروں کو اشارہ کیا جنہوں نے اس کے ہاتھ باندھ دے اور اسے لے کر بندی گرہ کی طرف چلے گئے۔

مہاویر مانگدی کوٹ میں واپس آئے تو ان کی ملاقات سرال کے بدلے کیتی سے ہوئی، انہوں نے بتایا کہ دیوانی نے قتل کا اعتراف کر لیا ہے اور اسے گرفتار کیا جا چکا

ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں سرال بھی وہاں آ گیا۔ مہاویر کی باتیں سن کر وہ حیران ہوا کہ اس کی ماں کیسے اس قتل کو اپنے سر لے رہی ہے جبکہ یہ قتل کیتی کے بقول تارکی نے کیا ہے۔

کیتی دل ہی دل خوش ہو رہی تھی۔ اس نے یہ حربہ محض اس لیے استعمال کیا تھا تاکہ سرال کے ذہن کے کسی کونے میں یہ خیال سر نہ اٹھانے پائے کہ کیتی کسی بغض و کینہ کی وجہ سے دیوانئی پر الزام لگا رہی ہے۔ اس نے اپنی زبان سے دیوانئی کا نام نہیں لیا تھا۔ تارکی کا نام لے کر اس نے سرال سے انصاف مانگا تھا اور سرال نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اسے انصاف ملے گا۔

سرال نے مہاویر سے کہا: "مہاویر یہ پرکرن تو الجھ گیا ہے۔ اب یہ چھان بین کرنا اتی آوشیک ہو گیا ہے کہ یہ ہتیا تارکی نے کی ہے یا دیوانئی نے"۔

اس کے لیے مجھے نگر پالنی تارکی سے بھی پوچھ تاچھ کرنی ہوگی۔ مہاویر مانگدی نے کہا۔

تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ قتل دیوانئی نے ہی کیا ہے۔ تارکی نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے نہ تو قتل کا اعتراف کیا تھا اور نہ انکار۔

کیتی کی سازش کا سرال کو شبہ بھی نہ ہوا تھا اور اس کا کام منصوبہ کے عین مطابق چل رہا تھا۔

(چھ)

مہاپنچ اور پنچ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے، نگر پالک اور نگر پالنی کی جگہیں بھر چکی تھیں۔ اسی وقت دو ویروں کے گھیرے میں دیوانئی کو نیائے مندر میں لایا گیا۔ جب وہ اپنی مقررہ جگہ پر آ کر کھڑی ہو گئی تو ایک پنچ نے بلند آواز میں دیوانئی سے کہا۔ "دیوانئی تم پر آروپ ہے کہ تم نے اپنے پد کا درپیوگ کرتے ہوئے نگر پالنی کیتی کی پریہ داسی ولّی کی ہتیا کی ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں کیا کہنا ہے"؟

"میں اپنا اپرادھ سویکار کرتی ہوں"۔ دیوانئی نے کہا۔

"تم نے یہ ہتیا کیوں کی"؟ ایک دوسرے پنچ نے اس سے پوچھا۔

"اس لیے کہ اس نے مجھ پر کٹار سے حملہ کیا تھا اور مجھے اپنے بچاؤ میں اس کی

ہتیا کرنی پڑی"۔

"یہ استیہ ہے"۔ ولی کے بھائی ویلن نے کہا: "مجھے ولی بتایا کرتی تھی کہ نگر ماتا دیوانی کا ہردے نگر پالنی کیتی کی اور سے صاف نہیں ہے، وہ ان کو کبھی بھی کوئی ہانی پہنچا سکتی ہے۔ جب ان کا بس نگر پالنی پر نہ چلا تو اپنا کرودھ ولی پر اتار دیا کیونکہ ولی ان کی پریہ داسی تھی۔

"دیوانی کیا تم کو نگر پالنی کیتی سے کوئی شکایت تھی"۔ ایک پنچ نے پوچھا۔

"ہاں"۔

"کیا شکایت تھی"؟

"اس نے میرے پتر کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا پتر میرے شترو کی پتری سے وواہ کرے۔ پرنتو یہ وواہ ہو گیا۔ کیتی نے میرے چاروں اور اپنی چالوں کا جال بن دیا اور ہر سمبھو اپائے سے مجھے دکھ دینے لگی۔ وہ سرال کے سامنے تو مجھ سے اچھا ویوہار کرتی تھی لیکن اس کے پیٹھ پیچھے مجھے اپمانت کرنے کے لیے ہر استر کا پریوگ کرتی تھی۔ واستو میں وہ مجھ سے اپنے پتا کی مرتیو کا بدلہ لینا چاہتی تھی اور آج اس کا یہ بدلہ پورا ہو رہا ہے"۔

"کیا مہامن سرال کچھ کہنا چاہیں"۔ مہا پنچ نے پوچھا۔

"نہیں"۔ سرال کے بدلے کیتی کی بڑی تیکھی آواز نکلی۔ یہ استری اپنی مرتیو کے بھے سے پاگل ہو گئی ہے۔ مہامن کو ایسی چھوٹی بات کے لیے پنچایت کے سامنے بلانا اچت نہیں"۔

سرال سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے دائیں طرف تارکی بیٹھی تھی جس کی آنکھوں میں آنسو تھے ایسا لگتا تھا کہ وہ کچھ کہنے کی خواہش مند ہے لیکن کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہی ہے۔ سرال کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ دھیرے سے بولی۔ "ماتا جی نرپرادھ پرتیت ہوتی ہیں"۔

جواب کیتی نے جواب دیا۔ "تو پھر یہ کاروائی تمہارے وردھ ہوگی کیونکہ شنکا کے گھیرے میں تم بھی ہو"۔

یہ سن کر تارکی گھبرا گئی اور خاموشی اختیار کر لی۔ سرال کے بائیں طرف بیٹھی کیتی کے چہرے پر آج فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ دیوانی سے اس کی ساری ہمدردیاں ختم ہو چکی تھیں۔ سرال البتہ مغموم تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی ماں کو کیسے بچائے۔ لیکن کیتی اسے تسلی تشفی دے کر معمول میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے خود

اپنے ہاتھوں سے سرال کو خوب شراب پلائی تھی تاکہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہ رہے اور نیائے مندر کی ساری کاروائی اس کی مداخلت کے بغیر انجام کو پہنچ جائے۔

"جب اپرادھی نے اپنا اپرادھ سویکار کرلیا ہے تو مہا پنچ ویرتھ میں پنچایت کا سمے کیوں نشٹ کر رہے ہیں۔" کیتی نے پنچوں کو جلد فیصلہ کرنے پر اکسایا۔

کیتی کی بات سن کر پنچوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ یہ سب کیتی کے وفادار تھے کیونکہ انھیں یہ معزز پد اسی کی مہربانی سے ملا تھا۔

بالآخر مہا پنچ نے اپنا فیصلہ سنایا۔ "دیوانئی نے اپنا اپرادھ سویکار کرلیا ہے اور پنچوں کو وشواس ہے کہ اس سویکاروکتی کے پیچھے کسی طرح کا ڈر، دباؤ یا دھمکی نہیں ہے۔ گھٹناؤں سے یہ پرتیت ہوتا ہے کہ دیوانئی کے ہردے میں نگر پالنی کیتی کے لیے دویش تھا اور وہ اسے ہانی پہنچانے کے پریتن میں تھی اور جب یہ سمبھو نہ ہوا تو اس نے اس کی داسی ولی کی ہتیا کر کے اپنے کرودھ کی اگنی کو شانت کیا، اس کے ہردے کے کسی کونے میں یہ وچار بھی اوشیہ رہا ہوگا کہ وہ نگر ماتا ہے اور اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا"۔

پنچوں کو پرکرن کی چھان بین کرنے کے بعد یہ پتہ بھی چلا کہ دیوانئی کے لیے ہتیا نئی بات نہیں ہے۔ یہ وہی استری ہے جسے ما کا برتن بنانے والے کی ہتیا کے اپرادھ میں ایک بار پہلے بھی دنڈ مل چکا ہے پنچوں کو یہ سوچنا بھی ملی کہ کچھ دنوں پہلے ایک سادھارن بات پر اس نے ایک بوڑھے ستانو مگم کی بھی ہتیا کردی تھی، پرنتو اگیات کارنوں سے یہ پرکرن نیائے مندر میں نہیں آیا"۔

"ان باتوں کو دیکھتے ہوئے پنچوں کو وشواس ہے کہ دیوانئی ایسی اپرادھی ہے جس کے لیے کسی کی ہتیا کرنا اسمبھو نہیں ہے"۔

"اس لیے نیائے مندر کی یہ پنچایت نیائے سے کام لیتے ہوئے اپرادھی دیوانئی کو پران دنڈ دیتی ہے۔ سوریاست کے بعد اسے نگر کے بڑے پھاٹک کے باہر پھینک دیا جائے جس سے دیوتا سویم اسے دنڈ دیں اور دوسرے ناگرک جن اس دنڈ سے بھے بھیت ہوں کہ نگر میں اپرادھ کم ہوں"۔

فیصلہ سننے کے بعد سرال پر جیسے سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا جیسے

وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن اب فیصلہ ہو چکا تھا۔ تارکی نے جیسے ہی دیوانی کی سزا سنی، بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ داسیوں نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا اور اسے دیوار کے پیچھے لے گئیں۔ کیتی اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے دل کی خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

اس کے انتقام کا ایک اور مرحلہ بخوبی انجام کو پہنچ گیا تھا۔

فیصلے کے فوراً بعد ویر دیوانی کو وہاں سے لے گئے۔ دن ڈوبنے میں ابھی دیر تھی۔ اس وقت تک کے لیے اسے پھر بندی گرہ میں ڈال دیا گیا۔

(سات)

اس فیصلے کا چشم دید گواہ سورج شرمندہ تھا۔ وہ سنسار کے انتو کے لیے چنتت بھی تھا لیکن اپنے وقت پر ڈوبنا اس کی مجبوری تھی۔

آسمان پر بادل تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جلد ہی تیز بارش ہو گی لیکن ہلکی بوندا باندی کے بعد فی الحال پانی رک گیا تھا۔ دل من کی شہر پناہ کے باہر کھڑی دیوانی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آسمان پر بیٹھا مہادیو اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر رو رہا ہے۔ یہ سوچ کر اسے سکون ملا۔

وہ تین دن کی بھوکی تھی۔ اس کا جسم کمزور تھا۔ کھڑے رہنے کی ہمت بھی اب اس میں نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

شہر پناہ کے مضبوط چوبی پھاٹک اسے شہر سے باہر نکال کر بند ہو چکے تھے اور اب اگلے دن کا سورج نکلنے سے پہلے اس کے کھلنے کا امکان نہیں تھا۔ یہ بات وہ جانتی تھی کہ اب اگلے دن کا سورج یوں ہی نہیں نکل آئے گا۔ اب یہ سورج اس کی بچی کچھی لاش دیکھے گا۔ اس کے سامنے دریائے سندھ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جیسے وہ اس ظالم شہر سے ناراض ہو۔ آسمان پر گھنے بادل چھا گئے تھے اور اب بارش ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔

دیوانی کو مرنے کا غم نہیں تھا۔ وہ تو خود کافی عرصے سے مرنے کی تمنا اپنے دل میں

چھپائے ہوئے تھی۔ اسے دکھ اس بات کا تھا کہ اسے موت کی یہ سزا اس کے اپنے لاڈلے بیٹے سرال کی سرپرستی میں دی گئی تھی اور وہ خاموش تھا۔

اس نے دل میں دیوتاؤں کو یاد کیا۔ اس نے چاہا نہیں تھا لیکن اس کے منہ سے بدعا کے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ ''مہادیو اگر تیرے پاس نیائے ہے تو اس انیائے کا دنڈ اس نگر کو اوشیہ دینا''۔

آسمان پر بادل گرج رہے تھے۔ اب تیز موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی تھی اور اس برسات میں شرابور دیو پریا دیوانی بیہوش پڑی تھی۔

PDF BOOK COMPANY

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

اختتامیہ

(ایک)

دیوانئی کی پہلی اور دوسری سزا کے درمیان شاید سماج میں کچھ تبدیلی آئی تھی۔ شاید اب عورت نے اپنی گمشدہ ذہانت اور اس کے استعمال کی صلاحیت واپس پالی تھی۔ شاید سرال پر کیتی کی جیت اسی تبدیلی کی علامت بن کر ابھری تھی۔ شاید دیوانئی کو سزا اسی لیے ملی تھی کہ اس نے ذہانت کی علامت کیتی، ایک عورت کی مخالفت کی تھی اور اس پر ایک معمولی ذہانت کے مرد سرال کو ترجیح دی تھی، صرف اس لیے کہ وہ اس کا بیٹا تھا۔ شاید دیوانئی کو ملنے والی سزا میں اس کے مقصد کی جیت پوشیدہ تھی کہ عورت کی اہمیت ثابت ہو چکی تھی۔ شاید دیوانئی اپنے مقصد میں مکمل طور پر کامیاب تھی۔ انسان کا نامکمل ذہن ان امکانات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہے لیکن کامیابی کو یقینی بنانا شاید اس کے بس میں نہیں ہے۔

(دو)

دیوتاؤں کی حالت انسانوں سے مختلف نہیں تھی۔

دِل مَن، دھرتی پر سورگ، دیوتاؤں کا پسندیدہ نگر، آج دیوتاؤں کے لیے پھر بحث کا موضوع بنا ہوا تھا۔

کچھ دیوتاؤں کا کہنا تھا کہ اس نگر کو تباہ کر دیا جائے۔ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ آج دیوانئی، دیو پریاد دیوانئی کو سزا دی گئی تھی۔ کیوں کہ سزا دینے والا بھی تو دیو پتر تھا۔

اس کا سبب بہت پیچھے تھا اور دیوانئی اور سرال اسی بحث کو کسی نتیجے پر پہنچانے کے

لیے ہی دھرتی پر بھیجے گئے تھے۔ آج یہ نتیجہ نکل آیا تھا۔ دیو پتر نے دیو پریا کو سزا دے دی تھی۔ اس سے صاف ثابت ہو چکا تھا کہ دھرتی پر پاپ کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ دیوتاؤں کی نظر میں کشال اور سرال میں کوئی فرق نہیں تھا کہ دونوں پاپ کے بوجھ سے مجبور ہو کر ہی وہ سب کر رہے تھے جو ان سے ہو رہا تھا۔ ان کی نظر میں دیوانی اور کیتی میں بھی کوئی فرق نہیں تھا کیونکہ اپنے اپنے زاویے سے دونوں غلط ہوتے ہوئے بھی ٹھیک تھے۔ سب سچ کے پیرو تھے لیکن سب کا سچ مختلف تھا۔ دل من میں جس طرح کا سماج بن چکا تھا، وہاں شر اور خیر کا جو معیار تھا وہاں زندگی کے لیے پاپ اور پنیہ کی جو بنیاد بنالی گئی تھی، دراصل وہ سب دیوتاؤں کو پسند نہیں تھا۔ لیکن کوئی آخری فیصلہ کرنے سے پہلے انہوں نے اس شہر کو ایک آخری موقع اور دینا چاہا تھا اور اسی کے لیے یہ مایا جال رچا گیا تھا۔ دیوانی ہو یا سرال، کیتی ہو یا تارکی، کشال ہو یا کوشک نار، یہ سب اسی مایا جال کے کردار تھے جو دیوتاؤں کی خواہش پر انہیں اس دھرتی کا عکس نمایاں طور پر دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اب کیتی اپنے انتقام کے اگلے مرحلے کی طرف جا رہی تھی۔ دیوتا جانتے تھے کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ دھرتی کے حالات سے باخبر تھے۔ اس لیے یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ کیتی سرال کو اپنے پتا کشال کے نقشِ قدم پر چلانے میں کامیاب ہو جائے گی اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ سرال موت کی تمنا کرے گا اور کیتی کی طرف سے کوئی ویر آئے گا اور اس کی یہ تمنا پوری کر دے گا۔ دیوتاؤں کو تارکی کا حشر بھی معلوم تھا کہ اب اس کی زندگی کے دن بھی پورے ہونے والے ہیں۔ کیتکی کا انجام بھی دیوانی سے مختلف نہیں تھا، یہ بھی ان کے علم میں تھا۔ بس اس کے لیے کال چکر کے کچھ اور گھومنے کا انتظار کرنا تھا۔

لیکن دیوتاؤں میں اب دل من کے وجود کو برقرار رکھنے پر اتفاق رائے نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کال چکر کو روک دینا چاہتے تھے کہ بار بار پاپ کی کتھا کو دہرائے جانے سے انہیں اکتاہٹ ہونے لگی تھی لیکن دل من کا حسن کچھ دیوتاؤں کو اب بھی پسند تھا اور وہ اسے کچھ وقت یوں ہی چلنے دینے پر مصر تھے۔ اور اسی بات کو لے کر مختلف پہلوؤں سے بحث کا بازار گرم تھا۔ دیوتا اس کے باوجود کہ اکثریت اس کے خاتمے کے حق میں تھی یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ

دھرتی سے بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ دیوانی کی آواز گونجی۔ ”مہادیو۔ اگر تیرے پاس نیائے ہے تو اس انیائے کا دنڈ اس نگر کو اوشیہ دینا۔“

آواز میں جو درد تھا اس سے دیوتا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور جیسے اسی ایک لمحے میں کسی ایک بات پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔

(تین)

آسمان سے موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ دل مَن کے ناگرکوں نے بارش کے یہ تیور پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ ایسا بھی محسوس کر رہے تھے کہ دریائے سندھ کا غضب بھی بارش کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔ انھیں یہ بھی لگ رہا تھا کہ زمین سے بھی جگہ جگہ پانی ابل رہا ہے۔ شہر کے لوگ دیوتاؤں کو یاد کر رہے تھے۔ لیکن دیوتا جیسے دھرتی اور یہاں کے رہنے والوں سے غافل ہو چکے تھے۔

دل مَن شہر دو ٹیلوں پر آباد تھا۔ بلندی پر رہنے کا فیصلہ ایسے دنوں کو نظر میں رکھ کر ہی کیا گیا تھا۔ بارش اور سندھ کے سیلاب نے مل جل کر جو قہر برپا کیا اس نے پہلے دیوانی کے چرن چھو کر اسے اپنی گود میں لے لیا۔ پھر شہر پناہ کی مشرقی دیوار گری اور پانی کا ریلا شہر میں داخل ہو گیا۔ مہاپتھ، تمام سڑکیں اور نچلے حصے میں بنے مکانات اس سیلاب کی زد میں آ چکے تھے۔ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے پانی کا ابلنا اب بھی جاری تھا۔ اس کے زور میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ شہر میں چاروں طرف ڈوبتے لوگوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں جو اس سیلاب بلا کے شور میں ڈوب کر کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔

اب نچلے لیکن بڑے ٹیلے پر رہنے والے ناگرک فکر مند تھے۔ پہلے انھیں اطمینان تھا کہ سیلاب کا پانی اتنی بلندی تک نہیں آ سکتا۔ اب وہ گھبرا رہے تھے۔ جہاں تک ان کی نظر جاتی تھی پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔ جیسے ساری دنیا میں اب بس پانی ہی بچا ہو۔ اور پانی تھا کہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا نہ اوپر سے، نہ نیچے سے۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے جتن اب بھی کئے جا رہے تھے لیکن یہی لوگ اب اپنے اپنے پاپوں کو یاد کر کے شرمندہ بھی تھے۔

انھیں آج دیوتاؤں کی منت سماجت خود غرضی معلوم ہو رہی تھی۔

اونچے ٹیلے پر بنے نگر پالک کے کوٹ میں بھی کم ہنگامہ نہیں تھا۔ شہر کی تباہی کا منظر ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ پھر بھی کم از کم وہ اپنی جانوں کے لیے مطمئن تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ دوسرے ٹیلے کی آخری چوٹی بھی پانی میں ڈوب چکی ہے اور سیلاب نے کوٹ کے دروازے پر دستک دے دی ہے تو وہ بھی گھبرائے۔ چاروں طرف بھگدڑ مچی تھی۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ کوئی سوائے اپنے کسی اور کے لیے فکرمند نہیں تھا۔ کنتی کہاں تھی سرال کو خبر نہ تھی۔ ہاں اکارا اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ ہر شخص کوٹ کی دوسری منزل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ کہ وہاں ابھی زندہ رہنے کی ہلکی سی امید باقی تھی۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ تباہی دیکھ کر ہر شخص کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ یہ طوفان آیا ہی اس لیے ہے کہ یہاں کے ایک ایک شخص کو ختم کر دے۔ لوگ رو رو کر دیوتاؤں سے اپنی سلامتی کی دعا کر رہے تھے۔ لیکن دیوتا شاید ان سے بہت ناراض تھے۔ اب اس کا سبب ہر شخص کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ انھیں احساس تھا کہ وہ اپنے اپنے گناہوں کی بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔

نہ تو بارش کی شدت میں کوئی کمی آئی تھی اور نہ دریائے سندھ کا غضب کم ہوا تھا۔ دھیرے دھیرے شہر کا یہ آخری حصہ، دل من پالک کی رہائش گاہ، نہایت مستحکم کوٹ پانی کے اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ اب یہ لوگ بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور اپنے اپنے پاپوں کو یاد کر کے دیوتاؤں سے معافی مانگ رہے تھے تاکہ ان کے دل کو کچھ شانتی ملے۔

نگر پالک سرال بھی اپنے خاتمے کے امکان سے خوفزدہ تھا۔ وہ اکارا کے ساتھ اپنی چھت پر کھڑا اس بربادی کو دیکھ رہا تھا۔ یکایک اکارا نے پانی پر تیرتی ایک لاش کی طرف اشارہ کیا۔ سرال فوراً پہچان گیا۔ یہ اس کی ماں دیوانی کی لاش تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے یہ لاش اس سے کچھ کہہ رہی ہے۔ اس نے غور سے دیوانی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر شانتی تھی اور لب خاموش تھے پھر بھی اس نے بخوبی سنا۔ آواز دیوانی کی ہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: ”نگر پالک مہامن سرال، تو نے اپنی بدھی کو تلانجلی دے دی۔ نگر پالک کے پد کے لیے اس سے بڑا پاپ کچھ نہیں۔ مہادیو کا کرودھ اس سندر نگر کو جل سمادھی دے رہا ہے۔ تیرا بھی انت اب دور نہیں۔ مہادیو سے اپنے پاپوں کی شما مانگ اس سے تیری آتما کو

شانتی ملے گی۔"

اب سرُ ال آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے مہادیو سے مخاطب تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں اس کی آواز دب کر رہ گئی جیسے مہادیو نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا ہو۔

اور تھوڑی دیر بعد دل من میں ایک بھی چیخ باقی نہیں بچی تھی۔ پورا شہر خاموش تھا۔ آواز تھی تو بس تیز ہواؤں کے چلنے کی، پانی کے گرنے کی اور دریائے سندھ کے گرجنے کی لیکن اب طوفان کی شدت میں کمی آنے لگی تھی۔

اس کے بعد سورج نے اس حسین شہر، دیوتاؤں کی پسندیدہ سرزمین، جنت نظیر دِل مُن کی شہر پناہ کے پھاٹک کو کھلتے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

:جاری:

باوجود اس کے کہ دل من کی زبان ہندی اور سنسکرت آمیز ہے، اس کے پڑھنے میں مجھے وہی مزا آیا جو راہی معصوم رضا کے مشہور و معروف سیریل مہابھارت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس سیریل کا شاید ہی کوئی ایپی سوڈ مجھ سے چھوٹا ہو۔ اس کتاب کا بھی کوئی صفحہ میری زد سے بچا نہیں ہے۔ دل من تمدن سندھ کے پس منظر کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہ گرے کی ایلیجی نہیں ہے نہ داستان امیر حمزہ ہے، لیکن اس میں رزم و بزم کی ہر وہ حکایت ہے جو قاری سے اصرار کرتی ہے، آگے پڑھو اور آگے پڑھو۔

یوسف ناظم

دل من تمدن سندھ کے پس منظر میں یعقوب یاور کا ایک تاریخی ناول ہے۔ اردو میں مغربی ادب کے تراجم کی باگ ڈور تیرتھ رام فیروز پوری اور مظہر الحق علوی کی طرح یعقوب یاور نے بھی سنبھالی ہے۔ انھوں نے اس میدان میں بھی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان تراجم سے ان کو کئی فائدے ہوئے۔ وہ ناول لکھنے کے فن سے واقف ہیں۔ جزئیات نگاری، کردار نگاری اور واقعہ کو پیش کرنے کا ہنر انھیں آتا ہے۔ آج اردو ادب میں جن زیادہ تر ناولوں کے ڈھول پیٹے جا رہے ہیں وہاں سب سے بڑا مسئلہ ریڈیبلیٹی کا رہا ہے۔ ناول کا کرافٹ کیا ہے، ہمارے زیادہ تر ناول نگار اس سے واقف نہیں۔ یعقوب یاور کمال فن کاری سے یہ مشکل مرحلے طے کر گئے ہیں۔

مشرف عالم ذوقی

Built against the background of Indus Valley Civil*ization* Dilmun', the title - with its touch of strangeness added to beauty is first of its kind in Urdu literature - themetically. The book is an outcome of inspiration that had been long prepared by the assimilative play of memory, the continual exercise of imagination and the richness of thought. Yaqoob Yawar displays his close acquaintance with that ancient civilization which he had explored in documents, history, archaeological remains and a study of Sumerian literat*ure*.

Dilmun (Mohenjo-Daro) like Hardy's 'Egdon Heath' is a living presence, against which the characters play their tragic past. The plot of the *novel* Dilmun' is indeed touching - one is moved by the tragedy that befalls humanity, the deluge that washes out the e*ntire 'D*ilmun' is God's own way of justice. To make a historical novel interesting from the first to the last, is indeed the work only of a genius, cutting across time and space. Dilmun is a tragic epic in prose.

Sharda Iyer

Dilmun (Novel)

by Yaqoob Yawar

arshiapublicationspvt@gmail.com
ISBN 978-93-81029-42-8
9 789381 029428